# محسنِ پاکستان کی ڈی بریفنگ



زاہد ملک

ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور اسلامی بم ___ حصہ سوئم

# محسنِ پاکستان کی ڈی بریفنگ

زاہد ملک

مطبوعاتِ حُرمت

HURMAT

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم

مِّن قُوَّةٍ وَّمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ

اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمعیت کے) زور سے اور گھوڑوں

کے تیار رکھنے (اُن کے) مقابلے کے لیے مستعد رہو (الانفال ۶۰)

# ڈاکٹر کھان کو ننگا کرنے کا وقت آ چکا ہے

یہ اس وقت کی بات ہے جب ڈی بریفنگ کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔ بلکہ یہ اس سے بہت پہلے کی بات ہے کہ کے آر ایل کے ایک سینئر سائنسدان کہنے لگے کہ ملک صاحب میرے ساتھ ایک عجیب واقع پیش آیا ہے۔ میں نے کہا ڈاکٹر صاحب کیا ہوا؟ کہنے لگے میں یورپ کے فلاں ملک سے واپس آ رہا تھا۔ جہاز پر سوار ہونے کے لئے بورڈنگ کارڈ لیکر دوسرے مسافروں کے ساتھ قطار میں کھڑا تھا کہ میرے پاس سفید کپڑوں میں ملبوس پولیس کے دو اہل کار آئے۔ کہنے لگے "کیا آپ فلاں صاحب ہیں؟" میں نے حیرانگی اور پریشانی کے عالم میں کہا ہاں میں فلاں آدمی ہوں۔" کہنے لگے ہمارے پیچھے پیچھے آؤ۔ وہ مجھے ایک کمرے میں لے گئے۔ میری اچھی طرح تلاشی لی، مجھے کپڑے اتارنے کو کہا۔ بوٹ اتروائے۔ ہر چیز کو غور سے دیکھا۔ پھر قدرے معذرت خواہانہ انداز میں کہنے لگے "ہم مجبور ہیں۔ جب بھی آپ کے ایٹمی پروگرام سے متعلق کوئی بھی شخص بیرون ملک سفر کرتا ہے تو امریکی انٹیلی جنس ایجنسیاں اسکا تعاقب کرتی ہیں۔ اسکی تمام حرکات وسکنات پر گہری نظر رکھتی ہیں۔ جب آپ لوگ ہمارے ائیر پورٹ پر آتے ہیں تو ہمیں آپ کی خصوصی تلاشی لینے کیلئے کہا جاتا ہے چنانچہ ہم ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔" ڈاکٹر صاحب نے مزید بتایا کہ جب میں کپڑے پہن کے وہاں سے چلنے لگا تو کہنے لگے امریکی اہل کاروں نے ہمیں بتایا ہے کہ ایک دن ہم ڈاکٹر کھان (ڈاکٹر عبدالقدیر خان) کو بھی ننگا کریں گے اور انہیں دنیا کے سامنے ذلیل کریں گے !!

قارئین کرام۔ میں انتہائی بوجھل دل کے ساتھ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میری دانست میں محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان پر وہ وقت آ چکا ہے !!

# سات تاریخ ساز سیکنڈ














28 مئی 1998 کو ہیبتناک ایٹمی دھماکوں کے بعد جب محسن پاکستان چاغی سے روانہ ہونے لگے تو ایک قبائلی سردار دیوانہ وار آگے بڑھا اور اس نے انتہائی جذباتی کیفیت میں محسن پاکستان کے پاؤں پر اپنی پگڑی رکھ دی۔ سردار نے ڈبڈباتی آنکھوں اور کپکپاتی آواز میں کہا ''جناب میرے تین بیٹے ہیں جب کہیں گے میں پاکستان کے لئے قربان کر دونگا۔''

اسلام آباد پہنچنے کے چند روز بعد محسن پاکستان نے اس غیور قبائلی سردار کو اپنے راولپنڈی آفس میں مدعو کیا۔ تصویر میں تین بیٹوں کا باپ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے باپ کے ساتھ کھڑا ہے

جو کچھ 1998 میں اس قبائلی سردار نے کہا وہی کچھ آج نظر بند محسن پاکستان کہتے نظر آئے ہیں:

آپ جب کہیں گے میں پاکستان کے لئے قربان ہو جاؤنگا۔

# ترتیب مضامین

# عرضِ مصنّف

یہ تو مجھے علم تھا کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر شدید دباؤ پڑے گا۔ اور مجھے اس بات کا بھی خدشہ تھا اور ہے کہ بالآخر پاکستان کو ایٹمی پروگرام کی بساط لپیٹنے کے لئے کہا جائے گا۔ اسی لئے میں نے اپنی کتاب ''ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور اسلامی بم---حصّہ دوم'' (مطبوعہ اکتوبر 1998) میں لکھا تھا کہ میں ''ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور اسلامی بم---حصّہ سوم'' بھی لکھوں گا اور وہ کتاب پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر میری تیسری اور شاید آخری کتاب ہوگی۔ اس وقت سے لیکر اب تک یعنی گذشتہ چھ سال میں میں نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام اور محسن پاکستان کی شخصیت کے بعض غیر ایٹمی پہلوؤں اور عوام کی ان سے غیر معمولی عقیدت کے حوالے سے دو اضافی کتابوں کی منصوبہ بندی کی لیکن بعض ایسے اتفاقات اور واقعات رونما ہوئے کہ وہ دونوں کتابیں جو کہ یقینی طور پر دلچسپ اور معلومات افزا کتابیں ہوتیں شائع نہ ہو سکیں۔ ان میں سے ایک کتاب جس کا سرورق میرے عزیز دوست اسلم کمال صاحب نے تخلیق کیا تھا کا عنوان تھا ''عقیدت نامے'' سرورق جناب اسلم کمال کی اعلیٰ تخلیقی صلاحیتوں کا شاہکار تھا۔ میں نے کتاب کا ٹائیٹل محسن پاکستان کو دکھایا تو انہوں نے بہت پسند کیا۔ البتہ اپنی معصومانہ مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا ''اس میں سیاہ رنگ کچھ زیادہ ہے۔'' میں نے اسلم کمال صاحب کو محسن پاکستان کے اس تاثر سے آگاہ کیا تو انہوں نے مصوّر اقبال کے منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے اقبالی بات کی ''میں سیاہی ہی دیکھ رہا ہوں'' اُس کتاب کا پیش لفظ اس کتاب کے آخری باب کے طور پر شائع کیا جا رہا ہے اور وہ اس لئے کہ میں نے پیش لفظ میں بتایا تھا کہ میں نے محسن پاکستان کی عوام میں پذیرائی اور امام کعبہ الشیخ عبداللہ بن سبیل کی پہلی مرتبہ پاکستان تشریف آوری کے موقعہ پر ان کے استقبالیہ مناظر میں بڑی مماثلت دیکھی ہے۔ میں امام کعبہ کے لاہور، ملتان، کوئٹہ اور کراچی وغیرہ کے دوروں کے دوران تقریباً دس دن تک ان کے ہمراہ رہا تھا۔

دوسری کتاب جو شائع نہ ہو سکی وہ محسن پاکستان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کے حوالے سے تھی۔ اس کتاب کا عبوری عنوان تھا ''ڈاکٹر عبدالقدیر خان۔ شخصیت اور کارنامے'' اس کتاب میں ان بہت سی شخصیات کی غیر مطبوعہ تحریریں شامل کی جانا تھیں جو محسن پاکستان کے شب و روز سے بخوبی واقف تھے، یہ سب تحریریں اب بھی میرے پاس ہیں اور ان تحریروں میں محسن پاکستان کی بیگم صاحبہ اور ان کی دو صاحبزادیوں کے تفصیلی تاثرات بھی شامل ہیں جو آجکل اپنے والد گرامی کی تکلیف دہ نظر بندی کی بنا پر

خود بھی نظر بندی کے سے دن گزار رہی ہیں۔ان تحریروں میں بعض اہم ملکی و غیر ملکی شخصیات کی فکر انگیز تحریریں بھی شامل ہیں۔ان تحریروں میں سے ایک تحریر جو سابق صدر پاکستان جناب غلام اسحاق خاں کی ہے زیر نظر کتاب میں باب ''یہ صرف اور صرف ڈاکٹر خان کا کریڈٹ ہے'' میں شامل کیا جارہا ہے۔جناب غلام اسحاق خاں نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو آگے بڑھانے اور اسکے تحفظ میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ان کی اس انتہائی مصدقہ اور معلومات افزاء تحریر سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ثابت ہوجاتا ہے کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کا خالق کون ہے۔سابق صدر پاکستان کے میرے نام اس خط کو پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے حوالے سے ایک حتمی اور دوٹوک فتوے کی حیثیت حاصل ہے۔جب مارچ۔اپریل 1993 میں اس وقت کے وزیراعظم جناب محمد نواز شریف کی حکومت کے خاتمے کا فیصلہ ہورہا تھا تو میں نے وطن عزیز میں جمہوریت کے عمل کو جاری رکھنے کی خاطر صدر پاکستان سے ایوان صدر میں ان کے دفتر میں آٹھ مرتبہ ملاقات کی تھی اور صدر مملکت کو انکے ممکنہ عمل کے مضمرات سے آگاہ کیا تھا۔میں جناب غلام اسحاق خان کو پاکستان کی چند بڑی شخصیات میں شمار کرتا ہوں'انہیں بہکا دیا گیا تھا۔جب سپریم کورٹ نے میاں نواز شریف کی حکومت کو بحال کردیا تو صدر پاکستان نے مجھے فون کیا۔؟روزنامہ نیوز کے موجودہ ایڈیٹر جناب سلیم بخاری اس وقت میرے دفتر میں موجود تھے صدر پاکستان نے فون کیوں کیا وہ ایک الگ موضوع ہے۔تو میں عرض کررہا تھا کہ میرا پروگرام تو تھا کہ میں محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی شخصیت اور عوام میں انکی پذیرائی کے حوالے سے ان دو مجوزہ کتابوں کے علاوہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر اپنی تیسری اور آخری کتاب لکھوں گا۔اس حوالے سے میری پہلی دو کتابوں کے پاکستان اور بھارت میں درجنوں نہیں بلکہ سینکڑوں ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں جن میں بعض ناشروں کی طرف سے بغیر میری پیشگی اجازت کے شائع کئے جانے والے جعلی ایڈیشن بھی شامل ہیں۔علاوہ ازیں پاکستان اور بھارت میں ایٹمی پروگرام کے حوالے سے بعض دیگر مصنفین کی بھی جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں سے زیادہ مواد میری کتابوں ہی سے اخذ کیا گیا ہے اور بعض واقعات ہو بہو نقل کردیئے گئے ہیں۔

میں امڈتے بادل دیکھ رہا تھا اور میری زیر نظر کتاب محسن پاکستان کا گھیرا تنگ کئے جانے کے فوراًبعد شائع ہوسکتی تھی اور خاص طور پر جب جنوری 2004 میں ان سے شدید دباؤ کے عالم میں پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع ہوا اور جسے سرکاری طور پر ڈی بریفنگ کا قدرے غیر مانوس عنوان دیا گیا اس کے فوراًبعد یہ کتاب محسن پاکستان کے عشاق اور پاکستان کے ایٹمی پروگرام میں دلچسپی لینے والے قارئین کرام کے ہاتھوں میں پہنچ سکتی تھی لیکن اب میں اپنے آپ میں نوحے اور مرثیے لکھنے کی ہمت نہیں پاتا۔بے شک میرا اپنا دل روتا ہے اور محسن پاکستان کی کردار کشی اور انکی بے بسی دیکھ دیکھ کر میری آنکھیں نمناک ہوجاتی





ہے۔یہ کتاب لکھتے ہوئے بھی میں کئی مرتبہ روپڑا لیکن میں کتاب شائع کرکے دوسروں کو نہیں رلانا چاہتا تھا۔

میرے دل میں پہلے ہی دو بڑے زخم لگ چکے ہیں 1971 میں سقوط ڈھاکہ کے بعد پلٹن میدان میں بھارت کے جنرل اجیت سنگھ اروڑہ کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے منظر سے جو میرے دل و دماغ پر نقش ہوچکا ہے میں اب بھی رنجیدہ ہوجاتا ہوں اور میری آنکھیں نمناک ہوجاتی ہیں' پھر میرے والد محترم ملک علی اکبر جو کہ ایک پارسا شخصیت تھے کی کینسر کے مرض سے وفات کے منظر پر بھی افسردہ ہوجاتا ہوں اور اب محسن پاکستان کی توہین آمیز ڈی بریفنگ اور انکی رسوائی نے میرے دل کو چھلنی چھلنی کردیا ہے۔ایک ایسی محترم شخصیت جو چوبیس گھنٹے باوضو رہتی ہے کا یہ حشر!!

یہ کتاب اب اکتوبر 2004 میں شائع ہورہی ہے۔پہلے اس لئے بھی شائع نہ ہوسکی کہ یہ بہت ہی نازک' حساس' اور قابل گرفت موضوع ہے۔میرے بعض دوستوں اور بہی خواہوں نے میرے پوچھنے پر مشورہ دیا کہ موجودہ حالات میں کتاب لکھنا ''آ بیل مجھے مار'' کے مصداق ہوگا۔ان کا کہنا تھا کہ جو حلقے اور جو اندرونی و بیرونی طاقتیں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو رسوا کررہی ہیں وہ محسن پاکستان سے آپکی غیر متزلزل کمٹمنٹ اور ان سے آپ کی قربت کی بنا پر آپ پر بھی نظر رکھے ہوئے ہیں۔آپ کو کسی من گھڑت کہانی کا کردار بنا سکتی ہیں۔ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ وہ کمپیوٹر ٹیکنالوجی کی مدد سے آپکو کسی غیر ملکی ایجنٹ کے ہاتھ ایٹمی ٹیکنالوجی فروخت کرتے دکھا سکتے ہیں اور آپکو کسی مے خانے میں لڑکیوں کے جھرمٹ میں بدمست دکھا کر آپکی کردار کشی کرسکتے ہیں لیکن میں نے بہی خواہوں کے مشوروں کے برعکس کتاب شائع کرنے کا فیصلہ کیا حالانکہ دوستوں کے علاوہ ان حکام نے جنہوں نے کہ محسن پاکستان کی ڈی بریفنگ کی اور آج بھی جن کے ہاتھوں میں محسن پاکستان پھڑ پھڑا رہے ہیں مجھے تین چار مرتبہ سختی سے منع کیا کہ میں محسن پاکستان سے کنارہ کشی اختیار کرلوں اور انکی حمایت میں کچھ نہ لکھوں۔

## میں نے اپنا بیگ تیار کرلیا

17 جنوری کو انجینئر ڈاکٹر نذیر حمد کو اٹھا لیا گیا اسکے دوسرے دن انکی بیگم اور انکی صاحبزادی صلاح مشورے کے لئے ہمارے گھر تشریف لائیں۔جب بیگم ڈاکٹر نذیر اور انکی صاحبزادی ہمارے گھر سے روانہ ہونے لگیں اور ہم نے اپنے گھر کے باہر والے دروازے پر انہیں بوجھل دل کے ساتھ خدا حافظ کہا تو میں نے اپنی بیگم سے کہا ''میرا بیگ بھی تیار کردو۔اب میری باری بھی آنے والی ہے۔'' میری بیگم نے پریشان ہوکر کہا خدا نہ کرے ایسا ہو لیکن میں نے اصرار کیا کہ مجھے بھی مزید وقت ضائع کئے بغیر ڈی

بریفنگ یا جیل کیلئے تیار ہو جانا چاہیے۔ میں نے کہا کہ میں نے ماضی میں بھی دفاعِ پاکستان کے ایٹمی پروگرام اور محسن پاکستان سے اپنی جذباتی اور گہری وابستگی کی خاطر قربانی دی تھی اور اس وقت مجھے سزائے موت دیئے جانے کی بھی باتیں ہوئی تھیں جن کا میں نے اپنی کتاب ''ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور اسلامی بم'' حصہ دوم میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اور اب میں ڈاکٹر نذیر احمد اور میجر اسلام الحق کی گرفتاری سے بہت پریشان ہو گیا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ صورت حال میری آزمائش کی گھڑی ہے---چنانچہ ہم نے باہمی صلاح مشورے سے ایک کالے رنگ کے ہینڈ بیگ میں سب سے پہلے جاءِ نماز اور قرآن شریف رکھا۔ ان دنوں عبداللہ یوسف علی کا قرآن حکیم کا انگریزی ترجمہ اور اسکی تفسیر میرے زیرِ مطالعہ تھی یہ ترجمہ واشنگٹن میں آمنہ کارپوریشن نامی ایک ادارے نے 1989 میں شائع کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس ترجمہ کو نہ صرف خوبصورت انداز میں شائع کیا بلکہ اسے امریکہ میں کثیر تعداد میں تقسیم بھی کیا۔ میری بیگم نے ہینڈ بیگ میں ایک گہرے رنگ کا شلوار قمیض کا جوڑا تہہ کر کے رکھا اور کہا یہ اچھا ہے میل خورا ہے۔ بیگم کے اس فقرے سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ صورت حال کو بھانپ گئی ہیں اور انہیں خدشہ ہے کہ میرا زیرِ عتاب آنے کا سلسلہ طول پکڑ سکتا ہے۔ انہوں نے کچھ ضروری ادویات بھی بیگ میں رکھ دیں۔ میں نے ادویات کو دیکھا تو اس میں سر درد، بخار، پیچش وغیرہ کے علاوہ سکون بخش ادویات بھی تھیں۔ میں نے سکون آور گولیاں بیگ سے نکال دیں اور کہا بیگم! قرآن حکیم کے ہوتے ہوئے مجھے کسی سکون بخش چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ شفاء کے ہوتے ہوئے دوا کیسی۔

صبح کا وقت اور اتوار کا دن تھا اور میں سارا دن گھر پر ہی رہا۔ دوپہر کو کچھ دیر آرام کرنے کی کوشش کی لیکن سونہ سکا۔ دل طرح طرح کے وسوسوں کا شکار ہونے لگا میں ڈی بریفنگ یا بند کمرے میں ذہنی اور جسمانی تشدد یا جیل کی آہنی سلاخوں سے خوفزدہ نہ تھا اسلئے کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا لیکن چونکہ محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان پر طرح طرح کے تکلیف دہ الزامات اور انکی کردار کشی کا مذموم سلسلہ شروع ہو چکا تھا اس لئے مجھے یہ اندیشہ پریشان کرنے لگا کہ نہ جانے میرے خلاف کیا کیا الزامات لگائے جائیں گے اور میڈیا میں کیا کیا قصے کہانیاں پلانٹ کی جائیں گی۔ گو مجھے یہ یقین تھا کہ مقتدر حلقے اور متعلقہ ادارے میرے بارے میں اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں اسلام آباد میں 1964 سے مقیم ہوں اور میں کس طرح ایک باعزت زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتا چلا آیا ہوں لیکن مجھے چونکہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے حوالے سے پاکستان پر شدید دباؤ کا مکمل ادراک تھا اور اس بات کا بھی علم تھا کہ پاکستان میں جولابی مختلف وجوہات کے تحت محسن پاکستان کیخلاف ہے وہ مجھے بھی محض اس وجہ سے نشانہ بنانے کی کوشش کرتی رہتی ہے کہ میں ڈاکٹر خان کے مداحوں میں سے ہوں اس لیے میں آنے والے





دنوں میں ممکنہ خطرات کے بارے میں متفکر ہونے لگا۔

ڈاکٹر انجینئر فاروق احمد کو رات کے پچھلے پہر بے بس کر کے قابو کیا گیا تھا اور وہ اس طرح کہ وہ پھڑ پھڑا بھی نہیں سکتے تھے۔ جبکہ بعد میں کے آر ایل کے دیگر سائنس دانوں اور انجینئروں کو شام کے چھ سات بجے کے قریب پکڑا گیا تھا اسلئے میں نے بھی اپنے ذہن میں اپنی ممکنہ گرفتاری کا وقت چھ سات بجے شام مقرر کر لیا۔ اتوار کی شام جب چھ بجنے لگنے تو میرے وسوسے گہرے ہونے لگے اور قدرے تناؤ کی سی کیفیت پیدا ہونے لگی۔ اٹھ کر ایک مرتبہ پھر ہینڈ بیگ کی طرف گیا اور بے خیالی میں تمام اشیاء الٹ پلٹ کر دیکھیں یہ سلسلہ کئی دن تک جاری رہا۔ اگر ممکنہ گرفتاری کے فرضی وقت یعنی چھ سات بجے شام اتفاق سے کوئی مہمان بھی ہمارے گھر کے دروازے کی گھنٹی بجاتا تو میں آس پاس بیٹھے کسی بیٹے یا بہو کو کہتا کہ بیٹے میرے خیال میں وہ آ گئے ہیں اور میرا وقت آ گیا ہے۔ جب رات کے نو دس کا وقت ہو جاتا تو میں قدرے مطمئن ہو جاتا کہ چلو آج کا دن بھی خیریت سے گزر گیا ہے۔

## میری ڈی بریفنگ

وسوسوں میں الجھے رہنے کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ ایک صبح ایک بریگیڈیئر صاحب کا فون آیا ۔ کہ آپ آج شام 4 بجے فلاں جگہ تشریف لائیں۔ بریگیڈیئر صاحب سے پہلے بھی ماضی میں بعض دیگر حوالوں سے ملاقاتیں ہو چکی تھیں وہ وطن عزیز کو درپیش مسائل پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ البتہ ان کا گفتگو کا انداز جارحانہ ہوتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر انکے ہاتھ میں مکمل اختیارات ہوں یعنی اگر وہ مارشل لا کے دنوں میں چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر ہوں تو وہ ہر چیز کو تہس نہس کر دیں گے۔ میں جان بوجھ کر انکی شناخت بیان نہیں کر رہا۔ میں نے کہا بریگیڈیر صاحب آپ نے جو جگہ بیان کی ہے وہ میں نے پہلے نہیں دیکھی اسلئے ممکن ہے اسے تلاش کرنے میں مجھے مشکل پیش آئے میں نے بریگیڈیئر صاحب کو مزید بتایا کہ میں آج شام 6 بجے کی فلائٹ سے کراچی جا رہا ہوں۔ لہٰذا اگر میں آپ سے ملاقات کے بعد کراچی جا سکوں گا تو میں اپنا کراچی والا بیگ ساتھ لیتا آؤں تا کہ وہاں سے ہی ایئر پورٹ چلا جاؤں اور اگر مجھے آپ کا مہمان بننا ہے تو میں اپنا وہ ہینڈ بیگ ساتھ لیتا آؤں جس میں میں نے وہ اشیاء ڈال رکھی ہیں جنکی آپکا مہمان ہونے کے دوران ضرورت پڑ سکتی ہے۔ انہوں نے ایک قہقہہ لگایا اور تسلی دی کہ آپ کراچی جا سکیں گے اور مزید کہا کہ دراصل فلاں جنرل صاحب آپ سے دو چار باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ پونے چار بجے ہمارے گھر کے باہر ایک کالے رنگ کی ٹویوٹا گاڑی پہنچ گئی۔ میں نے نوجوان افسر سے کہا کہ میں نے چونکہ ایئر پورٹ بھی جانا ہے اس لئے میں اپنی گاڑی میں آپکو فالو کروں گا میرا بیٹا عمر بھی میرے ساتھ

ہوگا۔ہم پراسرار سیف ہاؤس کی طرف روانہ ہوگئے۔

اتفاق سے جنرل صاحب تشریف نہ لاسکے۔وہ صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف پر ہونے والے خودکش حملوں کے حوالے سے ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں شرکت کیلئے راولپنڈی تشریف لے گئے تھے۔یہ اجلاس ہنگامی طور پر بلایا گیا تھا ظاہر ہے۔گہری تشویش' پریشانی اور خوف وہراس کا عالم تھا۔ بریگیڈیئر صاحب نے چائے کا کپ پیش کرنے کے بعد اپنی روایتی کرختگی کے ساتھ کہنا شروع کیا ''دیکھیں۔مجھے کہا گیا ہے کہ میں آپکو صاف صاف الفاظ میں بتا دوں کہ آپ ڈاکٹر سے ملاقاتوں کا سلسلہ بند کریں دوسرے یہ کہ اپنے اخبار پاکستان آبزرور میں انکی حمایت میں کچھ نہ لکھیں خاموش رہیں اور تیسرے یہ کہ انکے حوالے سے کسی اور اخبار یا فرد سے بھی کوئی بات نہ کریں۔اسی میں آپکی بھلائی ہے----''

میں نے بریگیڈیر صاحب کو سنبھالنے کے انداز میں کہا کہ ''یہ جو کچھ بھی ہورہا ہے میں اسے اچھی طرح سمجھتا ہوں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میں خطرے کے زون میں ہوں۔لیکن میرا ایک اصول ہے اور وہ یہ کہ اسلام آباد میں جو بھی میرا دوست سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہوجاتا ہے میں اسکے زیادہ قریب ہوجاتا ہوں تا کہ اسے یہ خیال نہ گذرے کہ میری اس سے دوستی یا تعلق اسکی کرسی کی وجہ سے تھا اور میں اسے معاشرے کے بڑے دھارے میں واپس لانے کی کوشش کرتا ہوں اور دوسرے یہ کہ جو میرا دوست کسی وجہ سے زیرعتاب آجائے میں اسکی مدد کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔اب ایک ایسے موقعہ پر جب ڈاکٹر عبدالقدیر خان جنہیں میں اور پوری قوم محسن پاکستان کہتی ہے کو پریشان کیا جارہا ہے تو میں کس طرح ان سے میل جول بند کردوں۔'' بریگیڈیر صاحب نے کہا کہ ''ملک صاحب جہاں تک آپ کے ڈاکٹر صاحب سے تعلقات اور آپ کی ان سے قربت کا تعلق ہے تو اسے جاننے کیلئے کسی انٹیلی جنس کی ضرورت نہیں ہے۔ہرکوئی جانتا ہے کہ آپ ان کے بہت قریب ہیں لیکن اب بات جہاں پہنچ چکی ہے وہاں آپکے ان سے ملنے جلنے سے یا انکے حق میں کوئی مہم چلانے سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا البتہ آپ کو نقصان پہنچ جائے گا۔'' بریگیڈیر صاحب نے کہا ''آپ معاملات کی سنگینی کو سمجھنے کی کوشش کریں۔''

## کتاب شائع کرنے کا فیصلہ

یوں میری ہلکی پھلکی ڈی بریفنگ ہوتی رہی اور تین مرتبہ متعلقہ جنرل صاحب سے بھی آمنا سامنا ہوا۔جنرل صاحب بڑی کم گو شخصیت ہیں۔ان کا رویہ دوستانہ'اور ناصحانہ ہوتا اور ان کا لب ولہجہ ہمدردانہ ہوتا لیکن وہ بین السطور ایک واضح پیغام دیتے نظر آتے کہ حالات خراب ہوسکتے ہیں لہذا آپ





ڈاکٹر خان سے دور رہیں ایک دن بلایا تو ان کے ساتھ ایک بریگیڈیر صاحب تشریف فرما تھے۔جنہیں میں پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا۔جنرل صاحب فرمانے لگے آپ آج کل پاکستان سے باہر تو نہیں جارہے۔ میں نے کہا کہ مستقبل قریب میں ایسا کوئی پروگرام نہیں ہے فرمانے لگے اگر جائیں تو بریگیڈیر صاحب کو بتا کر جائیں۔میں نے بریگیڈیر صاحب سے کہا کہ مجھے اپنا فون نمبر دے دیں۔بریگیڈیر صاحب نے اپنے ہاتھ سے اپنا نام اور فون نمبر لکھ کر دے دیا وہ چٹ اب بھی میرے پاس ہے۔لیکن اس سارے غیر یقینی اور پرخطر ماحول کے باوجود میں نے یہ کتاب لکھنے اور شائع کرنے کا فیصلہ کرہی لیا اور میں نے اپنے دل کو یا میرے دل نے مجھے جو دلائل دیئے وہ کچھ یوں تھے۔

1۔اگر کتاب کی اشاعت کے ردعمل کے طور پر میری رسوائی کی بھی گئی تو پھر کیا؟محسن پاکستان کی کردار کشی اور انکی رسوائی ہوہی چکی ہے۔میری' ہم سب کی' پوری قوم کی' خود وطن عزیز پاکستان کی۔کچھ مزید سہی

2۔میں محسن پاکستان کو علامہ محمد اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کے بعد پاکستان کی تیسری بڑی شخصیت سمجھتا ہوں۔ایسی بڑی شخصیت کی خدمات کا اعتراف کرنا انکی کلائی مروڑنے والے غیرملکیوں کی نشان دہی کرنا اور عوام کی عدالت میں انکے کیس کو پیش کرنا کوئی جرم تو نہیں۔

3۔اگر میں دو تین برس زندہ رہا تو میری عمر ستر برس ہوجائے گی۔اس کے بعد اگر مزید زندہ رہا تو میری زندگی کے آخری بیس او ور شروع ہوجائیں گے۔میں ایک عمرے کے دوران سعودی عرب سے اپنا جو کفن آب زم زم میں بھگو کر لایا تھا اس میں کوئی جیب نہیں نامہ اعمال پہلے ہی آگے جاچکا ہوگا۔تو عمر کے اس حصے میں بھی اگر سچ نہ بولا جائے تو یہ آب زم زم کی توہین ہوگی یعنی کچھ ساتھ لے جانے کی سہولت نہ ہوگی۔

4۔ویسے بھی قوم' ملک اور نظریہ بتدریج میری ذات کو اپنی لپیٹ میں لیتے جارہے ہیں۔میری ذات جو کچھ بھی ہے' جیسے بھی ہے پس منظر میں جارہی ہے تو ایسے میں جب محسن پاکستان کی ذات کا مسئلہ ہو تو میں اپنی ذات کو کیوں ترجیح دوں۔

## محسن پاکستان کا طویل سفر

مجھے علم ہے کہ شاید میری یہ کتاب اس مکان کے اندر نہ پہنچ سکے جہاں محسن پاکستان اور انکی بیگم نظر بند ہیں۔میرے خیال میں مجھے یہ نہیں لکھنا چاہیے کہ انکی بیگم بھی نظر بند ہیں وہ نظر بند نہیں ہیں وہ آزاد ہیں۔البتہ مغربی خاتون مثالی خواتین کی طرح صرف اپنے عظیم شوہر کا ساتھ نبھا رہی رہیں۔بالکل اسی طرح جس طرح وہ 1976 سے پُرخطر محسن پاکستان کا ساتھ دیتی چلی آرہی ہیں وہ ازخود اپنے نظر بند شوہر کے ساتھ نظر بند ہیں۔کچھ یورپی سفراء نے تجویز پیش کی کہ انہیں اپنی بڑی بیٹی کے پاس برطانیہ

جانے کی اجازت دے دی جائے۔ جب بیگم صاحب کو اس تجویز کا پتہ چلا تو انہوں نے کہا

”میں اپنے نظر بند خاوند کو کس طرح تنہا چھوڑ سکتی ہوں۔ میں اس مشکل گھڑی میں پاکستان میں رہوں گی اور پاکستان میں مروں گی۔“

قارئین کرام: اس حوالے سے دیکھئے باب ”اے عظیم خاتون ہم سب شرمندہ ہیں۔“ یہ ضروری بھی نہیں کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام اور محسن پاکستان کی ڈی بریفنگ اور انکی کردار کشی کے حوالے سے یہ کتاب اس رہائش گاہ تک پہنچ جائے جس کے باہر فوجی پہرہ ہے۔ فوجی پہرہ پہلے بھی ہوتا تھا لیکن تب اور اب میں فرق یہ ہے کہ اُس وقت ان چوکس پہرے داروں کی ڈیوٹی ہوتی تھی کہ اس رہائش گاہ میں جہاں پاکستان کے بابائے ایٹم بم رہائش پذیر ہیں کوئی غیر متعلقہ شخص اندر نہ جا سکے اب ان چوکس پہرہ داروں کی ڈیوٹی یہ ہے کہ گھر کے اندر سے کوئی باہر نہ جا سکے۔ تب اور اب کے اس فرق کے حوالے سے مجھے ایک واقعہ یاد آرہا ہے جو کہ اس کتاب کے موضوع کے حوالے سے ہے تو غیر متعلقہ لیکن اس واقعہ میں بھی ایک سبق ہے۔ یہ واقعہ مجھے جناب جنرل فیض علی چشتی نے بتایا تھا مرحوم صدر ضیاء الحق کے ابتدائی دور میں وہ مرد آہن تصور ہوتے تھے۔ 5 جولائی 1977 کو مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کا تختہ الٹ دیا گیا تو اس عمل میں جنرل فیض علی چشتی جو کہ راولپنڈی میں قائم 10 کور کے کمانڈر تھے کا بنیادی اور مرکزی کردار تھا۔ میں نے 5 جولائی کے بعد کے دنوں میں جنرل صاحب سے کئی ایک ملاقاتیں کیں اور ان سے 5 جولائی کے سنسنی خیز واقعات اور دیگر متعلقہ معاملات پر اپنی دلچسپی کے لئے بہت سی معلومات حاصل کیں۔ ایک دن جنرل صاحب نے اپنے مخصوص کھرے انداز میں کہا ”بس ملک صاحب۔ ہوا یہ کہ جب 30 اپریل کو پی این اے نے اسلام آباد کا گھیراؤ کرنے کی دھمکی دی تھی۔ تو ہمیں وزیراعظم بھٹو نے کہا کہ پی این اے کا کوئی کارکن اسلام آباد نہ پہنچ پائے۔ چنانچہ ہم نے اسلام آباد آنے والے تمام راستے بند کرا دیئے۔ 30 اپریل کے بعد ہمارے کیمپ ان مقامات پر اور ان راستوں پر موجود رہے جو اسلام آباد آتے ہیں۔ جب 5 جولائی کو ہم نے ٹیک اُور کیا تو ہم نے ان فوجیوں کو کہا کہ جو مختلف راستے اسلام آباد آتے ہیں ان راستوں سے اسلام آباد والے باہر بھی جاتے ہیں۔ آج ان راستوں سے اسلام آباد والے باہر نہ جائیں۔“

محسن پاکستان کی رہائش گاہ پر مامور فوجی دستے کی ذمہ داریاں تبدیل ہو چکی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ اس قدر چوکس ہیں کہ وہ میری اس کتاب کو بھی اندر نہیں جانے دیں گے اور مجھے یہ بھی علم ہے کہ مستقبل قریب میں ڈاکٹر صاحب کے باہر آنے کے بھی امکانات نہیں ہیں۔ خدا کرے یہ خدشہ میرا وہم ہی ہو لیکن میری معلومات کے مطابق پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر امریکی دباؤ کم نہیں ہوا بلکہ غیر





محسوس طریقے سے بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ امریکہ کے صدارتی انتخابات میں حصہ لینے والے جارج بش کے حریف جان کیری نے بھی ایک پالیسی بیان میں کہا تھا کہ پاکستان کے حوالے سے ہماری ترجیحات میں جمہوریت کی مکمل بحالی سرفہرست نہیں ہے بلکہ ہم اقتدار میں آ کر سب سے پہلے پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر توجہ دیں گے ادھر موجودہ صدر جارج بش کا بھی یہی پروگرام ہے۔ پھر پاکستان سے بھی کچھ ایسے ہی اشارے ملتے ہیں۔ مثلاً محسن پاکستان نے اپنی اس دوراندیشی کی بنا پر کہ مستقبل کی سائنس جینز کا علم (Genetic Engineering) ہے کراچی میں ایک شاندار ادارہ قائم کیا تھا جو D.A.Q.Khan Institute of Biogenetic Engineering &Technology. کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ ایشیا میں اپنی نوعیت کا واحد ادارہ ہے پاکستان کے سابق وزیر داخلہ جنرل معین الدین حیدر سمیت کراچی کی کئی اہم شخصیات اس ادارے کے انتظامی معاملات کی دیکھ بھال کر رہی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی نظر بندی کے دوران حال ہی میں سوال پیدا ہوا کہ نہ جانے ڈاکٹر صاحب کب تک نظر بند رہیں گے۔ کیوں نہ انتظامی بورڈ میں ردوبدل کر لیا جائے۔ بورڈ کے دوسرے اجلاس میں جنرل معین الدین حیدر نے اراکین بورڈ کو مطلع کیا کہ میں نے اسلام آباد سے پتہ کر لیا ہے ڈاکٹر صاحب باہر نہیں آ رہے۔ جنرل معین الدین حیدر نے یہ فقرہ کچھ اس انداز سے کہا کہ سننے والوں کو دھچکا سا لگا۔ اور ادارے کے انتظامی طریقہ کار میں ردوبدل کر لیا گیا!!

مذکورہ بیرونی اور اندرونی شہادتوں کے علاوہ بعض دیگر حوالوں سے بھی منفی اشارے ملتے ہیں تبھی تو میں کہتا ہوں کہ محسن پاکستان کا گھر کی چار دیواری کے اندر سفر طویل ہے اور ممکن ہے وہ یہ کتاب نہ دیکھ پائیں۔

## فشارِ خون اور اختلاج قلب

ڈی بریفنگ کا سلسلہ شروع ہونے سے قبل محسن پاکستان ہر لحاظ سے صحت مند تھے۔ انہیں کوئی عارضہ نہ تھا۔ وہ جسمانی اور ذہنی لحاظ سے چاک و چابند تھے اور روزانہ اٹھارہ اٹھارہ بیس بیس گھنٹے کام کرنے کے باوجود تھکتے نہ تھے۔ اس لئے کہ انکے سامنے ایک مشن تھا۔ لیکن ڈی بریفنگ کا تکلیف دہ عمل شروع ہوتے ہی وہ واضح طور پر پریشان اور ہراساں دکھائی دینے لگے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ہر طرف سے الزامات کی بوچھاڑ اور اپنوں کی طرف سے کردار کشی سے وہ نڈھال نظر آنے لگے جب انہیں اور ان کی صابر و شاکر بیگم کو انکی رہائش گاہ پر نظر بند کر دیا گیا تو انکی صحت متاثر ہونے لگی۔ طرح طرح کے خدشات نے انہیں آ گھیرا۔ بالآخر وہ فشار خون (High Blood Pressure) اور اختلاج

قلب (Palpitation) کا شکار ہو گئے۔ بدقسمتی سے انکی بیگم بھی ان جان لیوا امراض میں مبتلا ہوگئی۔ دونوں میاں بیوی گھر میں دستیاب ادویات استعمال کرنے لگے۔ بالآخر ایک دن انہوں نے گھر سے باہر سیکورٹی پر مامور عملے سے رجوع کیا۔

اسلام آباد میں کے آر ایل ہسپتال ایک اعلیٰ پائے کا شفاخانہ ہے۔ یہاں بہترین ڈاکٹر اور انتہائی مستعد عملہ تعینات ہوتا ہے۔ آج بھی اس ہسپتال کے بانی محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی ایک خوبصورت تصویر ہسپتال کے استقبالیہ میں آویزاں ہے۔ تصویر کی مسکراہٹ ہر آنے والے کو خوش آمدید کہتی ہے۔ ایک دن شعبہ امراضِ دل کے نامور ڈاکٹر نوید اور سینئر نرس کیپٹن عذرا ایک خصوصی گاڑی میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی رہائش گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور چونکہ ہر گزرنے والے دن کے ساتھ دونوں محترم مریضوں کی حالت خراب ہوتی گئی لہذا یہ ڈاکٹر اور نرس ہر دوسرے تیسرے دن وہاں آنے جانے لگے۔ ماہر امراض قلب ڈاکٹر نوید دو ماہ بعد کے آر ایل ہسپتال چھوڑ کر پرکشش تنخواہ پر شفا انٹرنیشنل ہسپتال میں چلے گئے جس کے سربراہ ممتاز معالج اور معروف ریفارمر ڈاکٹر ظہیر احمد ہیں۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور انکی بیگم کا بلڈ پریشر عام طور پر 100/170 رہتا ہے جبکہ بعض اوقات اس سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے اور خطرے کی حد پار کر جاتا ہے یعنی DangerZone میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اختلاج قلب بڑھ جاتا ہے۔ ایسے میں دماغ کی رگ پھٹ سکتی ہے یا فالج ہو سکتا ہے۔ خدشہ ہے کہ کسی وقت قوم شدید صدمے کا شکار ہو سکتی ہے۔

میرے بیٹے فیصل کے سسر جناب نواز ملک جو کہ ایک معروف انجینئر اور سماجی کارکن ہیں' ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے رہائشی سیکٹر E-7 میں رہتے ہیں۔ انکا کہنا ہے کہ ایک شام میں سیر کے دوران ڈاکٹر صاحب کے مکان کے سامنے سے گزرا تو دیکھا کہ ڈاکٹر خان اپنی رہائش گاہ کے چھوٹے سے لان میں اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر چکر لگا رہے ہیں۔ انکی نگاہیں نیچی تھیں اور شاید خود سے باتیں کر رہے تھے۔ وہ مکان کے سامنے سے گزرنے والوں کو نہیں دیکھ رہے تھے۔ بس نگاہیں نیچی کئے لان میں چکر لگا رہے تھے۔ جناب نواز ملک نے ڈاکٹر خان کی بے بسی کا کچھ ایسا نقشہ کھینچا کہ میرے سامنے جنگل کے بادشاہ اس شیر کی شکل آ گئی جو اپنے آہنی پنجرے میں ہانپتا ہوا اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر چلتا رہتا ہے۔ لوگ اس کا تماشا دیکھتے ہیں اور وہ سب سے بے نیاز اپنا نہ ختم ہونے والا سفر جاری رکھتا ہے۔ میں اپنے چشم تصور سے دیکھ رہا ہوں کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان قبر کی سی تنہائی کا شکار ہیں اور انکی رہائش گاہ مقتل بنتی جا رہی ہے۔

پتہ چلا ہے کہ آجکل محسن پاکستان کے آر ایل ہسپتال کے ایک اور معروف سینئر فزیشن ڈاکٹر سلیم قریشی کے زیر علاج ہیں۔ ڈاکٹر سلیم قریشی بھی ہفتہ میں دو مرتبہ اپنے نظر بند مریضوں کا معائنہ کرتے





ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ ڈاکٹر سلیم قریشی سے ملاقات کر کے انکے مریضوں کی جسمانی و ذہنی کیفیت معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن نرم گفتار ڈاکٹر سلیم قریشی نے نہایت نرمی سے کہا کہ ملک صاحب میں آپکی عزت کرتا ہوں لیکن میں ڈاکٹر صاحب یا ان کی بیگم کے بارے میں کوئی بات نہیں کر سکتا۔ یہ میرے پیشے کے ضابطہ اخلاق کے خلاف ہے۔

لیکن اس حوالے سے میری صحافتی جستجو جاری رہی اور کے آر ایل کے دیگر غیر متعلق ڈاکٹر صاحبان سے اور بعض دوسرے حوالوں سے محسن پاکستان کی جسمانی اور ذہنی حالت کے بارے میں جو تاثر ملتا ہے اس کے مطابق انکی بیگم جو پہلے ہی دبلی پتلی تھیں اب ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئی ہیں۔ دونوں کو مسکن گولیاں (Tranquilizers) دی جاتی ہیں۔ یہ بھی پتہ چلا ہے کہ وہ اپنے جسمانی عوارض اور صحت کے حوالے سے دیگر مسائل کا تو جرات مندی کے ساتھ سامنا کر رہے ہیں لیکن وہ ذہنی طور پر شدید دباؤ کا شکار ہیں۔ انہیں یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ انہیں لالچی اور چور کہا گیا انکی عزت نفس کو بری طرح کچلا گیا۔ بعض اوقات وہ رات گئے ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھتے ہیں اور دونوں ہاتھوں سے سر کو پکڑ کر کہتے ہیں۔ اے اللہ۔ پاکستان کی خدمت کا مجھے یہ صلہ دیا جا رہا ہے۔ قارئین کرام۔ مجھے ڈر ہے کہ محسن پاکستان کو عوام کی نظروں سے گرائے جانے کے عمل سے انکا دل و دماغ بری طرح متاثر ہوا ہے اور غیروں کے علاوہ اپنوں نے بھی ان کی جس طرح کردار کشی کی ہے بلکہ معاف کیجئے انہیں جس طرح ذلیل کرنے کی کوشش کی ہے اس کے اعصاب شکن اثرات اور شدید دباؤ کی وجہ سے کہیں محسن پاکستان کی رہائش گاہ سے کوئی ایسی خبر نہ آ جائے جس سے پاکستان میں صف ماتم بچھ جائے۔ مجھے یہ لکھتے ہوئے افسوس ہو رہا ہے لیکن مجھے خدشہ ہے کہ اگر انکی کردار کشی کے عمل سے انکے ذہن پر جو گہرے اثرات مرتب ہو رہے ہیں انہیں زائل نہ کیا گیا اور انکی عزت نفس کو بحال نہ کیا گیا تو وہ (خدانخواستہ) شدید کرب اور دباؤ کی کیفیت میں خودکشی بھی کر سکتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ وہ بہت بڑے ایٹمی سائنسدان ہیں لیکن ہیں تو گوشت پوست کے ایک شریف انسان۔

## مجھے گولی مار دو

اس ہولناک تناظر میں یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ ڈاکٹر صاحب کے شب و روز کیسے گذرتے ہوں گے ایٹمی ٹیکنالوجی کو اپنی مٹھی میں بند کر لینے والی شخصیت نے اپنے مکان میں بند گذشتہ آٹھ نو ماہ کیسے گذاریں ہوں گے۔ ان کی اسلام آباد میں موجود صاحبزادی عائشہ ہفتہ میں آدھ گھنٹے پر پہلی ملاقات کے لئے نظر بند باپ اور ماں سے ملاقات کے لئے آتی ہیں انکے پرس کی تلاشی لی جاتی ہے بعض ہدایات

دی جاتی ہیں لیکن چند دن پہلے بیٹی سے ملاقات کا سلسلہ بھی بند کر دیا گیا اور پیشگی اجازت لیکر کراچی سے آنے والے ان کے بہن بھائی کو بھی ملاقات نہ کرنے دی گئی تو ڈاکٹر صاحب اپنا روایتی توازن کھو بیٹھے غم وغصے سے ان کی حالت غیر ہونے لگی ان کو اپنی موجودہ حیثیت اور مجبوریوں کا مکمل علم تھا۔ لیکن وہ اس کے باوجود اپنے گھر سے باہر نکلے اور باہر ڈیوٹی پر مامور میجر سے باآواز بلند کہنے لگے۔ آپ لوگ کیا چاہتے ہیں آپ میری بیٹی کو بھی مجھ سے ملاقات کی اجازت نہیں دے رہے مجھے گولی مار دیں۔ آپ کا کام آسان ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر وہ اپنی رہائش گاہ کے اندر چلے گئے اور نیشنل کمانڈ اتھارٹی کے سربراہ لیفٹیننٹ جنرل خالد احمد قدوائی کو فون پر بڑھتی ہوئی پابندیوں اور پہرہ داروں کے حُسن سلوک سے آگاہ کیا۔ جنرل صاحب نے ڈاکٹر صاحب کی بات خندہ پیشانی سے سُنی اور تسلی دی اور کہا کہ وہ اس امر کو یقینی بنائیں گے کہ آئندہ انکی بیٹی کی ملاقات پر پابندی نہ لگائی جائے اور انہیں ہراساں نہ کیا جائے۔ جنرل قدوائی کی مداخلت سے باپ بیٹی کی ہفتہ وار ملاقاتوں کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔

محسن پاکستان کی رہائش گاہ جو کہ مقتل بنتی جارہی ہے کا ایک اور صرف ایک روشن پہلو یہ ہے کہ وہاں ٹیلی ویژن دیکھنے اور کتابیں واخبارات پڑھنے کی سہولت موجود ہے۔ ظاہر ہے وہ ٹیلی ویژن سکرین پر عراق کے شہروں سے اٹھتے ہوئے دھوئیں کو دیکھتے ہوں گے اور اخبارات میں وطن عزیز کی خبریں پڑھتے ہوں گے لیکن پتہ چلا ہے کہ وہ زیادہ وقت دینی کتب پڑھتے ہیں۔ قرآن حکیم کی تلاوت تو کرتے ہی ہیں لیکن تفاسیر' احادیث اور فقہی علوم پر بھی گھر میں موجود لٹریچر کا مطالعہ کرتے ہیں' علاوہ ازیں طرح طرح کے وظیفے بھی کرتے رہتے ہیں۔ گھر کا فرنیچر وہی ہے جو آج سے 25 برس قبل تھا۔ انکے پالتو آسٹریلیا کے طوطے اور پالتو بلیاں بھی وہی ہیں شاید ہر کسی کو احساس ہے کہ انکو پالنے پوسنے والے اب دن رات گھر میں ہی رہتے ہیں ان پالتو جانوروں کو اس صورت حال سے خوشی ہونی چاہیے کہ انکو پالنے پوسنے والے اب دن رات انکے قریب رہتے ہیں لیکن شاید جانوروں کی بھی چھٹی حس ہوتی ہے' شاید وہ محسن پاکستان کا چہرہ پڑھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ شاید وہ جان چکے ہیں کہ محسن پاکستان اداس ہیں اور دل شکستہ ہیں۔ یہ سب اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ میری اطلاع کے مطابق آسٹریلیا کے طوطے چہکتے ہیں نہ ہی' نہ بلیاں میاؤں میاؤں کرتی ہیں' گھر کا ہر مکین اداس ہے۔ گھر کے صحن میں انجیر کا اکلوتا درخت بھی مرجھا چکا ہے۔





# محسن پاکستان کا نامکمل ایجنڈا

جب محسن پاکستان کو مارچ 2001 میں ریٹائر کر دیا گیا تو چونکہ وہ دن رات کام کرنے اور ناممکن کو ممکن بنانے کے عادی تھے اس لئے انہوں نے ریٹائر ہو کر زندگی گزارنے سے انکار کر دیا۔ انکی ریٹائرمنٹ کے دوسرے ہی روز جب میری ان سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگے' ملک صاحب میں نے اپنی نئی راہ متعین کر لی ہے۔ فرمانے لگے میں نے گذشتہ چند برسوں میں کراچی' ڈیرہ اسماعیل خان' لاہور 'اسلام آباد' صوبہ سرحد وغیرہ میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے بہت سے تعلیمی ادارے بنائے ہیں۔ اب میں آج سے امریکہ کے مشہور و معروف ادارے MIT بلکہ اس سے بھی بہتر اور ہمہ گیر ادارے کے قابل عمل ہونے کے منصوبے پر کام شروع کر رہا ہوں جہاں مسلمان ممالک کے طلبا و طالبات نیوکلیئر فزکس' بائیو جینٹکس' سائنس اور انجینئرنگ کی معیاری تعلیم حاصل کر سکیں گے۔ ڈاکٹر صاحب فرمانے لگے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آنے والے دنوں میں مسلمان طالب علموں کیلئے جدید سائنس و ٹیکنالوجی کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور آج سے دس بیس برس بعد امریکہ اور اسلامی امہ میں سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں اس قدر فرق بڑھ جائے گا جس قدر اونٹ کی سواری اور ہوائی جہاز کے سفر میں ہے۔

وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ وہ اسلامی امہ کے مستقبل کے اس ادارے پر کام کرنے لگے انکے رفقا کار اس عظیم پروجیکٹ کی تفصیلات اور جزئیات میں جانے لگے' دنیا بھر کے معروف اور مسلمہ تعلیمی اداروں کا لٹریچر اکٹھا کیا گیا۔ مختلف سائنسوں اور جدید علوم کی ضروریات اور مطلوبہ سہولتوں کا جائزہ لیا جانے لگا' لیبارٹریز کے تقاضوں پر سوچ بچار ہونے لگی اور جب ایک ڈیڑھ برس کی محنت سے پراجیکٹ قابل عمل ہونے کی رپورٹ مکمل ہوئی تو پتہ چلا کہ مختلف شعبہ جات اور فیکلٹی کے قیام اور انکے خاندانوں کے لئے مطلوبہ سہولتوں اور طالب علموں کیلئے ہاسٹلوں وغیرہ کی تعمیر سے ایک چھوٹا سا شہر آباد کرنا ہو گا جس کیلئے اندازاً سات آٹھ سو ملین ڈالر یعنی تقریباً چار ارب روپے درکار ہوں گے۔ اس عظیم اور انقلابی پروجیکٹ کی جزئیات تیار ہو گئیں تو پاکستان میں امن وامان کی صورت حال اور اس پس منظر میں دیگر ممالک میں دستیاب اعلیٰ پایہ کے اساتذہ کرام کی پاکستان میں آمد اور یہاں رہائش پذیر ہونے سے ممکنہ انکار کی بنا پر محسن پاکستان کو خطرہ لاحق ہونے لگا کہ شاید یہ پروجیکٹ پاکستان میں قائم نہ ہو سکے۔ چنانچہ انہوں نے متحدہ عرب امارات کے سربراہ الشیخ زید بن سلطان النہیان' سعودی عرب کے فرمانبردار شاہ خالد اور ملائیشیا کے وزیر اعظم ڈاکٹر مہاتیر محمد کو خطوط لکھے' ان ممالک کے وزراء تعلیم سے رابطہ پیدا کیا انہیں اپنے پروجیکٹ کی کاپیاں ارسال کیں اور انہیں دردمندانہ اپیل کی کہ وہ براہ کرم امریکہ کے MIT کے

طرز پر اس مجوزہ ادارے کو اپنے ہاں قائم کرنے کے امکانات کا جائزہ لیں۔ محسن پاکستان نے حساب کتاب اور اعداد و شمار کی روشنی میں یہ بھی ثابت کیا کہ عالم اسلام کے اندر ایسا ادارہ جس میں دیگر اسلامی ممالک کے طلبا بھی سائنس اور ٹیکنالوجی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کریں گے کاروباری لحاظ سے بھی سودمند ہوگا۔ ان ممالک کو محسن پاکستان نے یہ بھی پیشکش کی کہ اگر انہیں کوئی ایسا عالمی سطح کا تعلیمی ادارہ قائم کرنے میں میری (یعنی ڈاکٹر صاحب کی) کسی بھی حوالے سے ضرورت ہو تو وہ اسلامی امہ کے وسیع تر مفادات کی خاطر بغیر کسی معاوضے کے خدمات سرانجام دینے کیلئے دستیاب ہوں گے۔ اسلامی ممالک کی کوئی بھی شخصیت اسلام آباد میں محسن پاکستان سے ملاقات کرتی تو وہ سائنس و ٹیکنالوجی میں مسلم ممالک کی پسماندگی کا ذکر کرتے اور اس بات پر زور دیتے کہ خدا کے لئے آنے والے وقت میں پنہاں خطرات کو سمجھیں اور اپنے طالب علموں کو جدید علوم سے آراستہ کریں شاید محسن پاکستان کا یہ خواب بھی پورا نہ ہو سکے۔

## محسن پاکستان کا مستقبل

عالم اسلام کیلئے سائنسی ترقی کے لئے محسن پاکستان کا یہ خواب پورا نہ ہو سکا اور شاید عالم اسلام کی کسی اور شخصیت کیلئے بھی ایسا کرنا ممکن نہ ہو لیکن میں زیر نظر کتاب کے بارے میں اپنی گزارشات ختم کرنے سے پہلے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں اپنے آپ سے اور معزز قارئین کرام سے بھی اور وہ سوال یہ ہے کہ کیا ڈاکٹر عبدالقدیر خان جیسی بڑی اور محترم شخصیت کا ہر طرح کا کردار ختم ہو گیا ہے؟ یہ بات تو واضح ہے کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر دباؤ جاری رہے گا بلکہ ایک وقت ایسا آئے گا جب پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کو ختم کرنے کیلئے اعلانیہ طور پر کہا جائے گا اور پاکستان کو ایک غیر ذمہ دار ملک ثابت کرنے کیلئے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خالق کو دباؤ میں رکھا جائے گا لیکن کیا اس پس منظر میں محسن پاکستان کو وطن عزیز کی غیر ایٹمی اور غیر سیاسی زندگی میں بھی کوئی اہم خدمات سرانجام دینے کا موقع نہیں دیا جائے گا؟ ظاہر ہے اس سوال کا درست جواب تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوگا جو کہ دلوں کے بھید جانتا ہے لیکن میرا دل کہتا ہے یا یوں کہہ لیجئے میری چھٹی حس کہتی ہے کہ وہ انشاءاللہ تعالیٰ مستقبل میں بھی کوئی بڑا کردار ادا کریں گے اور یہ میں اسلئے کہتا ہوں کہ محسن پاکستان میں مزید بڑا کردار ادا کرنے کی صلاحیت اور توانائی ہے وطن عزیز کو کسی بھی موڑ پر انکی خدمات اور انکی خداداد صلاحیتوں کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ جو لوگ دست شناسی کا علم جانتے ہیں اور آنے والے واقعات کو بھانپ لینے کا ملکہ رکھتے ہیں انکا بھی کہنا ہے کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان ایک اور اننگز کھیلیں گے اور اس موقعہ پر بھی قوم کو مایوس نہیں کریں گے۔ علم نجوم والوں کا متفقہ فیصلہ





ہے کہ محسن پاکستان کا زائچہ بڑا پاورفل ہے۔ داتا صاحب کی نگری کی معروف روحانی شخصیت محترم آغا حمید صاحب (فون نمبر 042-9231015) جن کو حضرت داتا گنج بخشؒ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے کا ارشاد ہے کہ ''ڈاکٹر عبدالقدیر خان ایک مرتبہ پھر کوئی بڑا کام کریں گے۔''

## پاکستان جوابدہ نہ تھا

پاکستان میں ڈی بریفنگ کے حوالے سے جو کچھ ہوا وہ ہماری قومی زندگی کا ایک انتہائی المناک باب ہے۔ پاکستان نے این پی ٹی پر دستخط نہیں کئے اور وہ کسی بھی لحاظ سے ایٹمی پھیلاؤ کے حوالے سے کسی بھی الزام کا جوابدہ نہیں ہے۔ سیاسی و اخلاقی ذمہ داریاں ایک الگ بات ہے لیکن قانونی لحاظ سے پاکستان ایٹمی عدم پھیلاؤ کے معاملے میں کسی کو بھی جوابدہ نہیں ہے۔ پاکستانی پریس میں 7 فروری 2004 کو شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق ایٹمی توانائی کے عالمی ادارے IAEA کے ترجمان اور پبلک آفیئرز ڈویژن کے سربراہ مسٹر مارک گوزڈیکی (Gwozdecky) نے ایک استفسار پر بتایا کہ ''پاکستان اور ان دوسرے ممالک کے خلاف جنہوں نے این پی ٹی پر دستخط نہیں کئے ایٹمی عدم پھیلاؤ کے معاہدہ کی شرائط پر عمل درآمد نہ کرنے کے باعث قانونی احتساب نہیں ہو سکتا وہ معاہدے کی شرائط پر عمل کرنے کے پابند نہیں ہیں۔'' افسوس کہ جنہوں نے وطن عزیز کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنایا ان کے وقار کو ٹھیس پہنچائی گئی انہیں لالچی اور چور تک کہا گیا۔ ہمارے بعض اخبارات محسن پاکستان کی کردار کشی میں تمام حدود کو پھلانگ گئے۔ لیکن میں ان سب کا اس حوالے سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے کردار کشی کی اس مہم میں ازراہ کرم محسن پاکستان کو بدنام زمانہ بھارتی تنظیم را کا ایجنٹ ثابت نہیں کر دیا وہ ایسا بھی کر سکتے تھے۔ انہوں نے ایسا نہیں کیا ان کا شکریہ۔

## اظہارِ تشکر

اس کتاب کو مکمل کرنے میں کئی کٹھن مراحل کا سامنا کرنا پڑا کتاب رک رک کر آگے بڑھی۔ بعض اوقات کچھ یوں محسوس ہونے لگا جیسے کتاب شائع نہ ہو سکے گی۔ سب سے بڑا فیکٹر انجانا خوف تھا، دوسرے پاکستان کے ایٹمی پروگرام، محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی محترم شخصیت کے بہت سے ایٹمی اور غیر ایٹمی پہلوؤں اور ایٹمی سائنسدانوں کی ڈی بریفنگ کے حوالے سے میرے سامنے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں صفحات پر مشتمل واقعات و معلومات کا ذخیرہ موجود تھا۔ ظاہر ہے ایسی کتاب کا دائرہ اڑھائی تین سو صفحات سے زیادہ نہیں بڑھایا جا سکتا لہٰذا مضامین کی قطع برید کرنی پڑی۔ مضامین کی کانٹ

چھانٹ میں میرے عزیز دوست اور ممتاز قلمکار ممتاز لیاقت نے میری بڑی مدد کی میں ان کا شکر گزار ہوں۔ممتاز لیاقت صاحب ٹکرا جانے کے فلسفہ کے پرچارک ہیں اور تخت یا تختہ کا مشورہ دیتے رہے جبکہ میرے ایک اور عزیز دوست ایم عباس صاحب' جوکہ ریڈیو پاکستان کے ریٹائرڈ ڈائریکٹر جنرل ہیں کتاب کو'' قابل قبول'' بنانے کے مشورے دیتے رہے ایم عباس صاحب ہردم احتیاط کا دامن تھامے رکھتے ہیں۔کہا جاسکتا ہے ممتاز صاحب اور ایم عباس صاحب ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ایم عباس صاحب سنجیدگی سے کہتے' یہ پیراگراف کاٹ دیں فلاں پیراپر بھی نظر ثانی کرلیں اور ہاں فلاں بات قابل مواخذہ ہوسکتی ہے ذرا اسے بھی دیکھ لیں۔میں ایم عباس صاحب کا بھی ممنون ہوں۔کتاب کی کمپوزنگ محمد شبیر صاحب نے کی وہ کمپیوٹر کمپوزنگ میں زیادہ دسترس نہیں رکھتے اور صفحات کو اِدھر اُدھر کردینے اور ایک مضمون کے صفحات دوسرے مضمون میں شامل کردینے کا شوق رکھتے ہیں اس کے باوجود ان کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہونگا۔

میں اپنے بیٹوں فیصل اور گوہر سے معذرت خواہ ہوں کہ کتاب کی تیاری کے دوران میں اپنے اخبار پاکستان آبزرور سے قدرے غافل رہا اور اخبار کا زیادہ تر بوجھ انکے کندھوں پر آ گیا لیکن میں مطمئن ہوں اور خوش ہوں کہ انہوں نے وسائل کی کمی کے باوجود نہ صرف یہ کہ اخبار کو زندہ رکھا بلکہ اسکی اشاعت کو مزید بہتر بنایا۔آخر میں اپنی اہلیہ محترمہ اور دیگر اہل خانہ سے بھی معذرت کہ ان سب کو مجھ سے گلہ ہے کہ میں کتابوں اور اخبارات کو بہت زیادہ وقت دیتا ہوں اور انہیں نظر انداز کرتا ہوں۔میں ان کے گلے کو دور کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے غور کررہا ہوں۔

زاہد ملک

-------





# ایٹمی سائنسدانوں کے گھروں پر چھاپے

## ڈاکٹر فاروق کی گرفتاری

27 نومبر 2003 کی خنک رات راولپنڈی کے گنجان آباد علاقہ سیٹلائٹ ٹاؤن کے ڈی بلاک کے مکان نمبر E-108-A کے باسی ممتاز ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر محمد فاروق کچھ دیر پہلے ہی سفر سے لوٹے تھے' یہ سفر کیا تھا؟ دراصل ڈاکٹر فاروق اپنی والدہ کو سفر آخرت پر رخصت کرنے گئے تھے ان کا انتقال 23 نومبر بروز جمعتہ المبارک نواں شہر نزد الیاسی مسجد ایبٹ آباد ہوا تھا۔ڈاکٹر صاحب رسم قل سے فارغ ہوکر آئے تھے.اس وقت رات کے تقریباً دس بجے تھے کہ اچانک کئی گاڑیوں پر سوار مسلح افراد نے ان کے گھر کو گھیرے میں لے لیا.اور کوٹھی کا مین گیٹ کھول کر تین لینڈ کروزر گاڑیاں جن کے شیشے سیاہ تھے اندر داخل ہوگئیں.ان میں سے کئی افراد بیک وقت باہر نکلے ایک اخبار نے دعویٰ کیا کہ ان میں دو غیر ملکی بھی تھے جو شکل وصورت سے امریکی معلوم ہوتے تھے لیکن دیگر ذرائع سے اس کی تصدیق نہیں ہوسکی یہ لوگ' شلوار قمیض اور بلٹ پروف جیکٹس پہنے ہوئے تھے مسلسل Hurry up' Hurry up کہے جارہے تھے۔ڈاکٹر فاروق کے گھر پر ہروقت ڈیوٹی دینے والے محافظ غائب ہوچکے تھے۔آنے والوں نے سب سے پہلے ڈاکٹر فاروق کے ڈرائیور شوکت کو ان کی گاڑی کرولا RIV203 فوری طور پر کے آرایل کے آفس لے جانے کا حکم دیا' پھر اندر کی طرف متوجہ ہوئے' اہل خانہ بزرگ خاتون کی وفات کے صدمے اور سفر کی تھکاوٹ کے باعث کچھ پژمردہ تھے تو آنے والوں میں سے ایک نے اپنا تعارف ISI کے ایک کرنل کے طور پر کرواتے ہوئے ڈاکٹر فاروق سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا اور اہل خانہ کو خاموش رکھنے کے لئے دھمکی آمیز انداز میں کہا ''بصورت دیگر نتائج کی ذمہ داری تم پر ہوگی'' جیسے ہی ڈاکٹر فاروق سامنے آئے آنے والوں میں سے چند آگے بڑھے اور ڈاکٹر فاروق کو زبردستی اٹھا کر گاڑی میں پھینکا اور ان پر ایک کمبل ڈالا اور گاڑی تیزی سے نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہوگئی!!

عینی شاہدین اور اہل محلّہ کا کہنا ہے کہ پچھلے کچھ دنوں سے چند نامعلوم افراد موٹر سائیکلوں یا گاڑیوں پر ڈاکٹر فاروق کے گھر کے چکر لگاتے رہے تھے جیسے ان کی نگرانی کررہے ہوں.ڈاکٹر فاروق کو لے جانے والے اہل خانہ سے کہہ گئے'' فکر نہ کریں ہم آپ سے فون پر رابطہ رکھیں گے۔البتہ کسی کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو تمام تر ذمہ داری آپ پر ہوگی اگر آپ لوگوں نے کسی کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو پھر آپ لوگ فاروق کو زندہ نہیں دیکھ سکیں گے۔'' وہ چند مسلح افراد کو ڈاکٹر فاروق کے گھر پر چھوڑ گئے تھے.جو

کچھ دیر وہاں رکے' پھر وہ بھی یہی دھمکی دہراتے ہوئے گاڑیوں میں واپس چلے گئے۔

اس اچانک افتاد نے اہل خانہ کو بری طرح خوفزدہ کر دیا تھا۔ گھر کا ماحول اتنا غم زدہ اور خوفزدہ ہو گیا تھا کہ تمام زبانیں گنگ تھیں' اہل خانہ ایک دوسرے کی طرف سہمی سہمی نظروں سے دیکھتے اور اشاروں سے باتیں کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ حواس میں آئے تو انھیں جانیوالوں کی دھمکیاں یاد آجاتیں۔ کسی کو اطلاع نہ دی بلکہ آنے والے دنوں میں تعزیت کے لئے آنے والوں کو بھی یہی بتایا جاتا کہ ڈاکٹر فاروق والدہ کی وفات کی وجہ سے گاؤں گئے ہوئے ہیں یا پھر ان کے کراچی جانے کا بہانہ کیا جاتا وہ کئی روز تک کسی کو صحیح بات نہ بتا سکے انھیں ہر روز فون پر دھمکیاں اور تسلیاں دی جاتیں کہ ''اگر خاموش رہے تو ڈاکٹر فاروق چند دن میں واپس آجائیں گے ورنہ فاتحہ پڑھ لینا۔''

تاہم کہوٹہ پلانٹ میں خوف وہراس پھیل چکا تھا اور ہر ایک کی زبان پر مختلف کہانیاں تھیں ڈاکٹر فاروق کے آر ایل کہوٹہ میں انجینئرنگ میٹریل اینڈ ایکوپمنٹ ڈویژن کے سربراہ تھے۔ جدید ترین نیوکلیئر ٹیکنالوجی اور انتہائی پیچیدہ مشینوں اور پرزہ جات کی تیاری میں ان کی مہارت نے کے آر ایل کے منصوبوں کی تکمیل میں اہم کردار ادا کیا۔ حکومت پاکستان نے 1997 میں ستارہ امتیاز اور 2001 میں ہلال امتیاز سے نوازا۔ 1947 میں ایبٹ آباد میں پیدا ہوئے۔ وہ اپنے دو بھائیوں کے ساتھ سٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی میں پانچ کمروں والے گھر میں رہتے ہیں۔ تین بیٹوں اور دو بیٹیوں میں سے ابھی کسی کی شادی نہیں ہوئی ان کے قریبی دوست انہیں بے تکلفی میں کنگ فاروق کہتے۔

اسی شب کے آر ایل کے ڈائریکٹر یاسین چوہان' ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر محمد زبیر اور سعید احمد کو بھی کچھ اسی طرح ان کے گھروں سے اٹھایا گیا۔ ان سب کو آنے والے یہ کہہ کر لے گئے تھے کہ ''اہم معاملات پر گفتگو کیلئے لے جا رہے ہیں کیونکہ بہت حساس معاملہ ہے اس لئے کسی کو کچھ نہ بتایا جائے۔''

## بریگیڈیر تاجور کی گرفتاری

اسلام آباد ہائی وے پر کھنہ پل کے قریب واقع کے آر ایل سٹاف کالونی سے متصل 20 کنال پر پھیلی ہوئی ''منی کالونی'' میں کہوٹہ لیبارٹری کے 14 بڑے افسروں نے پلاٹ خریدے تھے۔ یہاں کالونی کے خوبصورت گھر تعمیر کئے گئے ہیں۔ ان میں جنرل چوہان' بریگیڈیر (ر) محمد اقبال تاجور' بریگیڈیر (ر) سجاول' ڈاکٹر قادر' اور مرحوم امتیاز بھٹی کے اہل خانہ وغیرہ رہائش پذیر ہیں۔ (ان تمام کوٹھیوں کے باہر فوجی سیکورٹی اہل کار تعینات رہتے ہیں) 11 جنوری 2004 کو خود کو آئی ایس آئی کے افسران کی حیثیت سے شناخت کرانے والے افراد کے ہمراہ تین چار گاڑیوں میں مسلح افراد بریگیڈیر





تاجور' ڈاکٹر نسیم الدین' اور ڈاکٹر عبدالمجید کے گھر پر اسی طرح حملہ آور ہوئے اور ان افراد کو ذلت آمیز انداز میں گھسیٹتے ہوئے گھر سے نکالا گاڑیوں میں ڈالا' آنکھوں پر پٹیاں باندھیں اور لے گئے جس طرح ڈاکٹر فاروق کے گھر پر حملہ ہوا۔ جاتے جاتے گھر والوں کو وہی دھمکیاں دے گئے جو قبل ازیں ڈاکٹر محمد فاروق کے اہل خانہ کو دی گئی تھیں۔ ساٹھ سالہ بریگیڈیر اقبال تاجور نے ایک عرصہ ایم آئی (ملٹری انٹیلی جنس) میں گزارا وہاں اپنی نمایاں خدمات کے باعث کے آر ایل جیسی حساس ترین تنصیب کے سیکورٹی انچارج (ڈائریکٹر جنرل) نامزد ہوئے۔ کے آر ایل کے ابتدائی دو سالوں میں ہی اس ادارے سے وابستہ ہوئے آرمی سے ریٹائرمنٹ کے بعد کے آر ایل کے ڈائریکٹر جنرل ایڈمنسٹریشن مقرر ہوئے۔ جب محسن پاکستان پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے 28 مئی 1998 کو چاغی کی اس پراسرار سرنگ کو اندر سے آخری بار غور سے دیکھا اور ایٹمی دھماکوں سے متعلق تمام پر پیچ نظام کو درست پا کر Ok کا سگنل دیا تو بریگیڈیر تاجور ان کے ہمراہ تھے۔ دونوں کی سانسیں تیزی سے چل رہی تھیں۔

## بریگیڈیر سجاول کی گرفتاری

بریگیڈیر سجاول محسن پاکستان کے پرانے رفقائے کار میں سے ہیں ان کا تعلق فوج کے شعبہ انجینئرنگ سے ہے اور وہ ایک ماہر انجینئر کی حیثیت سے احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ جب کے آر ایل کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے جگہ کا انتخاب ہو چکا اور کہوٹہ کے پہاڑی علاقوں کو کاٹ کاٹ کر جگہ ہموار کی جا رہی تھی تو بریگیڈیر سجاول اس وقت سے محسن پاکستان کا ساتھ دیتے چلے آرہے ہیں جو دراز قد شخصیت ہیں۔ بریگیڈیر سجاول نے 65ء اور 71 کی جنگوں میں حصہ لیا۔ ستمبر 76 میں جب لیفٹیننٹ کرنل تھے کے آر ایل سے وابستہ رہے۔ 1991 میں انہیں ستارہ امتیاز (ملٹری) ملا' آرمی سے ریٹائرڈ ہوئے تو کے آر ایل میں ڈائریکٹر جنرل مینٹی ننس مقرر ہو گئے۔ وہاں سے 2001 میں ریٹائرڈ ہوئے' اس کے بعد وہ ڈاکٹر خان کی فلاحی تنظیم ساشے میں ایڈمنسٹریٹر کی ذمہ داریاں نبھا رہے تھے۔ دو بیٹوں میں سے ڈاکٹر شفیق میڈیکل پریکٹیشنر اور چھوٹے توفیق سول انجینئر ہیں۔

ڈاکٹر شفیق سجاول کا کہنا ہے کہ 17 جنوری کی رات گھر کی گھنٹی بجی اور ملازم نے پوچھا کہ کون ہے؟ تو جواب ملا ''میں میجر اعجاز ہوں بریگیڈیر سجاول سے ملنا ہے'' ملازم نے ڈرائنگ روم کھولا تو کچھ سادہ پوش افراد اندر آگئے جو ایک لینڈ کروزر اور ہونڈا سوک گاڑی میں آئے تھے والد صاحب ڈرائنگ روم میں کافی دیر ان لوگوں سے بات چیت کرتے رہے۔ پھر ڈیڈی انہیں چھوڑنے باہر گئے تو وہ لوگ بضد ہو گئے کہ ''آپ کو ابھی ہمارے ساتھ چلنا ہوگا اس پر اہل خانہ نے احتجاج کیا کہ بریگیڈیر صاحب کا گھٹنے

(Knee Cap) کا تازہ آپریشن ہوا ہے انھیں فزیوتھراپی اور دواؤں کی ضرورت ہے' مگران کی ایک نہ سنی گئی۔انہیں اٹھا کر سیاہ شیشوں والی گاڑی میں ڈال دیا گیا۔نہ دوائیں لینے دی گئیں اور نہ ہی دوسرا ضروری سامان لینے دیا۔کالونی کی چیک پوسٹ پر گارڈ نے جب دیکھا کہ چند سادہ پوش مسلح افراد بریگیڈیر صاحب کو زبردستی لے جارہے ہیں تو اس نے اس قافلے کو باہر جانے کیلئے راستہ دینے سے انکار کردیا۔کچھ دیر تکرار کے بعد ایک افسر نے کسی سے فون پر بات کی اور گارڈ سے بات کروائی تو دروازہ کھلا اور یہ قافلہ بریگیڈیر صاحب کو نامعلوم منزل کی طرف لے گیا۔''ڈاکٹر شفیق کے مطابق ''ہم اگلے روز انتظار کرتے رہے لیکن بے سود''اس کے بعد بعض مقامات سے پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ کسی ایجنسی کی تحویل میں ہیں پھر 22 جنوری کی دوپہر کسی نامعلوم مقام سے کال آئی یہ ایک منٹ سے بھی کم کی کال تھی۔جس میں بریگیڈیر صاحب نے حال چال پوچھا اور قرآن مجید' گرم کپڑے کچھ کتابیں منگوائیں' ان کی ہر روز فزیوتھراپی ہوتی تھی۔

## میجر اسلام الحق کی گرفتاری

17 جنوری کوئی سات بجے شب محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے مہمان خانے کو کو چار پانچ گاڑیوں پر سوار مسلح افراد نے گھیرے میں لے لیا ایک عینی شاہد کا کہنا ہے کہ دو تین افسران باوردی تھے اور ایک سرکاری جیپ میں سوار تھے جبکہ تین بڑی پرائیوٹ گاڑیاں بھی ساتھ تھیں۔موسم سرما ہو یا موسم گرما ڈاکٹر عبدالقدیر خان رات کا کھانا ٹھیک سات بجے کھا لیتے ہیں اور عام طور رات کا کھانا اپنی بیگم کے ہمراہ کھاتے ہیں۔رات کو کسی سرکاری کھانے پر مدعو ہوں تو کھانا گھر سے کھا کر جاتے ہیں۔لیکن میزبانوں کو کھانا کھانے کا تاثر دینے کے لئے ایک آدھ لقمہ وہاں بھی لے لیتے ہیں۔17 جنوری کو وہ اپنے پرنسپل سٹاف افسر میجر ریٹائرڈ اسلام الحق کے ساتھ گھر سے ملحقہ مہمان خانے میں کھانا کھا رہے تھے کہ گھنٹی بجی اس پر ڈاکٹر خان کا ملازم اکبر باہر گیا اور دو باوری افراد کو برآمدے میں کھڑے پایا۔انہوں نے اکبر سے کہا کہ ''میجر اسلام الحق کو باہر بھیج دیں''اس پر ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ''جو بھی ہے اسے کہہ دو کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں کچھ دیر انتظار کریں''اس کے جواب میں کہا گیا کہ ''ہم انتظار نہیں کرسکتے' فوری طور پر انھیں بھیج دو' ہم نے کھانے کا انتظام کیا ہوا ہے۔''

میجر اسلام الحق نے جو لقمہ ہاتھ میں تھا اسے پلیٹ میں رکھ دیا اور ڈاکٹر خان سے یہ کہتے ہوئے اجازت چاہی کہ ''لگتا ہے میرا نمبر آگیا ہے میں چلتا ہوں آپ کھانا کھائیں''ڈاکٹر صاحب بھی تشویش کے عالم میں میجر اسلام الحق کے ساتھ ہی باہر آگئے۔انہیں دیکھتے ہی آنے والوں میں سے ایک





No. 7/19/2004- Police
Government of Pakistan
Ministry of Interior
....

Islamabad, the 31st January, 2004.

**ORDER**

Whereas the Federal Government has been informed that Maj (Retd) Islam Ul Haq son of S Ikram Ul Haq a Pakistan national is engaged in activities prejudicial to the defence, external affairs and security of Pakistan, it is necessary that he be detained.

And whereas the Federal Government is satisfied that detention of the above mentioned person is essential.

Now therefore, in exercise of the powers conferred by clause (b) of subsection (1) of section 3 of the Security of Pakistan Act, 1952 (XXXV of 1952), the Federal Government is pleased to direct that the said named person be detained at a suitable place in the discretion of the Government with immediate effect, initially for a period of three months.

(SULTAN AHMED KHAN)
Deputy Secretary
Tel:9204506

**MEMORANDUM OF GROUNDS OF DETENTION**

WHEREAS, the Federal Government has made an order under clause (b) of sub-section (1) of section 3 of the Security of Pakistan Act, 1952 (XXXV of 1952) directing that you be detained.

NOW, THEREFORE, in pursuance of section 6 of the said Act, you are hereby informed of the grounds on which the order has been made to enable you to make a representation in writing against the order.

You are also informed that under the Law, you have a right of making such representation.

The Federal Government is satisfied that you have been acting in a manner prejudicial to the defence, external affairs and security of Pakistan. Therefore, with a view to preventing you from acting in such manner, you shall be detained at a suitable place, in the discretion of the Government with immediate effect initially for a period of three months.

(SULTAN AHMED KHAN)
Deputy Secretary
Tele:9204506

میجر اسلام الحق کی گرفتاری کے لئے وزارت داخلہ کا آرڈر: ''ہمیں بتایا گیا ہے کہ آپکی مصروفیات پاکستان کی سیکورٹی دفاع اور خارجہ امور کے مفادات کے منافی ہیں___''اسی طرح کے احکامات دیگر سائنس دانوں کے بارے میں بھی جاری کئے گئے۔بعد میں ان احکامات کی مدت میں توسیع ہوتی رہی۔

شخص نے جس نے اپنا تعارف میجر ارشد کے طور پر کروایا' انتہائی معذرت خواہانہ انداز میں کہا' کہ سر اس کی ملاقات قوم وملک کے محسن سے ان ناپسندیدہ حالات میں ہورہی ہے. جبکہ اس کی ایک عرصہ سے دلی تمنا تھی کہ کاش! میں ان کے ہاتھ چوم سکوں' ڈاکٹر خان نے اس میجر سے کہا کہ ''بہت بہت شکریہ لیکن میجر اسلام کو کھانا تو کھالینے دیں پھر وہ آپ کے ساتھ چلے جائیں گے یا آپ جگہ بتادیں وہ خود پہنچ جائیں گے'' سر ہم مجبور ہیں ہمیں حکم ہے کہ میجر اسلام کو فوراً اور ساتھ لیکر آنا ہے'' میجر نے کہا۔ ڈاکٹر خان نے پھر مزاحمت کی کوشش کی مگر میجر اسلام الحق کی درخواست پر وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے۔ پھر میجر سے مخاطب ہوئے

''حکم دینے والوں سے کہنا' وہ اچھا نہیں کررہے''

میجر اور ان کے ساتھیوں نے دوبارہ معذرت کرتے ہوئے میجر اسلام کو ڈاکٹر صاحب کے ہاتھوں سے لے لیا اور سیاہ شیشوں کی گاڑی میں بٹھا کر نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔

5 جنوری 1948 کو پیدا ہونے والے میجر (ر) اسلام الحق نے کئی کامیابیاں حاصل کیں 1971 کی جنگ کے بعد بھارتی قید میں رہے۔ ڈھاکہ ایئرپورٹ کے دفاع میں بہادری کا مظاہرہ کرنے کے اعتراف میں انھیں ستارہ جرات ملا' فوج سے قبل از ریٹائرمنٹ لیکر ایک مختصر سا فارماسوٹیکل ادارہ قائم کیا۔ پھر کے آر ایل سے وابستہ ہوگئے۔ 1993 میں ان کی سابقہ خدمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر خان صاحب نے انھیں اپنا پرنسل سٹاف افسر مقرر کیا۔ اکتوبر 2000 میں انھیں گولڈ میڈل دیا گیا۔

ڈاکٹر خان نے موبائل فون سے میجر اسلام کی اہلیہ نیلوفر اسلام کو اس افسوسناک واقعہ کی اطلاع دی۔ جو میجر اسلام الحق کے چھوٹے بھائی نامور کرکٹ کمینٹیٹر احتشام الحق کے بیٹے کی پہلی سالگرہ کی تقریب میں تمام اہل خانہ سمیت میجر اسلام کی واپسی کی منتظر تھیں' نیلوفر رونے لگیں' اور ڈاکٹر خان انھیں فون پر تسلیاں دیتے رہے۔ خوشی کی تقریب غم میں ڈھل گئی. پھر تمام مہمان کھانا کھائے بغیر ہی افسردگی کے عالم میں اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ جبکہ احتشام الحق اپنے بھانجے کے ہمراہ تفصیلات جاننے کے لئے ڈاکٹر خان کے گھر جا پہنچے۔

احتشام الحق نے ڈاکٹر خان کو غم اور افسوس سے نڈھال پایا۔ کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان پر ایسا وقت بھی آئے گا کہ ان کے گھر اور ان کے مہمان خانے کا یوں گھیراؤ کیا جائے گا۔ اور ان کے دیرینہ رفیق کارکوان کے احتجاج کے باوجود یوں لے جایا جائے گا جیسے وہ کوئی خطرناک مجرم ہو' وہ رفیق کار جو ان کے حکم پر ہمہ وقت چوکس اور ڈیوٹی پر رہتا تھا اور آج بھی صبح سے ان کے ساتھ تھا' انہوں نے





ان کو گھر جانے اور کپڑے بدلنے کی بھی اجازت نہ دی' اور انکی آنکھوں کے سامنے لے گئے اور وہ کچھ بھی نہ کرسکے۔ ڈاکٹر خان کو اس بات پر شدید غصہ اور گہرا قلق تھا کہ حکمرانوں نے میرے مہمان خانے پر چھاپ مار کر ایک ایسے شخص کی تذلیل کی جس نے انہیں دشمن کے سامنے سینہ تان کر بات کرنے کے قابل بنایا۔ اور اس ملک کو (بفضل خدا) ناقابل تسخیر بنایا پھر انہوں نے بے خیالی میں کہا

'' لگتا ہے کہ میجر اسلام کے بعد اب میری باری ہے۔ یہ قوم کا امتحان ہوگا کہ کیا وہ اپنے محسنوں کی تذلیل چاہتی ہے یا محسنوں کی تذلیل کرنے والوں کی؟''

اس پر احتشام الحق نے ان سے کہا ''پوری قوم آپ کے ساتھ ہے' ہم جو کچھ اسلام بھائی کے لئے کریں گے اس سے زیادہ آپ کے لئے کریں گے۔'' جواباً ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ

'' مجھے یقین ہے آپ ایسا ہی کریں گے اور قوم بھی مجھے مایوس نہیں کرے گی میں فیصلہ خدا اور قوم پر چھوڑتا ہوں کیونکہ میں نے نہ صرف اپنے وطن پاکستان کی خدمت کی ہے بلکہ عالم اسلام کی سربلندی کا آرزومند رہا ہوں۔''

واپسی پر احتشام الحق نے اپنے بڑے بھائی اور معروف سیاسی کارکن حسام الحق سے کراچی میں فون پر مشاورت کے بعد پریس سے رابطہ کیا اور رٹ دائر کرنے کی تیاری شروع کردی۔

## ڈاکٹر نذیر کی گرفتاری

اسی روز ایف F-10/3 سیکٹر اسلام آباد میں واقع ممتاز انجینئر اور محسن پاکستان کے قریبی رفیق کار ڈاکٹر نذیر احمد کے گھر بھی ساڑھے چھ بجے شام سادہ پوش مسلح افراد چار گاڑیوں میں سوار آ گئے کچھ افراد رہائش گاہ کے عقبی حصے کی طرف چلے گئے جبکہ کچھ نے سامنے اندرونی دروازے کو زور زور سے کھٹکھٹانا شروع کردیا ڈاکٹر صاحب ادویات اور ضروری سامان لینے کے لئے اندر گئے اس میں کچھ تاخیر ہوئی تو ان میں سے کچھ افراد کچن کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوگئے ڈاکٹر نذیر احمد نے احتجاج کیا تو بلا کسی تاخیر کے ڈاکٹر صاحب کو حراست میں لیکر ان کی آنکھوں پر پٹی باندھی اور سنسنی خیز انگریزی فلم کی طرح سیاہ شیشے والی گاڑی میں ڈال کر نامعلوم منزل کی طرف لے گئے وہ لوگ بھی جو مختلف گاڑیوں میں سوار ان کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے تیز رفتاری سے روانہ ہوگئے۔

ڈاکٹر نذیر احمد فزیکل میٹلرجی میں ڈاکٹریٹ کرنے کے بعد امریکہ میں ملازمت کررہے تھے حکومت پاکستان کے اصرار پر ملازمت چھوڑ کر وطن آئے۔ کے آر ایل [illegible] ملازمت [illegible] سال ڈاکٹر خان کے معاون اعلیٰ کے طور پر کام کیا' 1998 میں ستارہ امتیاز حاصل کیا 2001 میں ہلال امتیاز کے لئے منتخب

ہوئے' کے آر ایل میں ڈائریکٹر جنرل سائنٹیفک اینڈ ٹیکنالوجی ڈویژن رہے ڈاکٹر نذیر احمد لاہور کے ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے' ان کے گھر بجلی نہ تھی اسلئے رات کو سرکاری کھمبے تلے بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے لئے انھیں کام بھی کرنا پڑتا تھا۔ 1979 میں برمنگھم یونیورسٹی برطانیہ سے ڈاکٹریٹ کرنے کے بعد امریکہ چلے گئے آج کل اسلام آباد میں مقیم ہیں۔ بچوں کے تعلیمی اخراجات پورا کرنے کے لئے اسلام آباد میں اپنا آدھا مکان کرایہ پر اٹھا رکھا ہے مالی مشکلات کی وجہ سے اپنی بڑی بیٹی کو لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ سائنسز میں داخلہ مل جانے کے باوجود تعلیم نہ دلوا سکے کیونکہ یورنیوسٹی کے اخراجات کے متحمل نہ ہو سکتے تھے۔

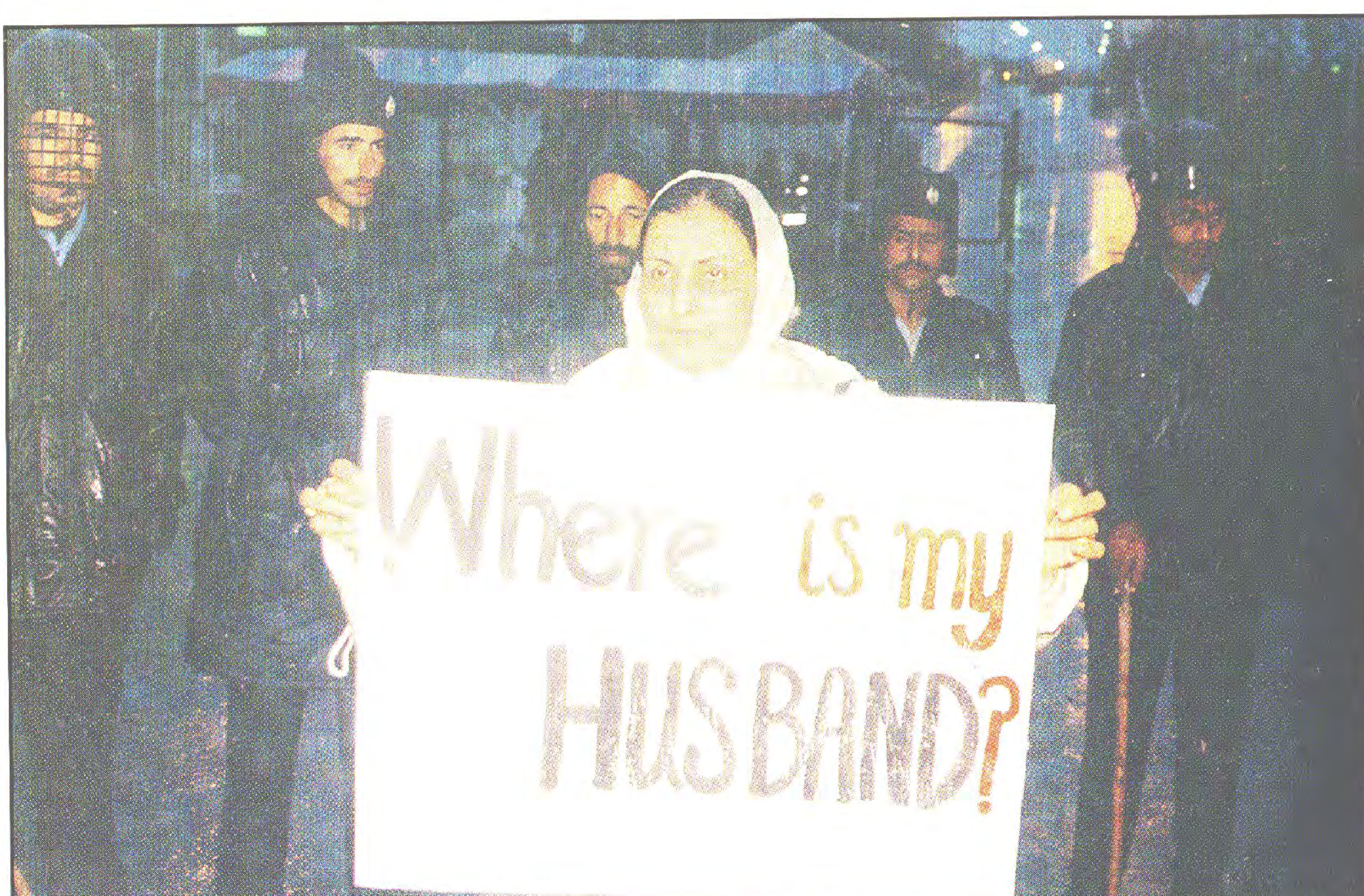
ڈاکٹر نذیر احمد کے بعد ڈاکٹر منصور احمد کو بھی اٹھالیا گیا ڈاکٹر منصور کے آر ایل کے ڈائریکٹر جنرل فزکس کے منصب سے ریٹائر ہوئے تو ڈاکٹر خان نے ان کی بہترین خدمات کے اعتراف میں کے آر ایل سپورٹس کا ڈائریکٹر جنرل لگا دیا محسن پاکستان سپورٹس کے بڑے شیدائی ہیں اور انہوں نے کرکٹ کے فروغ میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ شاید بہت کم قارئین کرام کو علم ہوگا کہ کرکٹ کے تین بڑے کھلاڑی 'فاسٹ باؤلر شعیب اختر اور آل راؤنڈر اظہر محمود کے آر ایل کے کھلاڑی تھے۔ کرکٹ کی حوصلہ افزائی کے حوالے سے ڈاکٹر منصور محسن پاکستان کے بڑے مددگار تھے۔ انہوں نے اس شعبے میں بھی بہترین خدمات انجام دیں اور ایک اعلیٰ معیار کا سٹیڈیم تیار کروایا۔ ان کو بھی ان کے گھر واقع ایف 10 اسلام آباد سے تقریباً انہی پُر اسرار حالات میں اٹھایا گیا۔ اس وقت گھر پر صرف ان کی اہلیہ موجود تھیں جو کہ خود بھی عمر رسیدہ اور بیمار تھیں انہوں نے احتجاج کیا لیکن ڈاکٹر منصور کو نہ دوائیں لینے دی گئیں اور نہ ہی دوسرا ضروری سامان لینے دیا گیا اسی روز ڈاکٹر سعید احمد کو بھی اسی انداز میں ان کے گھر سے اٹھالیا گیا۔

ان ممتاز شخصیات کو زبردستی ساتھ لے جانیوالوں کا انداز اتنا جارحانہ اور دھمکی آمیز تھا کہ ہر ایک خوفزدہ تھا' لواحقین کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں؟ کہاں جائیں؟ کس سے پوچھیں؟ چار پانچ روز تک ان افراد کے بارے میں کچھ پتہ نہ چل سکا' اہل خانہ ان کی پراسرار گمشدگی یا گرفتاری پر سخت پریشان تھے۔ 22 جنوری کی شام کو ڈاکٹر نذیر کے اہل خانہ سے ان کی بات کروائی گئی ان کی آواز میں گھبراہٹ تھی انہوں نے کہا ''سب ٹھیک ہے' فوری طور پر اونی جرابیں' گرم ٹوپی اور دستانے وغیرہ بھجوا دو'' اور ٹیلی فون کٹ گیا اس کے بعد 26 جنوری کی دوپہر دوبارہ فون آیا۔ اس میں انہوں انہی اشیاء کا مطالبہ کیا' لیکن ان کے گھر والوں نے کہا ''ہم مجبور تھے کہ یہ چیزیں کس طرح' کس کے ہاتھ اور کہاں بھجوائیں۔''

یہ تو تھی سائنسدانوں اور ان سے متعلق دیگر افراد کو حراست میں لئے جانے کی بہت مختصر روداد۔ بعض اخبارات کے مطابق حکومت اس وقت تک ''ڈی بریفنگ'' کے نام پر تیس سے زائد ایٹمی




ایٹمی سائنسدان انجینئر ڈاکٹر نذیر احمد کے بزرگ والدین اسلام آباد میں پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے اپنے بیٹے کی گرفتاری پر خاموش احتجاج کررہے ہیں۔ چند دنوں بعد ڈاکٹر نذیر احمد کے والد محترم پر فالج کا حملہ ہوگیا اور وہ شدید صدمے کی حالت میں ہیں۔




پولیس کے نرغے میں محترمہ طاہرہ بیگم اپنے شوہر ڈاکٹر نذیر احمد کی گرفتاری پر خاموش احتجاج کررہی ہیں




اسلام آباد پریس کلب کے سامنے گرفتار شدگان ایٹمی سائنسدانوں کے لواحقین احتجاجی مظاہرہ کر رہے ہیں۔



جماعت اسلامی کے امیر محترم قاضی حسین احمد گرفتار کئے جانے والے ایٹمی سائنسدانوں کے اہل خانہ سے اظہار یکجہتی کر رہے ہیں۔



کتاب کے مصنف میجر اسلام الحق کی گرفتاری کے بعد ان کی رہائش گاہ پر انکی والدہ محترمہ سے ملاقات کر رہے ہیں۔



میجر اسلام الحق کے بھائی اور معروف سیاسی کارکن جناب حسام الحق گرفتار کئے جانے والے ایٹمی سائنسدانوں کے
اہل خانہ کے ہمراہ پریس کانفرنس سے خطاب کر رہے ہیں۔

# آخری دیدار



15 مئی 2004: میجر اسلام الحق کی نظر بندی کے دوران انکے بڑے بھائی سید انعام الحق وفات پا گئے۔ میجر اسلام الحق کو اپنے بھائی کے آخری دیدار کے لئے دو گھنٹوں کیلئے رہا کیا گیا۔ وہ سیکورٹی حکام اور پولیس کی بھاری نفری کے ساتھ ماتمی رہائش گاہ پر پہنچے۔



اپنی والدہ محترمہ، ہمشیرہ صاحبہ عزیز فاطمہ کے ساتھ شدید صدمے کی حالت میں

سائنسدانوں اور ایٹمی پروگرام سے متعلق دیگر افراد کو گرفتار کر چکی تھی' لوگ ڈرتے ہوئے زبان نہیں کھول رہے تھے۔ جبکہ وفاقی وزیر اطلاعات شیخ رشید احمد کا کہنا تھا کہ '' کچھ سائنسدانوں کو ضروری تفتیش کے لئے حراست میں لیا گیا ہے۔ آٹھ افراد سے ڈی بریفنگ مکمل ہو چکی ہے' جنہیں جلدی رہا کر دیا جائے گا۔ جن افراد سے تفتیش ہو رہی ہے ان میں دو سابق بریگیڈیر ایک ریٹائرڈ میجر تین سائنسدان اور ایڈمنسٹریشن کا ایک افسر شامل ہے۔'' پاکستان بھر میں چہ میگوئیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا کہ سب کچھ امریکہ کے کہنے پر کیا جا رہا ہے ادھر آئی ایس پی آر کے ڈائریکٹر جنرل میجر جنرل شوکت سلطان نے بی بی سی سے انٹرویو میں موقف اختیار کیا کہ

''میں ایسی تمام باتوں کو رد کرتا ہوں کہ حکومت یہ تحقیقات امریکہ یا کسی اور کے دباؤ کے تحت کر رہی ہے۔''

## احتجاج

18/17 جنوری 2004 کو پاکستان کے عظیم ترین محسن ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے قریبی ساتھیوں اور معاون سائنسدانوں کو گھروں سے اٹھا لے جانے کی خبر اگرچہ 19 جنوری سے قبل اخبارات میں جگہ نہ پا سکی۔ کیونکہ حکومتی کارندوں نے انتہائی پراسرار انداز میں انھیں گرفتار کیا تھا' تاہم اسلام آباد وراولپنڈی کے جڑواں شہروں میں یہ خبر اٹھارہ جنوری کی صبح پھیل چکی تھی کہ حکومتی ایجنسیوں نے محسن پاکستان عبدالقدیر خان کے گھر پر چھاپہ مارا اوران کے ساتھ بدتمیزی کی ہے' جس نے بھی یہ خبر سنی وہ حیران رہ گیا اور غم وغصہ سے پیچ وتاب کھانے لگا۔ کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیوں ہو رہا ہے؟ کہ وہ جنہوں نے سقوط ڈھاکہ کے بعد' پریشان و مایوس قوم کو زندگی کا ایک نیا سلیقہ دیا اور اس کے تن مردہ میں نئی روح ڈالی اور جنہیں اعلیٰ ترین ملکی اعزازات سے نوازا گیا انھیں یوں رسوا وذلیل کیا جا رہا ہے۔ کیا ہماری حکومت اتنی بے بس ہو گئی ہے کہ غیروں کو خوش کرنے کے لئے محسنوں کے گریبان میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بھی اسے کوئی عار محسوس نہ ہوئی۔

اب ہماری یہی ترقی ہے' اب یہی انقلاب ہے پیارے
اپنی ملت کا جو بھی محسن ہے' وہی زیر عتاب ہے پیارے

اس واقعہ نے اندرون و بیرون ملک پاکستانیوں میں شدید ردعمل پیدا کیا اور 19 جنوری کو جب یہ خبر اخبارات کی زینت بنی تو پوری قوم میں ایک ہلچل مچ گئی اور دوردراز علاقوں میں بھی اس پر احتجاج کیا جانے لگا' زبان حال سے پکار اٹھی۔

عوامی سطح پر احتجاج کی اس لہر نے ''جرم بے گناہی'' میں حراست میں لئے جانے والے سائنسدانوں اوران سے متعلق انتظامی افسران کے اہل خانہ کا حوصلہ بھی بڑھایا اورانہوں نے حکومت کے اس اقدام کے خلاف احتجاج اور قانونی چارہ جوئی کا فیصلہ کرلیا مختصر یہ کہ ایٹمی سائنسدانوں کی نظر بندی پر جو آگ دلوں میں سلگ رہی تھی وہ بھڑک اٹھی اوراسی روز یعنی 19 جنوری کو ہی سینٹ کے اجلاس میں ایٹمی سائنسدانوں کی گرفتاری پر ہنگامہ ہوگیا۔ سینٹ میں اس مسئلے پر بحث کے دوران میں بعض وزراء کے بیانات اور رویے نے جلتی پر تیل کا کام کیا اس پر ایوان ''شیم شیم'' کے نعروں سے گونج اٹھا۔ اوران وزراء کی کج ادائیوں سے سرکاری بینچوں کے سر بھی شرم سے جھک گئے' اپوزیشن کا کہنا تھا کہ

> ''حکومت کا رویہ شرمناک ہے' حکومت عالمی ایٹمی توانائی کمیشن کا مراسلہ ایوان میں پیش کرے تا کہ قوم کو معلوم ہو سکے کہ یہ بکھیڑا کیوں چھیڑا گیا ہے۔ ایٹمی سائنسدانوں کی عزت پوری قوم کی عزت ہے۔ ہم کسی کو ایٹمی پروگرام رول بیک نہیں کرنے دیں گے' اسکے لئے ہم نے خون پسینہ ایک کیا ہے بڑی قربانیاں دی ہیں۔''

ملک بھر میں چھوٹے بڑے مظاہروں کے ذریعے احتجاج کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ واضح رہے کہ کہ 10 دسمبر 2004 کو ڈاکٹر فاروق اور ڈاکٹر یسیٰن چوہان کی گرفتاری کی خبر کی روزنامہ جناح میں اشاعت کے بعد ہی سے عوام میں غم وغصہ پیدا ہونے لگا تھا' اور پرنٹ میڈیا میں اس بارے میں احتجاج بھی جاری تھا لیکن اس پر عوامی احتجاج میں پہل پاکستان کے دل لاہور کے وکلاء نے اس طرح کی کہ لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کی ہیومن رائٹس کمیٹی کے زیراہتمام 31 دسمبر 2003 کو ہائی کورٹ بار سے جی پی او تک ایک مظاہرہ کیا گیا جس میں ہائی کورٹ بار اور ڈسٹرکٹ بار لاہور کے عہدیداروں اور ارکان نے بڑی تعداد میں شرکت کی' وہ ایٹمی سائنسدانوں کے ساتھ اس ناروا سلوک کے خلاف بینر اٹھائے ہوئے تھے۔ اس مظاہرہ سے خطاب کرنے والے سینئر وکلا نے حکومت کو مشورہ دیا کہ ایٹمی سائنسدان ملک وقوم کی عزت وآن ہیں' انھیں یوں رسوا کرنے کے بجائے وقار سے جینے کا حق دیا جائے۔

19 جنوری کے بعد تو ایک طوفان آ گیا پورے ملک میں ایک ہلچل مچ گئی احتجاج کے قائدین کو اگر معاملے کی نزاکت کا احساس نہ ہوتا اورعوامی احتجاج کو سیاسی رنگ دے دیا جاتا تو نہ جانے کیا صورت حال ہوتی سائنسدانوں کے بعض اہل خانہ دفتر خارجہ کی ہفت روزہ بریفنگ میں بھی پہنچ گئے ان میں ڈاکٹر نذیر احمد کے بیٹے عثمان' بیٹی صائمہ اور بریگیڈیر سجاول کے بیٹے ڈاکٹر شفیق نمایاں تھے انہوں نے دفتر خارجہ کے ترجمان سے صحافیوں کے روپ میں سوالات بھی کئے اور یوں عالمی میڈیا کی توجہ اس طرف مبذول کروائی۔ اس موقع پر انہوں نے صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ''قوم اپنے محسنوں کو





اعزازات سے نوازتی ہیں انہیں اپنے لئے مشعل راہ بناتی ہیں ہمارے ہاں انکی تذلیل اور ملک وقوم کا وقار مجروح کیا جارہا ہے۔ 30 سے زائد ایٹمی سائنسدان گرفتار ہیں مگر بیشتر لوگ خوف وہراس کے باعث آواز نہیں اٹھا رہے۔'' عثمان نذیر نے کہا کہ ''میرے والد اور جو دوسرے سائنسدان ان سروس ہیں ان سے دفتر میں سوالات پوچھے جاسکتے تھے یوں ذلت آمیز انداز میں گھر سے اٹھا لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔'' نظر بند ایٹمی سائنسدانوں اوران کے متعلقہ انتظامی افسران کے اہل خانہ کی احتجاجی تحریک سے عوامی تحریک کو مہمیز ملی۔ جبکہ ان اہل خانہ کی احتجاجی تحریک میں روز بروز تیزی آتی گئی اور وہ اپنے دکھوں کا اظہار نت نئے انداز میں نت نئے مقامات پر کرتے رہے۔ اس ''احتجاجی تحریک'' میں میجر اسلام الحق کے بھائیوں میجر (ریٹائرڈ) اعجاز الرحمٰن' حسام الحق' اعصام الحق' احتشام الحق اہلیہ نیلوفر اسلام' بھانجی ندا الرحمٰن' والدہ شمس النسا' ڈاکٹر نذیر احمد کی بیگم طاہرہ نذیر' ان کے صاحبزادے عثمان احمد' صاحبزادی صائمہ نذیر' ڈاکٹر فاروق احمد کے صاحبزادے عاصم فاروق' بریگیڈیر سجاول کے صاحبزادے ڈاکٹر شفیق الرحمان اور بیگم ڈاکٹر منصور احمد نے لیڈنگ رول ادا کیا انہوں نے احتجاجی مظاہرے' پریس کانفرنسیں منعقد کیں اور بعض ذمہ دار افراد اور سیاستدانوں سے ملاقاتیں بھی کیں اور یوں انتظامیہ کے ہتھکنڈوں کو بے نقاب کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

نظر بندوں کے اہل خانہ نے 21 جنوری کو بارش کے باوجود ڈیڑھ گھنٹے تک پارلیمنٹ ہاؤس اسلام آباد کے باہر زبردست مظاہرہ کیا اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ ڈی بریفنگ کے نام پر قومی ہیروز کی تذلیل کا سلسلہ بند کر کے انھیں فی الفور رہا کیا جائے انہوں نے سائنسدانوں کی رہائی تک عدالتی جنگ کے ساتھ ساتھ اہم مقامات پر احتجاج کا سلسلہ جاری رکھنے کے عزم کا اظہار بھی کیا۔ مظاہرین نے ہاتھوں میں کتبے اٹھا رکھے تھے جن پر لکھا تھا ''قومی ہیروز کو رہا کرو'' محبّ وطن سائنسدانوں سے سلوک' قوم کے لئے لمحہ فکریہ'' ''پاکستان کی تقدیر' ڈاکٹر عبدالقدیر'' ''کیا حب الوطنی کا یہی صلہ ہے؟ امریکہ کا جو یار ہے غدار ہے'' ''ڈاکٹر قدیر تیری عظمت کو سلام'' ''محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان''

ایٹمی سائنسدان منصور احمد کا آٹھ سالہ نواسہ حمزہ کتبہ اٹھائے ایک گھنٹہ تک بارش میں کھڑا رہا کتبے پر درج تھا ''قومی ہیروز کو رہا کرو'' میجر اسلام الحق کی ضعیف العمر والدہ شمس النساء نے اس موقع پر احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ ''اسلام الحق نے میرا دودھ پیا ہے۔ میں جانتی ہوں میرا بیٹا وطن کا محافظ ہے وہ 1971 میں ڈھاکہ میں قید ہوا اب ایٹمی پروگرام کے لئے جیل میں گیا ہے۔ میں نے اپنے سب بیٹوں کو پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے لئے ڈٹ جانے کا کہا ہے'' محترمہ شمس النساء کی اس جرات اور حق

کی خاطر ڈٹ جانے کے اس حوصلہ کی بنا پر میں میجر اسلام الحق کی نظر بندی کے دوران تین مرتبہ انکی رہائش گاہ پر گیا اور ان کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی میں نے انہیں ایک صابر اور شاکر خاتون پایا۔ افسوسناک بات یہ کہ اس ڈیڑھ گھنٹے کے مظاہرہ کے دوران وزراء اور ارکان اسمبلی میں سے کسی نے بھی پارلیمنٹ ہاؤس سے باہر آ کر انھیں تسلی دینے کی زحمت نہ کی۔

21 جنوری ہی کو سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کے نائب صدر چوہدری محمد اکرام ایڈوکیٹ نے ایک پریس کانفرنس میں وکلا کی طرف سے 23 جنوری کو ملک بھر میں ایٹمی سائنسدانوں کی گرفتاری کے خلاف یوم احتجاج منانے کا اعلان کیا انہوں نے اس روز ملک بھر میں ''عدالتوں کا بائیکاٹ کیا جائے گا اور وکلا ایٹمی پروگرام کا دفاع ہر قیمت پر کریں گے۔'' ادھر متحدہ مجلس عمل نے بھی 23 جنوری کو ملک بھر میں یوم احتجاج منانے اور مظاہرے کرنے کا اعلان کر دیا کیا مسلم لیگ (ن) نے بھی پنجاب بھر میں احتجاجی مظاہرے کرنے اور احتجاجی کیمپ لگانے کا فیصلہ کیا۔ حکومتی اقدامات کے خلاف پرنٹ میڈیا میں سخت تنقید کی جارہی تھی۔ اسی روز لاہور میں نظریہ پاکستان فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام ایک سیمینار میں صحافیوں، وکلا اور قومی زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والوں نے شدید غم وغصہ کا اظہار کیا۔ تو صدر تقریب چیئر مین سینٹ محمد میاں سومرو نے حکومت کی نمائندگی کرتے ہوئے مسئلے کی نزاکت کے پیش نظر ٹھنڈے دل ودماغ سے کام لینے کی تلقین کی۔

22 جنوری کو اسلام آباد پریس کلب میں راولپنڈی سے ایم ایم اے کے رکن قومی اسمبلی حنیف عباسی نے نظر بندوں کے اہل خانہ کے ہمراہ ایک مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب کیا کہ ''قومی ہیروز کو غیروں کے کہنے پر ذلیل نہ کیا جائے وہ قومی اثاثہ ہیں۔ کے آر ایل کے چیف کو بھی معلوم نہیں کہ کیا ہو رہا ہے'' نظر بندوں کے اہل خانہ نظر بندوں سے ملاقات کرانے اور سرکاری ترجمانوں کو سائنسدانوں کے بارے میں لہجہ درست کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ ''وہ سچ بولنا سیکھیں جی چاہتا ہے کہ یہ ملک چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں کہ یہاں اپنے محسنوں کو اذیتوں سے گذارا جارہا ہے۔'' کانفرنس کے دوران کئی مرتبہ ایسے مواقع آئے کہ حاضرین کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور آخر میں وطن عزیز کی سلامتی اور نظر بندوں کی رہائی کے لئے دعا کی گئی۔ پریس کانفرنس سے ڈاکٹر شفیق سجاول، نیلوفر اسلام، ڈاکٹر منصور، ڈاکٹر نذیر احمد اور بریگیڈیر تاجور کی صاحبزادیوں، ڈاکٹر نسیم کی فیملی کے ارکان اور ڈاکٹر فاروق کے صاحبزادے نے خطاب کیا۔ اس موقع پر مانچسٹر سے آئے ہوئے حاجی عبدالرشید نے اعلان کیا کہ وہ سائنسدانوں کی رہائی پر انہیں سونے کے ہار پہنائیں گے۔ دریں اثنا پاکستان بار کونسل کے وائس چیئر مین قاضی محمد انور ایڈوکیٹ نے سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کی طرف سے 23 جنوری کو یوم احتجاج منانے





کے فیصلے کی تائید کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ملک بھر میں وکلا 23 جنوری کو احتجاجی مظاہرے کریں گے۔ مسلم لیگ (ن) اور اے آر ڈی نے اپنے احتجاجی پروگرام کی تفصیلات جاری کر دیں، جنرل بیگ نے کہا دشمن اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گیا ہے مختصر یہ کہ ملک بھر میں سیاسی وسماجی حلقوں کی طرف سے احتجاج جاری تھا۔

23 جنوری کو متحدہ مجلس عمل، پاکستان بار کونسل، اے آر ڈی اور مختلف قومی وسماجی تنظیموں کے فیصلے کے مطابق ایٹمی سائنسدانوں کی گرفتاری کے خلاف ملک بھر میں ''یوم نفرت'' اور ''یوم احتجاج'' منایا گیا اور احتجاجی مظاہرے کئے گئے۔ وکلا نے عدالتوں کا بائیکاٹ کیا، اسلام آباد میں پارلیمنٹ اور سپریم کورٹ کے سامنے اسلام آباد راولپنڈی اور مضافات سے آئے ہوئے وکلاء نے دو گھنٹے تک مظاہرہ کیا اور چیف جسٹس سے تمام معاملات کا ازخود نوٹس لینے کا مطالبہ کیا گیا۔ ادھر اسلام آباد میں لال مسجد کے سامنے سب سے بڑا عوامی مظاہرہ ہوا اس میں ہزاروں افراد نے شرکت کی، وکلا اور مجلس عمل کے ان مظاہروں میں نظر بندوں کے اہل خانہ نے خطاب کے دوران دل گرفتہ انداز میں بتایا کہ انھیں دھمکیاں دی جارہی ہیں کہ وہ احتجاج کا سلسلہ بند کریں ورنہ انہیں بھی اٹھا کر لے جائیں گے۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے فون بھی ٹیپ کئے جارہے ہیں، سحرش اسلام نے کہا محسن پاکستان ڈاکٹر خان اور ان کے ساتھیوں کی ڈی بریفنگ سے اگلی نسلوں کو یہ پیغام دیا جارہا ہے کہ کوئی وطن کی یوں بے لوث خدمت نہ کرے۔ اس روز مظاہرین سے مجلس عمل کے مرکزی رہنماؤں اور سپریم کورٹ بار اور پاکستان بار کونسل کے عہدیداروں نے بھی خطاب کیا۔ جبکہ ملک بھر کے شہروں اور قصبات کی سطح پر احتجاجی مظاہرے ہوئے۔ سب کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ سائنسدانوں کی تذلیل بند کرو اور حراست میں لئے گئے سائنسدانوں کی رہائی تک احتجاج جاری رہے گا۔

23 جنوری کو لاہور میں مظاہرے میں شرکت کے بعد ڈاکٹر نذیر کی والدہ حسین بی بی نے اخبار نویسوں کو روتے ہوئے بتایا کہ ''فوج نے اچھا نہیں کیا قومی سائنسدانوں کی ڈی بریفنگ اوچھی حرکت ہے۔ میں اور میری بیٹی دل کی مریض ہیں نذیر کی نظر بندی سے مرض اور بھی بڑھ گیا ہے۔ نہ دن کو سکون ہے اور نہ ہی رات کو آرام، اللہ تعالیٰ سب کو اپنی امان میں رکھے'' 23 جنوری کے بعد ملک گیر سطح پر احتجاجی مظاہروں اور کیمپوں کے لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا، اور حکومت کو بار بار یقین دہانی کرانا پڑی کہ ''حکومت کسی سائنسدان کو کسی بیرونی ملک کے حوالے نہیں کرے گی۔ یہ سارا عمل اور تحقیقات داخلی ہیں نتائج ہم خود اخذ کریں گے اور جو بھی اقدامات کرنے ہوں گے حکومت پاکستان خود کرے گی'' بایں ہمہ احتجاج کا سلسلہ جاری رہا۔

26 جنوری کو ایک بار پھر طلبا اور نوجوانوں کی تنظیموں نے اسلام آباد میں پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے زبردست احتجاجی مظاہرہ کیا اس میں ہزاروں طلبا شامل تھے۔ نظر بندوں کے اہل خانہ نے بھی شرکت کی ان کا کہنا تھا کہ سائنسدانوں نے جتنا وقت ایٹمی پروگرام کو دیا اتنا انہوں نے اپنے گھر اور بچوں کو نہیں دیا۔ ڈاکٹر نذیر کی صاحبزادی صائمہ نے مظاہرین سے خطاب کے دوران کہا کہ '' سائنسدانوں کے بارے میں افواہیں پھیلائی جارہی ہیں کہ انہوں نے خوب مال کمایا ان کے بھاری بنک اکاؤنٹس ہیں۔ میرے والد نے 1998 میں اسلام آباد میں مکان بنایا تھا اوپر کی منزل کرائے پر دے رکھی ہے۔ جس سے ہمارے تعلیمی اخراجات پورے ہوتے۔ انہیں لاہور میں نانا کی تحفے میں دی ہوئی زمین پر قرضہ لیکر مکان بنایا اہل محلہ اور ہمارے واقف کار بتا سکتے ہیں کہ ابو کے کتنے بنک بیلنس اور کتنی جائیداد ہے'' ڈاکٹر نذیر کے والد حاجی محمد شریف نے بتایا کہ '' وہ پیشے کے لحاظ سے کارپینٹر ہیں ڈاکٹر نذیر نے اپنی محنت سے یہ مقام حاصل کیا وہ ہمارا واحد سہارا ہیں میں اور میری بیوی دونوں مریض ہیں جن کی دواؤں کے اخراجات نذیر اٹھاتا ہے۔'' سائنسدانوں کے بعض اہل خانہ نے بتایا کہ نظر بندوں کے بارے میں کے آر ایل کے موجودہ چیئرمین سے بات کی گئی تو انہوں نے بڑی بے بسی سے کہا '' مجھے بھی کچھ پتہ نہیں کہ وہ لوگ کب مجھے بھی اٹھا کر لے جائیں ہر طرف خوف و ہراس کی فضا ہے۔'' اسی روز راولپنڈی میں ایک پر جوش احتجاجی مظاہرے سے خطاب کے دوران قاضی حسین احمد نے ایٹمی سائنسدانوں کی گرفتاریوں کے خلاف تحریک چلانے اور اسلام آباد کے گھیراؤ کا اعلان کیا مسلم لیگ (ن) نے احتجاجی کیمپ لگایا پی پی پی کے امین فہیم اور تحریک انصاف کے عمران خان نے سائنسدانوں کے ساتھ حکومتی سلوک کو ناقابل برداشت قرار دیا۔ ملک بھر کی وکلا تنظیموں نے 28 جنوری سے ڈی بریفنگ کے خلاف احتجاجی تحریک چلانے کا اعلان کر دیا۔ اور کہا کہ '' قوم کے محسنوں کی طرف بڑھنے والے ہاتھوں کو کاٹ دیا جائے گا۔'' وکلا نے 12 فروری کو لاہور میں آل پاکستان وکلا جوائنٹ ایکشن کمیٹی کا اجلاس طلب کرنے کا بھی فیصلہ کیا اس موقع پر محسن پاکستان ڈاکٹر خان کی تصویر لاہور ہائی کورٹ کے بار روم میں لگانے کا اعلان کیا۔ مختصر یہ کہ عوامی سطح پر احتجاج کا سلسلہ زیرو بم کے ساتھ جاری رہا' متحدہ مجلس عمل کی طرف سے مختلف مقامات پر احتجاجی اجتماعات ہوتے رہے۔ مسلم لیگ (ن) کی طرف سے مختلف شہروں میں احتجاجی کیمپ لگائے جاتے رہے' 28 فروری کو راولپنڈی میں ایک این جی او '' تحریک قومی بیداری'' کے زیر اہتمام ایک سیمینار میں مختلف سیاسی و سماجی رہنماؤں نے خطاب کیا۔ دیگر قومی و سماجی تنظیموں کی طرف سے احتجاج کیا گیا اور حکومت کے رویے اور قومی اہمیت کے اس نازک مسئلے کو مس ہینڈل کرنے پر کڑی تنقید کی گئی۔





دریں اثنا محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی منصب سے علیحدگی اور انھیں حراست میں لئے جانے کی خبر نے مزید اشتعال پیدا کر دیا' حکومت نے عید قربان کے موقعہ پر محسن پاکستان کو قربان کر کے قوم کو ایک نئے امتحان میں ڈال دیا تھا' وہ تو غنیمت ہوا کہ یہ اقدام ایسے موقع پر کیا گیا کہ جب قوم سنت ابراہیمی ادا کرنے جارہی تھی حکومت ملک کے وسیع تر مفادات کی دہائی دے رہی تھی اور معاملے کو ٹھنڈے دل سے نپٹانے کی اپیلیں کر رہی تھی ان اپیلوں کا اپنا ایک وزن تھا۔ پھر بھی عوام نے اپنے جذبات سے ثابت کر دیا کہ وہ قوم کے ہیروز کو وقتی مصلحتوں پر قربان نہیں ہونے دینگے۔

29 جنوری کو وکلا انجینئرز' ڈاکٹروں اور سیاستدانوں سمیت اساتذہ اور طلبا نے پاکستان پروفیشنلز فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے ایک زبردست احتجاجی مظاہرہ کیا اس سے مسلم لیگ (ن) کے چیئرمین راجہ ظفر الحق' احسن اقبال' ایم ایم اے کے رکن قومی اسمبلی میاں اسلم' سمیعہ راحیل قاضی اور فاؤنڈیشن کے چیئرمین آصف لقمان جنرل سیکرٹری وہاج الدین نے خطاب کیا۔ نظر بندوں کے اہل خانہ نے بھی شرکت کی' مقررین نے حکومت پر کڑی تنقید کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے والے سائنسدانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جارہا ہے اور بے قصوروں کو قربانی کا بکرا بنایا جارہا ہے انہوں نے سائنسدانوں کی ڈی بریفنگ کو قوم و ملت کے خلاف سازش قرار دیا۔

دریں اثنا ملک بھر سے قومی سیاسی اور مذہبی رہنماؤں اور عام شہریوں کی طرف سے زیر حراست افراد کے اہل خانہ سے فونز پر رابطے جاری رہے۔ اندرون اور بیرون ملک سے روزانہ سینکڑوں کالز موصول ہوتی تھیں۔ فون کرنے والے حکومت کے خلاف غم و غصہ اور قومی ہیروز کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے عزم کا اظہار کرتے ہوئے لواحقین کو حوصلے اور ہمت سے کام لینے کی تلقین کرتے' ادھر سائنسدانوں کے لواحقین نے بھی کوئی 'یا سیاسی' مذہبی' اور سماجی رہنما اور تنظیم نہیں چھوڑی جس سے رابطہ نہ کیا ہو۔ بعض ارباب اقتدار کے دروازوں پر بھی دستک دی حکومتی عہدیداروں میں سے چوہدری شجاعت حسین ایسی شخصیت ہیں جن سے ان لواحقین کا سب سے زیادہ رابطہ ہوا۔

## نظر بندوں کی افرادخانہ سے ملاقات

عید قربان پر 2 فروری کو گرفتاریوں کے بعد عدالت عالیہ کے حکم پر نظر بندوں کی پہلی مرتبہ ان کے والدین اور بیوی بچوں سے ملاقات کروائی گئی۔ ملاقاتیں کے آر ایل کے دفاتر واقع چک لالہ میں ایک گھنٹہ تا ڈیڑھ گھنٹہ مختلف اوقات میں علیحدہ علیحدہ ہوئیں لیکن ان ملاقاتوں میں بھی بیوی بچوں اور والدین کو زیر حراست افراد سے تنہائی میں بات کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ نظر بند افراد کے چہروں پر

افسردگی کے آثار تھے لیکن وہ پریشان نہیں تھے ان کا کہنا تھا کہ انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا۔خلوص نیت اور دیانتداری کے ساتھ مادر وطن کی خدمت کی ہے اور وہ رب ذوالجلال کے فضل سے اس کڑے امتحان میں سرخرو اور بے گناہ ثابت ہوں گے۔ ملاقات کے مناظر انتہائی رقت آمیز اور جذباتی تھے۔ملاقاتی نظر بندوں کے حالات جاننے کو بے تاب تھے۔لیکن سرکاری اہلکاروں کی موجودگی کے باعث نظر بند بڑے محتاط تھے ایک نظر بند سے ان کے اہل خانہ نے بار بار سوالات کئے گئے تو انہوں نے صرف اتنا کہا ''میں کوئی سسرال میں تو نہیں ہوں حراست میں ہوں'' زیر حراست افراد نے ان خبروں کو غلط قرار دیا جن میں کہا گیا تھا کہ ڈاکٹر فاروق یا میجر اسلام اور کچھ دوسروں نے ڈاکٹر خان کے خلاف بیان دیئے یا ثبوت فراہم کئے ہیں۔مزید معلوم ہوا کہ زیر حراست افراد کو عید کی نماز پڑھنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔یہاں اس امر کا ذکر بھی بے جا نہ ہوگا کہ اس بحران کی وجہ سے کے آر ایل کے چیئرمین ڈاکٹر جاوید مرزا اور ڈپٹی چیئرمین ڈاکٹر اشرف عطا کو حج پر جانے سے روک دیا گیا۔

دریں اثنا یکم فروری کو محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو گھر پر پابند کئے جانے کی خبروں کے تناظر میں ایٹمی سائنسدانوں کے اہل خانہ نے ''خان ریلیز کمیٹی'' کے نام سے ایک باقاعدہ تنظیم قائم کر لی تھی۔جس کے چیئرمین زیر حراست میجر اسلام الحق کے بھائی حسام الحق، سیکرٹری جنرل ڈاکٹر شفیق الرحمٰن اسٹنٹ سیکرٹری عثمان نذیر، انفارمیشن سیکرٹری عاصم فاروق اور ڈاکٹر خان کے ایک متوالے جمیل عباسی رابطہ سیکرٹری تھے۔کمیٹی کی طرف سے مطبوعہ سٹکرز، بیجز اور کیلنڈر بھی لوگوں میں تقسیم کئے گئے۔کمیٹی نے اپنے آئندہ لائحہ عمل کا اعلان 4 فروری کی پریس کانفرنس میں کرنے کا وعدہ کیا ادھر قاضی حسین احمد نے 6 فروری کو ملک گیر ہڑتال کرانے کا اعلان کر دیا۔خفیہ ایجنسیوں نے اپنی رپورٹوں میں حکومت پر واضح کر دیا کہ 6 فروری کی ملک گیر ہڑتال مکمل اور کامیاب ہوگی جس سے حکومت کی مشکلات میں اضافہ ہوگا۔اس پس منظر میں حالات کی رفتار بہت تیز ہوگئی۔ایک طرف احتجاج کی شدت میں اضافہ ہو رہا تھا تو دوسری طرف حکومت معاملے کو جلد نپٹانے کی فکر میں تھی۔

4 فروری کو جب ''خان ریلیز کمیٹی'' کے عہدے داران پریس کانفرنس کی تیاری کر رہے تھے، خبر آئی کہ ڈاکٹر خان صدر پرویز مشرف سے ملاقات کر رہے ہیں۔اس ملاقات کے بعد ڈاکٹر خان کے ''اقبالی بیان'' نے صورت حال کو سنگین بنا دیا۔خان ریلیز کمیٹی اور قوم کی 97 فیصد اکثریت نے اسے ڈاکٹر خان پر دباؤ کا نتیجہ قرار دیا' اور احتجاج جاری رکھنے کا اعلان کیا۔پھر 5 فروری کو جنرل پرویز مشرف نے ڈاکٹر خان کو معافی دینے کا اعلان کر کے صورت حال کو حکومت کے حق میں بدلنے کی کوشش کی اور قوم وملک کے مفاد میں اجتماعی ہنگاموں اور شور شرابہ نہ کرنے کی اپیل کی۔انہوں نے ڈاکٹر خان کو قومی ہیرو





اور اپنا ہیرو تسلیم کرتے ہوئے انھیں شیلڈ (حفاظتی پناہ) مہیا کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔اس پریس کانفرنس میں صدر پرویز مشرف جس طرح جھنجھلاہٹ اور کسی حد تک ناراضگی وطیش کا شکار تھے اس سے اندازہ ہوا کہ وہ بھی اس معاملے میں پوری قوم کی طرح کرب واذیت کا شکار ہیں اور حالات کے جبر نے انھیں ایسے موڑ پر لا کھڑا کیا ہے کہ ان کے اخلاص دردمندی اور ملک وقوم سے محبت ووفاداری کے باوجود قوم ان سے شاکی ہوگئی ہے۔بہرحال اس پریس کانفرنس میں انہوں نے جو کچھ کہا قوم نے اپنا احتجاجی لہجہ دھیما کر لیا اور دلوں میں آگ کو دبا لیا۔

قوم اس صورت حال پر دل گرفتہ ہے اس نے اگرچہ وقتی ضرورت کے تحت اپنے آنسو پی لئے ہیں اور اپنے دلوں پر لگے نشتروں پر مصلحتوں کی مرہم رکھ دی ہے لیکن ڈر ہے کہ یہ آنسو یہ گھاؤ کہیں انتقام کی آگ نہ بن جائیں۔انسان کی حقیقی عظمت اور سربلندی اس کی غیرت وحمیت اس کے عزم راسخ اس کے نظریات اس کے ایمان اور ایقان میں ہوا کرتی ہے سچ یہ ہے کہ قوم اپنی لاش ہمیشہ اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرنے کے لئے کبھی آمادہ نہیں ہوگی۔اس دوران 27 فروری کو ایک پروقار تقریب میں لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کی طرف سے کیانی ہال میں محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی تصویر آویزاں کی گئی اور اس کے ساتھ ہی ملک کی تمام بار ایسوسی ایشنوں میں وطن عزیز کے اس مایہ ناز سپوت کی تصویر آویزاں کر کے انھیں خراج تحسین پیش کرنے فیصلہ کیا گیا یہ سلسلہ کئی ہفتوں تک جاری رہا' لاہور کی اس تقریب سے خطاب کرتے ہوئے نوائے وقت کے مدیر اعلیٰ جناب مجید نظامی نے کہا کہ آج ہم خدا کے فضل وکرم اور ڈاکٹر خان کی وجہ سے محفوظ ہیں۔اگر پاکستان کے پاس ایٹم بم نہ ہوتا تو واجپائی اور اسکے چیلے سرحد پر بھنگڑا ڈال رہے ہوتے۔انہوں نے ڈاکٹر خان کی کردار کشی کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ ان کا رہن سہن فقیرانہ ہے انہوں نے کہا کہ خدا جب کسی کو عزت دیتا ہے تو اسے آزمائش میں بھی ڈالتا ہے ڈاکٹر خان ان دنوں آزمائش میں ہیں' اور انشاء اللہ تعالیٰ وہ آزمائش سے سرخرو اور سربلند ہو کر نکلیں گے۔لاہور ہائی کورٹ بار کے صدر حافظ عبدالرحمٰن نے خطبہ استقبالیہ میں کہا کہ قوم کے ہیرو کے ساتھ جو مجرمانہ سلوک کیا گیا اس سے ساری قوم کے سر جھک گئے ہیں انہوں نے وکلاء کی طرف سے ایٹمی سائنسدانوں کے احترام کی بحالی کیلئے جدوجہد جاری رکھنے کا اعلان کیا اس موقع پر سپریم کوٹ بار ایسوسی ایشن کے نائب صدر چوہدری محمد اکرام اور حسام الحق نے بھی خطاب کیا جبکہ تقریب میں وکلا کے علاوہ نظر بند سائنسدانوں کے بیوی اور والدین بھی شریک ہوئے۔

# ڈی بریفنگ سے کچھ پہلے

جب حالات بہت بگڑ گئے اور محسن پاکستان کے ہر ہر لمحہ پر نظر رکھی جانے لگی اور انکے لئے اپنے دفتر میں بھی کسی سے بات کرنا مشکل ہوگیا تو میری ان سے ملاقات' یعنی انکی نظر بندی سے پہلے ان سے آخری ملاقات ان کے دفتر کے واش روم میں ہوئی۔ واش روم میں آویزاں بڑے شیشے کی وجہ سے ہم دو نہیں چار افراد نظر آرہے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ ہم چار افراد آپس میں بات چیت کر رہے ہیں مختصر سے کمرے میں ہراساں محسن پاکستان نے کیا کہا وہ میں بعد میں عرض کروں گا لیکن پہلے میں بتانا چاہوں گا کہ محسن پاکستان ڈاکٹر خان ابتدا ہی سے امریکہ' اسرائیل اور بھارت کے نشانے پر رہے ہیں۔ وہ کئی مرتبہ اظہار کر چکے تھے کہ ان کے خلاف بین الاقوامی سازشیں ہو رہی ہیں لیکن اب کی مرتبہ حکومت کے لئے غیر ملکی دباؤ برداشت کرنا ناممکن ہوگیا۔ ابتدا میں ذوالفقار علی بھٹو جنرل ضیاء الحق مرحوم اور جناب غلام اسحاق خاں ان سازشوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے اور ایٹمی پروگرام کو آگے بڑھانے کے لیے ہر ضروری سہولت فراہم کرتے رہے جب محسن پاکستان کی ڈی بریفنگ اور بعض حلقوں کی طرف سے انکے یعنی امریکہ اسرائیل اور بھارت کے مذموم کردار کا سلسلہ شروع ہوا۔ تو ڈاکٹر خان کے بعض ناقدین نے بڑی شان سے گلہ کیا کہ ڈاکٹر خان جنرل ضیاء الحق کی ''آنکھوں کا تارا'' تھے اور ان کے حکم کے مطابق ڈاکٹر خان گھر سے کہوٹہ اور کہوٹہ سے گھر تک کا سفر محافظوں کے جلو میں طے کیا کرتے تھے ان ناقدین کے اس تبصرے سے مراد یہ تھی کہ وہ یعنی محسن پاکستان فضول خرچیاں کرتے رہے ہیں اور انکا اٹھنا بیٹھنا شہزادوں کی طرح تھا۔ قارئین کرام ان لوگوں کو علم نہیں کہ یہی وہ دور ہے جب پاکستان کے دشمنوں نے ایٹمی پروگرام کے تخلیق کار کو اغوا یا عراقی سائنسدان یحیٰ کی طرح شہید کرنے کے منصوبے بنائے تھے۔ ڈاکٹر خان ایک قومی اثاثہ تھے اور ہیں اور ضیاء الحق اس اثاثے کی حفاظت کو منصبی ذمہ داریاں ہی نہیں قومی تقاضا بھی سمجھتے تھے۔ وسط 1984 کی بات ہے ایک روز آرمی ہاؤس کے چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں ڈاکٹر خان نے جب جنرل ضیاء الحق کو بتایا کہ ''پاکستان اور اس کے باسیوں کے لیے ایٹم بم کا حصار تعمیر ہو چکا ہے اور حکومت جب بھی چاہے تو وہ دو ہفتے کی مہلت پر دھماکہ کر سکتے ہیں'' تو جنرل ضیاء الحق نے اللہ کے حضور سجدہ شکر ادا کیا اور فرطِ جذبات میں ڈاکٹر خان کے ہاتھوں کا بوسہ لیتے ہوئے کہا ''آپ نے جو کچھ قوم کو دیا ہے اس کا صلہ نہ میں آپ کو دے سکتا ہوں نہ قوم!!! اس کی جزا صرف اللہ تعالی ہی دے سکتا ہے---۔ پھر دونوں کی آنکھوں سے تشکر کے آنسو اس کثرت سے جاری ہوئے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لیتے





تھے۔ مجھے یہ سارا واقعہ خود صدر مرحوم نے بتایا تھا۔

پھر وقت نے چولا بدلا' غلام اسحٰق خان ایوانِ اقتدار سے رخصت ہوئے تو پاکستان کا ایٹمی پروگرام بھی سازشوں اور سازشیوں کی لپیٹ میں آتا گیا لیکن ایٹمی پروگرام کا خالق اس پروگرام تک دشمن کے پہنچنے کی راہ میں آہنی دیوار بن گیا۔ وہ پاکستان کے دشمنوں کو اور بھی کھٹکنے لگا کیونکہ اقتدار کی لابیوں میں ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے والوں کی موجودگی کے باوجود اس کے عزائم کی تکمیل نہیں ہو پا رہی تھی بلکہ اس کے برعکس 28 مئی 1998ء کو پاکستان نے اس عظیم سائنسدان کی قیادت میں چھ دھماکے کر کے پاکستان کے ایٹمی طاقت ہونے کا اعلان کر دیا۔ یہ عالمی استعمار اور پاکستان دشمنوں کو کھلا چیلنج تھا۔ وہ ڈاکٹر خان کے گرد گھیرا تنگ کرنے میں مصروف رہے۔ جیسا کہ سابق امریکی سینیٹر جان گیلن کے معاون لیونارڈ ویس (Leonard Weis) نے سائنسدانوں کے بلٹین کے مئی جون 2004 کے شمارہ میں لکھا ہے کہ ''ستر اسّی کی دہائی میں امریکی قیادت افغانستان میں روسی ریچھ کو پچھاڑنے کے لئے پاکستان کے ایٹمی پروگرام سے آنکھیں بند رکھنے پر مجبور تھی جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پاکستان ایٹمی طاقت بن گیا۔ لیکن 1990 کے بعد سے حالات نے جو رخ اختیار کیا ان میں پاکستان امریکہ کی مجبوری نہیں رہا بلکہ طاقت کا توازن مکمل طور پر امریکہ کے حق میں ہے۔ اسے چیلنج کرنے والی کوئی قوت میدان میں موجود نہیں' خطے میں بھارت اس کا دست و بازو ہے اور پاکستان کو علم ہے کہ افغانستان کے حالیہ تناظر میں امریکہ کے پاس کئی ''متبادل'' ہیں امریکہ جانتا ہے کہ پاکستان نے اب اسے جو تعاون فراہم کیا ہے وہ خوف اور مجبوری کے عالم میں کیا ہے اس لئے اس نے حالات میں رونما ہونے والی اس تبدیلی کو مستقبل کی منظر کشی کے لئے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

ستمبر 2001 کے آخری دنوں میں امریکہ کے فوجی اور انٹیلی جنس افسروں کی ایک اعلیٰ سطحی ٹیم نے بریگیڈیر جنرل کیوبن چلٹن کی قیادت میں پاکستان کا دورہ کیا تو پاکستان کے ایٹمی پلانٹس اور گوداموں کی سیکورٹی پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے پاکستان کی قیادت کو اس بارے میں وائٹ ہاؤس کے احکامات سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا' دریں اثنا امریکی تھینک ٹینکوں اور حساس اداروں کی طرف سے پاکستان کے ایٹمی اثاثے انتہائی غیر موزوں ہاتھوں میں ہونے اور ان کے طالبان کے حامی عناصر کے ہاتھوں میں چلے جانے کے امکانات کے بارے میں پروپیگنڈہ تیز ہوگیا۔ اکتوبر 2001 میں تو امریکی اخبار نیویارکر نے یہ شوشہ بھی چھوڑا کہ امریکہ نے پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کو طالبان اور القاعدہ کے ہمنوا انتہا پسندوں کے ہاتھوں سے بچانے کے لئے ایک منصوبہ بنایا ہے۔ اس ضمن میں کمانڈوز نے مشقیں بھی شروع کر دی ہیں' اس پروپیگنڈہ کا مقصد پاکستان پر دباؤ بڑھانا تھا۔ نومبر 2001 میں برطانوی ٹی وی سی

بی ایس نے براعظم ایشیا کی خبروں کی ایک ویب سائٹ ''یوریانٹ'' کے حوالے سے یہ انکشاف کیا کہ امریکہ نے طالبان کی حمایت کرنے پر پاکستان سے ایٹمی سائنسدان مانگ لئے ہیں' ان میں ڈاکٹر سلطان بشیرالدین محمود' عبدالمجید مرزا' یوسف بیگ' سلیمان اسد اور محمد علی اور وصی اکبر شامل ہیں' دسمبر 2001 میں بھارتی اخبار ٹریبون نے ہوائی اڑائی کہ پاکستان نے دو اہم ایٹمی سائنسدانوں سلیمان اسد اور محمد علی کو میانمار (برما) میں پناہ لینے کے لئے بھیج دیا ہے اور اس کے لئے صدر پرویز مشرف نے میانمار کے فوجی حکمرانوں سے ذاتی اپیل کی ہے لیکن حکومت پاکستان نے اس بے بنیاد پروپیگنڈہ کا موثر اور ترکی بہ ترکی جواب دینے کی بجائے جو دفاعی اور معذرت خواہانہ حکمت عملی اپنائی اس نے دشمن کے حوصلے بڑھا دیئے اور جنوری 2002 میں اندرون و بیرون ملک ڈاکٹر خان کے خلاف نفسیاتی جنگ عروج پر پہنچ گئی۔ اس کے پیچھے امریکی ڈالر کام کر رہے تھے۔ یہ دراصل امریکہ کی مرحلہ وار پالیسی کا حصہ تھا۔ انہی دنوں حکومت کی طرف سے ڈاکٹر خان کو تقریبات میں جانے سے گریز کرنے اور محتاط رہنے کی ہدایت کی گئی۔

5 جنوری 2002 کو امریکی اخبار لاس اینجلز ٹائمز نے یہ انکشاف کر دیا کہ امریکہ ڈاکٹر قدیر خان میں دلچسپی لے رہا ہے۔ کیونکہ انہوں نے شمالی کوریا' ایران اور عراق (بدی کے محور) کی ایٹمی پروگراموں میں مدد کی ہے۔ اخبار نے لکھا ڈاکٹر خان کو پاکستان کے عوام دلوں اور آنکھوں میں سجائے پھرتے ہیں مگر صدر بش انھیں محض ایک سائنسدان ہی سمجھتے ہیں۔ اخباری رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ امریکی انتظامیہ کے پاس ڈاکٹر خان کے بارے میں تفصیلات موجود ہیں۔ انہوں نے کم از کم تیرہ مرتبہ شمالی کوریا کا دورہ کیا۔

امریکی عزائم اور منصوبوں کی جھلک اس صورت میں دکھائی گئی کہ بیس اکیس ماہ قبل یورینیم انرچمنٹ کے پہلے ڈائریکٹر سلطان بشیرالدین محمود اور ایٹمی توانائی کمیشن کے چوہدری عبدالمجید کو گرفتار کرلیا گیا۔ دونوں سائنسدانوں کو حکومت نے ستارہ امتیاز عطا کیا تھا۔ ان پر الزام تھا کہ انہوں نے افغانستان میں طالبان کے لئے تعمیراتی خدمات انجام دینے کے علاوہ ایٹمی مواد بھی فراہم کیا۔ حکومت پاکستان نے وزارت خارجہ کے ترجمان عزیز احمد خاں اور ڈی جی آئی ایس پی آر میجر جنرل راشد قریشی سے صرف اتنا کہلانے پر اکتفا کیا کہ ''سلطان بشیرالدین اور ان کے ساتھیوں نے قواعد کی خلاف ورزی کی ہے اسکی تحقیقاتی رپورٹ امریکہ بھجوادی گئی ہے اور یہ کہ ڈاکٹر خان اپنی زندگی میں کبھی ایران نہیں گئے وہ ذمہ دار اور انتہائی سمجھدار انسان ہیں وہ کسی کے ساتھ ایٹمی موضوع پر بات بھی نہیں کرتے۔''

دشمن قدم قدم آگے بڑھتا رہا اور ہم ان رومن شہریوں کی طرح ہو چکے تھے جن کے شہنشاہ اپنی رعایا کو ایک بڑے میدان میں جمع کر کے چند بے بس انسانوں کو میدان کے درمیان کھڑا کرتے اور ان پر





بھوکے شیر چھوڑ دیتے تھے اور جب وہ درندے ان نہتے بے بس انسانوں کو اپنے پنجوں اور دانتوں سے ادھیڑ کر چباڈالتے تو احساس زیاں سے عاری تماشائی ان کی بے بسی اور بیچارگی پر خوب ناچتے کودتے اور بھوکے شیروں کے جبڑوں میں دم توڑتی ہوئی آنکھوں کے پیغام کو سمجھنے اور پڑھنے سے جان بوجھ کر انکار کر دیتے وہ اتنی سی بات بھی سمجھنے کی عقل نہیں رکھتے تھے کہ آج وہ جس بادشاہ کے ساتھ ملکر قہقہے لگا اور تالیاں بجا رہے ہیں کل کو اسی بادشاہ یا اس کے کسی خلف کے اشارے پر انہیں بھی اسی طرح بھوکے شیروں کے آگے ڈال دیا جائے گا اور اُنکی مصاحبت یا درباداری کسی کام نہیں آئے گی۔ فرانسیسی مفکر روسو (Rousseau) نے کہا تھا کہ غلاموں کی نفسیات میں ایک ایسا مرحلہ بھی آتا ہے کہ ان کے دل میں زنجیروں سے آزاد ہونے کی خواہش بھی مرجاتی ہے۔ بہر حال جب دور دیس والوں نے بھانپ لیا کہ

غیرت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے

اور شکار جال میں پھنس چکا ہے تو طاقت کی خدائی نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور سلطان بشیرالدین محمود کی گرفتاری سے شروع ہونے والے عمل نے ایک اور منظر دکھایا اور پھر ناموس وطن کے رکھوالوں نے ان ہی لوگوں کے خلاف ایک ایسی مہم اور ایک ایسا محاذ کھول دیا گیا جنھوں نے پاکستان کی سرحدوں کو تحفظ فراہم کیا تھا یہ مہم کیا تھی؟ یہ محاذ کونسا تھا؟ قوم کے معماروں کی عزت نفس کو کچلنے اور کردارکشی کی مہم پاکستان کے مایہ ناز ایٹمی سائنسدانوں کی تذلیل اور رسوائی کا محاذ' قوم کو باور کرانے کا محاذ کہ جنھیں اعلیٰ ترین ملکی اعزازات ملے ہیں وہ دراصل نہایت ہی بُرے لوگ ہیں اور ذاتی مفادات کے لئے ناقابل معافی جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں انہیں سر پر بٹھانے کی بجائے مجرموں کی طرح گھروں سے اٹھانا مناسب ہے۔

پھر جیسا کہ زبان زد عام ہے۔ نومبر 2003 میں ڈاکٹر فاروق کی گرفتاری سے صرف دو روز قبل اسلام آباد میں ہنگامی طور پر بلائی گئی ایک پریس بریفنگ اور ظہرانے میں وزیر خارجہ خورشید محمود علی قصوری نے ڈاکٹر خان کے حوالے سے طویل بات چیت کی اور کہا کہ ہمارے پاس یہ ثبوت موجود ہیں کہ انہوں نے ایران اور لیبیا کو پاکستان کی جوہری توانائی کے حوالے سے اہم راز فراہم کیے ہیں اور ان ملکوں کی تکنیکی امداد کی ہے' اس کے علاوہ وزیر خارجہ نے ان پر مالی بے ضابطگیوں کے الزامات بھی لگائے لیکن اس سب کو آف دی ریکارڈ قرار دیتے ہوئے کہا کہ انہیں آپ ''اپنی سٹوری'' کے طور پر شائع کر دیں، ایک رپورٹر نے واضح طور پر کہا ''ہم ایسا کیوں کریں' ڈاکٹر صاحب کو کیا جواب دیں گے۔ اگر حکومت ان کے خلاف کچھ چھپوانا چاہتی ہے تو آپ اپنی سند سے یہ الفاظ شائع کروائیں----'' میں بھی اس ظہرانے اور بریفنگ میں مدعو تھا لیکن میں نے بوجوہ اب اس طرح کے کھانوں میں آنا جانا بند کر دیا ہے لیکن جب کسی صحافی نے بعد میں مجھے اس بریفنگ کی تفصیل بتائی تو میں سکتے میں آ گیا میں نے احتیاطاً ایک اور

ایسے صاحب کو فون کر کے اس واقعہ کی تصدیق چاہی تو انہوں نے جو تفصیلات بتائیں اس سے میں مزید پریشان ہو گیا۔ اسی شام میں نے وزارت خارجہ کے ایک اعلیٰ افسر سے ملاقات کی اور محسن پاکستان کی وزیر خارجہ کی طرف سے کردار کشی کا پس منظر جاننے کی کوشش کی۔ پھر چند روز بعد جب کہوٹہ سے متعلق بعض ایٹمی سائنسدانوں کو اچانک گھروں سے اٹھانے کی خبر عام ہوئی تو اسلام آباد کے باخبر حلقوں نے وزیر خارجہ کی اس پریس بریفنگ کے تناظر میں یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ ان افراد کی گرفتاری کا واحد مقصد ڈاکٹر قدیر خان پر ہاتھ ڈالنا ہے اور ڈاکٹر خان کے خلاف سازش کامیاب ہوتی نظر آ رہی ہے۔

عوام حیران تھے یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ وہی ہیرو ہیں جن کا حکومتی سطح پر بھی اعتراف کیا جا چکا ہے ہمارے اور ہمارے بچوں کے دلوں میں اور ہمارے گھروں کی دیواروں پر ان کی تصویریں لگی ہیں ڈاکٹر سلطان بشیر الدین محمود کی والدہ نے بہت پہلے بیٹے کو حراست میں لئے جانے پر عدالت میں دہائی دیتے ہوئے کہہ دیا تھا ''اب کوئی ماں اپنے بیٹے کو سائنسدان بننے کی اجازت نہیں دے گی'' 2003 کے آخری دن اسلام آباد کے سرینا ہوٹل میں پاکستان اکیڈمی آف سائنسز کا ملک گیر اجلاس تھا جس میں پاکستان بھر کے تمام ممتاز اور سرکردہ سائنسدان مدعو تھے۔ اکیڈمی کے صدر اور انقلابی سوچ رکھنے والے سائنسدان ڈاکٹر عطاء الرحمان صدارت کر رہے تھے محسن پاکستان ہال میں داخل ہوئے تو پورے ہال کا ماحول جذباتی ہو گیا۔ ڈاکٹر عطاء الرحمان نے بلند آواز میں کہا ''معزز سامعین: تشریف لاتے ہیں پاکستان کے مایہ ناز سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان جو کروڑوں اربوں میں ممتاز ہیں۔ انکے انگریزی میں الفاظ تھے "He is one out of billions'' تمام سائنسدان کھڑے ہو گئے اور دیر تک تالیاں بجاتے رہے جو دراصل محسن پاکستان کی کردار کشی کے حوالے سے انکے ساتھ اظہار یکجہتی تھا۔ اجلاس میں 60 بڑے سائنسدانوں نے محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اور ان کے ساتھیوں کو بیرونی ایماء پر رسوا کرنے کی مہم کی مذمت کرتے ہوئے شدید غم و غصے اور اضطراب کا اظہار کیا اور کہا کہ

> ''پاکستان کے سب سے بڑے محسن کو غیر ملکی دباؤ پر سازش کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ آج اگر ہم اپنے ایٹمی قوت ہونے پر ناز کرتے ہیں اور دشمن کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہیں تو یہ صرف ڈاکٹر خان کی محنت شاقہ اور قربانیوں کا ثمر ہے۔ اگر ڈاکٹر خان نہ ہوتے تو ہماری حالت نیپال یا بھوٹان جیسی ہوتی۔''

سائنسدانوں نے اکیڈمی کے صدر ڈاکٹر عطاء الرحمان خاں پر زور دیا کہ ان کے جذبات صدر اور وزیراعظم تک پہنچائیں۔ کیونکہ محسنوں کے ساتھ مجرموں کا سا سلوک ملک میں سائنسی سرگرمیوں کو جمود میں مبتلا کر دے گا اور کوئی سائنسدان یا انجینئر وطن واپس آ کر خدمات انجام دینے کا خیال بھی دل میں





نہیں لائے گا۔ لیکن حالات کا جبر دیکھئے کہ دوسرے دن بعض اخبارات میں ڈاکٹر عطاالرحمٰن کے حوالے سے ایک مختصری خبر شائع ہوئی یا کروائی گئی کہ کل کی تقریب میں اس طرح کی کوئی بات نہیں ہوئی۔

## چھتر پریڈ

گرفتار ایٹمی سائنسدانوں سے جوہری توانائی ایران اور لیبیا منتقل کرنے کے بارے میں تفتیش کی جاتی رہی جسے حکومت نے ڈی بریفنگ کا نام دیا۔ بی بی سی نے اسے ''چھتر پریڈ'' کا نام دیا' بی بی سی نے اپنے 25 جنوری کے نشریہ میں اس ڈی بریفنگ پر کچھ یوں تبصرہ کیا:

> ''کچھ انگریزی اصلاحات کی حالات حاضرہ کے تناظر میں معنویت کھل کر سامنے آئی ہے مثلاً یہ معلوم ہوا کہ ڈی بریفنگ کا مطلب ہے چھتر پریڈ۔ کل تک جو ایٹمی سائنسدان آنکھوں پر بٹھائے جا رہے تھے جنہیں پلکوں پر اٹھایا جا رہا تھا آج انھیں تیز روشنی کے سامنے رکھی ہوئی چیئرز پر بٹھایا جا رہا ہے۔ کہا تو یہ جا رہا تھا کہ کہوٹہ کے اوپر سے چڑیا کا بچہ بھی نگاہ میں آئے بغیر نہیں گزر سکتا اور اب یہ اعتراف کیا جا رہا ہے کہ رازوں کے پلندے یہاں سے نکل کر کہیں اور جا پہنچے۔''

حکومتی ترجمان اپنے بیانات میں قومی محسنوں کا ایسے مذاق اڑا رہے تھے جیسے اجوکا تھیٹر کے مسائل پر بات کر رہے ہوں' ایٹمی سائنسدان قوم کے لئے قابل احترام ہیں وہ بشر ہیں ہو سکتا ہے ان سے کوئی غلطی سرزد ہوئی لیکن ان کے لئے ایسی زبان استعمال نہیں کی جانی چاہیے تھی جیسی کی جاتی رہی بھلا یہ کوئی شائستہ بیان ہے کہ ''جس نے گاجریں کھائی ہیں اس کے پیٹ میں درد تو ہو گا؟'' اور یہ کہ ''نام نہاد ہیروز نے پاکستان کی خدمت نہیں کی' ان کے چہرے بے نقاب کریں گے۔''

## ڈی بریفنگ ہوتی کیا ہے؟

ڈی بریفنگ دراصل ایک فوجی اور سفارتی اصطلاح ہے۔ ''ڈی بریفنگ'' کے معنی کسی مشن بالخصوص فوجی مشن کے دوران حاصل کردہ معلومات یا انٹیلی جنس کے بارے میں جاننے کے لئے سوالات کرنا یا کسی (مثلاً سرکاری ایجنٹ) کو اس امر کی ہدایت کرنا کہ وہ ملازمت کے دوران معلوم ہونے والی خفیہ معلومات کا اظہار وانکشاف نہیں کرے گا گویا وہ سب کچھ بھول جائے یا یوں کہہ لیجئے کہ کسی کے ذہن سے ان معلومات کو تحلیل کر دینا ہے جو حکام کے نزدیک اس ذہن پر نہیں رہنی چاہیں۔ ایک ویب سائٹ ڈکشنری کے مطابق ''ڈی بریفنگ'' کسی فوجی یا سفارت کار یا خلاباز کا اپنے مشن یا منصوبے کی تکمیل کے بعد اپنے متعلقہ حکام کو مشن یا منصوبے پر عمل کے حوالے سے رپورٹ پیش کرنے کو کہتے ہیں ایک سابق فوجی افسر نے بتایا کہ فوجی حکام کے لئے یہ لفظ نیا نہیں' کیونکہ کسی بھی فوجی افسر کو جب کوئی ٹاسک دیا

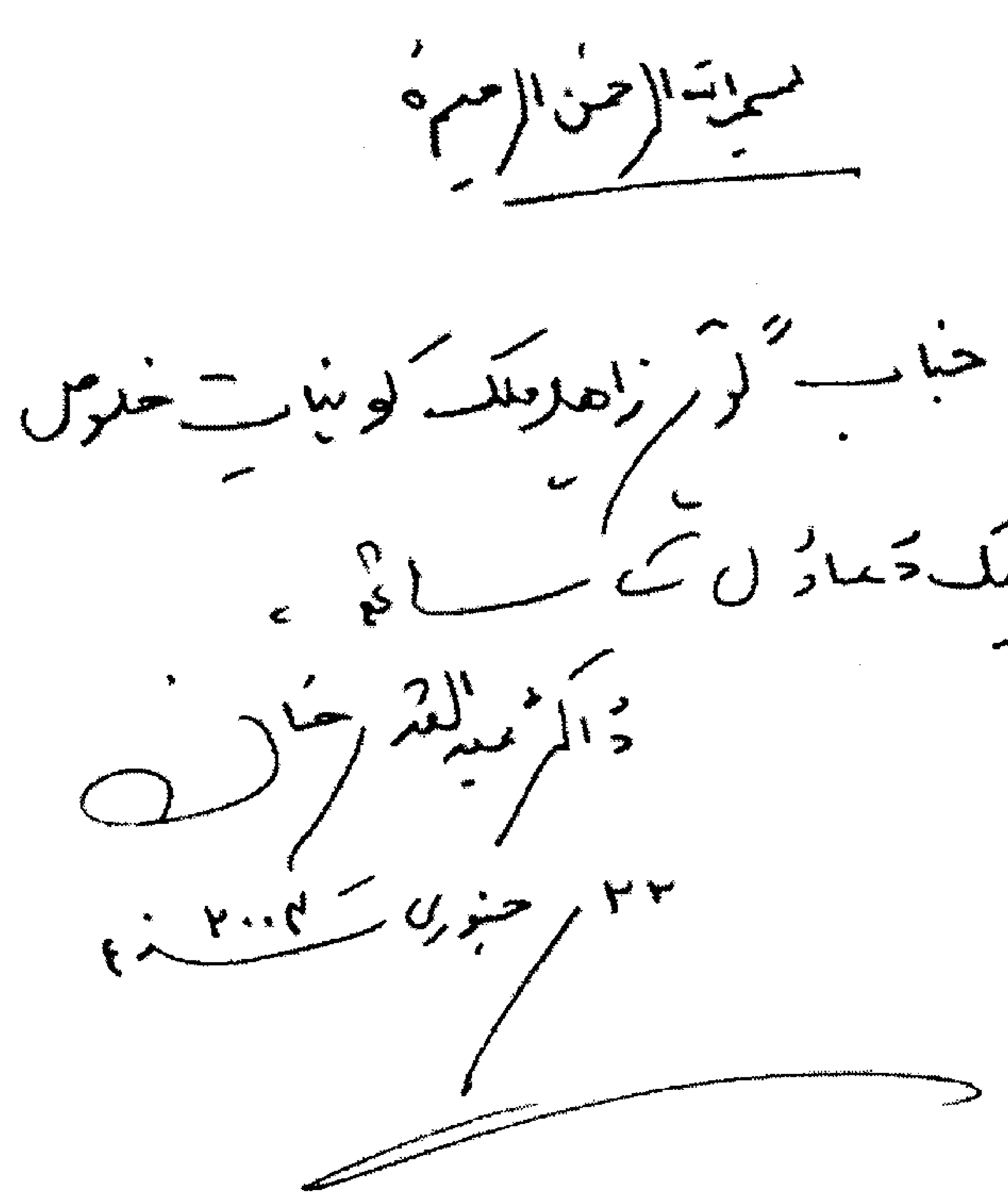
جاتا ہے تو اس کے اعلیٰ حکام اسے نقشوں اور چارٹوں کی مدد سے ٹاسک کے بارے میں بریفنگ دیتے ہیں، اور جب متعلقہ افسر اپنے ٹاسک سے واپس آتا ہے تو وہ کامیابی و ناکامی کے حوالے سے ایک تفصیلی رپورٹ پیش کرتا یعنی ٹاسک میں جو کچھ وہ دیکھ کر اور کام کر کے آتا ہے اس کے بارے میں اپنے حکام کو ڈی بریف کرتا ہے کسی خاص منصوبے یا معاملے کی یادوں کو تازہ کرنا بھی ''ڈی بریفنگ'' کہلاتا ہے۔ نیل آرم سٹرانگ پہلا انسان تھا جس نے چاند پر قدم رکھا۔ زمین پر واپسی کے بعد وہ کئی ماہ تک ناسا Nasa کو اپنے مشن کی فنی معاملات کے بارے میں ڈی بریف کرتا رہا۔

کسی تحقیق کے شرکاء کو تحقیق کے مقاصد سے آگاہ کرنے کے بعد تحقیق کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے اور شرکاء کی طرف سے دی گئی معلومات لینے کے لئے مزید مواقع مہیا کرنے کے عمل کو بھی ڈی بریفنگ کہا جاتا ہے اسی طرح کسی گروہ یا طبقہ کو کسی ریسرچ کے نتائج سے آگاہ کرنے یا کسی تربیت کے دوران، تربیت کے نتائج کے تجزیہ اور اس پر تبادلہ خیالات کو بھی ڈی بریف کرنا کہا جاتا ہے۔ تربیتی طریق کار میں بریفنگ اور ڈی بریفنگ اس کا ناگزیر اور نازک حصہ ہیں۔ اسی طرح نفسیاتی تناظر میں بھی ڈی بریفنگ کی جاتی ہے ڈی بریفنگ ماضی کے تجربات کو بیان کرنے اور نئی تبدیلی کے مطابق خود کو ڈھالنے کا ایک طریق کار بھی ہے جس میں عمدہ اور معیاری ڈی بریفنگ نفسیاتی تجدید کا سبب بنتی ہے۔ اس طرح زیر عمل منصوبوں کے لئے موزوں تنظیمی ڈی بریفنگ نہایت اہمیت کی حامل ہوتی ہے مختصر یہ کہ ڈی بریفنگ کسی بھی معاملہ میں معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے نہ کہ معلومات دینے کا۔ ایٹمی سائنسدانوں کو حراست میں لئے جانے کے بعد حکام کی طرف سے مسلسل یہ کہا جاتا رہا کہ ان سے ''ڈی بریفنگ'' ہو رہی ہے، البتہ جنوری کے آخری ہفتے ایک روز وزیر اطلاعات شیخ رشید احمد نے ایک سوال کے جواب میں جب یہ کہا کہ ''میں نہیں جانتا کہ ڈی بریفنگ کیا ہوتی ہے میری سمجھ میں ڈی بریفنگ کا لفظ نہیں آتا اسلئے میں نے تفتیش کا لفظ استعمال کیا ہے۔ وزارت خارجہ کے ترجمان مسعود خان نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ ڈی بریفنگ کا مطلب ہے معلومات کا حصول، جتنے بھی حساس ادارے ہوتے ہیں یا لیبارٹریز وغیرہ ہوتی ہیں، ان میں ڈی بریفنگ کا مفہوم بہت واضح ہوتا ہے اور یہ ایک معمول کا عمل ہوتا ہے۔ جس کا مقصد معلومات کا حصول ہوتا ہے اس کے بعد دوسرا مرحلہ آتا ہے جس میں باقاعدہ تحقیقات ہوتی ہیں اور تفتیش ہوتی ہے۔ ایٹمی سائنسدانوں کے ساتھ ''ڈی بریفنگ'' بھی ہو رہی ہے اور معلومات کا حصول بھی ہو رہا ہے۔

گویا ایٹمی سائنسدانوں سے ڈی بریفنگ کا مقصد ان سے اپنے فرائض کی ادائیگی کے دوران میں کئے گئے کاموں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا تھا لیکن جس طرح ایٹمی سائنسدانوں کو تو








محسن پاکستان کی نظر بندی سے چند دن قبل ان سے وزیر اعظم سیکرٹریٹ میں ملاقات کے دوران میرا بیٹا گوہر میرے ساتھ تھا۔ محسن پاکستان نے گوہر صاحب کو ایک کتاب دی اور کہا کہ مغرب کے ذہن کو سمجھنے کے لئے یہ کتاب پڑھیں۔ کتاب پر محسن پاکستان کی تحریر اوران کے دستخط کا عکس

ہین آمیز انداز میں گھروں سے اٹھایا گیا' وہ ڈی بریفنگ کے عام مفہوم اور معنی کے مطابق ڈی بریفنگ کا عمل نہیں تھا بلکہ اس کے آگے کا کوئی عمل تھا۔ پھر ان سائنسدانوں اور دیگر اہل کاروں کو جس انداز میں بند کمروں میں رکھا گیا وہ بھی ڈی بریفنگ کے زمرے میں نہیں آتا۔ کیونکہ جن سے معلومات لینا ہوتی ہیں ان کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا جاتا البتہ جن پر کوئی سنگین نوعیت کا الزام ہو اور وہ طلب کئے جانے پر بھی تفتیش کرنے والی اتھارٹی کے سامنے پیش نہ ہوں' ان کے ساتھ ایسا سلوک ہونے کے امکانات ہوتے ہیں' لیکن یہاں تو معاملہ ہلال امتیاز اور ستارہ امتیاز کا تھا' جو قومی عزو وقار کی علامت اور مان ہیں۔

## محسن پاکستان کی ڈی بریفنگ

یکم جنوری 2004 سے شروع ہونے والا نیا سال پاکستانی قوم کے لئے سیاہ نصیبی' کرب واذیت دکھ اور تلملاہٹ کا آغاز کر گیا تھا جس نے پوری قوم کو اخلاقی ہزیمت کی ایسی کھائی میں دھکیل دیا کہ شاید مستقبل میں کوئی اس قوم پر احسان کرنا پسند نہیں کرے گا۔

قارئین کرام: دراصل ستمبر 2003 سے محسن پاکستان کے گرد گھیرا مزید تنگ کیا جا رہا تھا یعنی اعلانیہ ڈی بریفنگ کا سلسلہ تو وسط جنوری 2004 میں ہوا اور اب جیسا کہ اخبارات میں خبریں شائع ہوئیں وسط جنوری 2004 میں محسن پاکستان سے دباؤ کے عالم میں پوچھ گچھ کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا لیکن اس سے تقریباً چھ سات ماہ قبل ان کے ہر ہر لمحہ کو نگاہوں میں رکھا جانے لگا۔

اکتوبر 2003 میں ملائیشیا کے نئے شہر پتراجایہ میں اسلامی سربراہی کانفرنس کا انعقاد ہوا جس میں پاکستان کی نمائندگی صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف نے کی اور اس سے چند دن قبل یعنی ستمبر کے آخر میں کوالالمپور میں اسلامی اکیڈیمی آف سائنسز کا اجلاس تھا۔ عالم اسلام کے سائنسدانوں کے اس اہم اجتماع میں محسن پاکستان کے علاوہ ڈاکٹر عطاء الرحمٰن اور بعض دیگر سینئر سائنسدان جن میں کامسیٹک (Comstec) کے ڈاکٹر انور نسیم اور ڈاکٹر اقبال چوہدری بھی شامل تھے پاکستان کی اکیڈیمی آف سائنسز کی طرف سے شرکت کر رہے تھے۔ اجلاس کے اختتام پر ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے ایک اور اہم اجلاس میں شرکت کے لئے چین تشریف لے جانا تھا۔ چینی سائنسدان اور انجینئر محسن پاکستان کی پوجا کی حد تک عزت کرتے ہیں وہ محسن پاکستان کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ اسلام آباد سے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے پرنسپل سٹاف افسر میجر اسلام الحق نے رات کے پچھلے پہر کوالالمپور فون کیا:

''ڈاکٹر صاحب معذرت چاہتا ہوں۔ آپ کو رات گئے ڈسٹرب کر رہا ہوں۔ وہ کہتے ہیں آپ چین نہ جائیں اور اسلام آباد واپس آ جائیں۔''





اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان دو اکتوبر کو اسلام آباد واپس آ گئے اور اس دن سے لیکر آج تک وہ اسلام آباد سے باہر نہیں جا سکے۔ حتیٰ کہ کراچی میں جہاں ان کی والدہ محترمہ دفن ہیں اور جہاں انکے بھائی بہن رہتے ہیں وہ وہاں بھی نہیں جا سکے بلکہ انھیں وہاں بھی نہیں جانے دیا گیا۔ کہا گیا کہ آپ کی زندگی خطرے میں ہے دشمن آپ کو اغوا کر سکتا ہے آپ کو قتل کروا سکتا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو نقصان پہنچے لہذا آپ اسلام آباد سے باہر نہ جائیں اور اسلام آباد میں بھی اپنی نقل وحرکت کو محدود رکھیں۔!!

جہاں تک محسن پاکستان کی غیر اعلانیہ ڈی بریفنگ کا تعلق ہے یہ سلسلہ 2003 کے آخر میں شروع ہو گیا تھا اور 2 اکتوبر 2003 کو ملائیشیا سے واپسی کے بعد ملاقاتوں اور پوچھ گچھ میں تیزی آ گئی تھی۔ لیکن جن ملاقاتوں کو رسمی طور پر ڈی بریفنگ کہا جانے لگا ان کا آغاز جنوری 2004 کے اوائل میں ہوا تھا۔ اس سے قبل بھی فون پر اور کبھی دوران ملاقات ان سے کچھ اس طرح کی باتیں کی جاتیں:

''امریکہ کہتا ہے پاکستان سے ایٹمی پھیلاؤ ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اپنا خیال رکھیں۔''

لیکن حقیقت میں انجینئر ڈاکٹر فاروق کی ڈرامائی اور غیر متوقع گرفتاری سے محسن پاکستان کو ایک واضح پیغام دے دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب یہ بات سمجھ چکے تھے کہ ڈاکٹر فاروق کو کیوں پکڑا گیا ہے ان سے کیا پوچھا جا رہا ہو گا اور شدید دباؤ کے عالم میں ڈاکٹر فاروق نے کیا کیا نہ کہہ دیا ہو گا۔ لیکن پھر بھی ابتدا میں انھیں یہ خدشہ نہیں تھا کہ بالآخر ہاتھ ان کے گریبان تک پہنچ جائے گا اور انھیں بھی یوں گھسیٹا جائے گا اور رسوا کیا جائے گا۔ ایک دن فرمانے لگے۔

''میں فاروق کے لئے کسی چوٹی کے وکیل سے بات کروں گا اور اگر میرے کسی اور رفیق کار کو پکڑا گیا تو میں زبردست احتجاج کروں گا۔''

چونکہ ہوا کا رخ واضح تھا اور یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ بات بالآخر کہاں جا کر ختم ہو گی تو ایک دن میں نے تسلی دینے اور قدرے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

''ڈاکٹر صاحب! ہمیں ایک بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ کوئی بھی فرد خواہ وہ کتنی بڑی شخصیت اور حیثیت کا مالک ہو' ریاست بہر حال اس فرد سے بڑی ہوتی ہے اور ریاست کا مفاد بہر حال سپریم ہوتا ہے۔''

میں نے دراصل اشارۃً یہ کہا کہ ایک وقت ایسا آ سکتا ہے کہ حکومت بے بس ہو جائے یا یہ کہ حکومت دنیا کو دکھانے کے لئے کہ وہ ایٹمی عدم پھیلاؤ کے حوالے سے بہت سنجیدہ ہے اور وہ آپ پر اعلانیہ ہاتھ ڈالنے پر مجبور ہو جائے----- لیکن ڈاکٹر صاحب کو یقین تھا کہ ایسا نہیں ہو گا۔

جنوری کے پہلے ہفتے محسن پاکستان کا فون آیا---میں ان کی رہائش گاہ گیا تو وہ پورچ میں کھڑے تھے ان کے چہرے پر گھبراہٹ اور پریشانی کے آثار واضح تھے وہ میرے قریب آئے اور آہستگی سے کہنے لگے

''انہوں نے آج پھر بلوایا ہے۔ چھ بجے شام ان کے ایف-7 والے ''مہمان خانے'' میں ملاقات ہے۔ مجھے شک ہے اور ہو سکتا ہے وہ پوچھ گچھ کے بعد کہیں کہ اب کافی دیر ہو گئی ہے رات کو یہاں ہی سو جائیں----''

یہ میرے لئے پریشان کن صورت حال تھی' ایک ایسی شخصیت جسکی دفاع وطن کے حوالے سے گراں قدر خدمات کی بنا پر میں انہیں مفکر پاکستان علامہ محمد اقبالؒ اور بانی پاکستان محمد علی جناحؒ کے بعد تیسری بڑی شخصیت قرار دیتا چلا آیا ہوں۔ جس کے متعلق مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ وہ چوبیس گھنٹے باوضو رہتی ہے اس قدر بے بس ہوتی جا رہی ہے ۔ میں سوچنے لگا جنہوں نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے بانی مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کو کہا تھا کہ ہم تمہیں عبرت کی مثال بنا دیں گے۔ اب ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے گرد گھیرا کس قدر تنگ کرتے جا رہے ہیں۔!!

میں محسن پاکستان کی ڈی بریفنگ کے حوالے سے کچھ مزید لکھنے سے پہلے اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ان دو اعلیٰ فوجی افسران کا مختصر طور پر ذکر کروں جن کے سامنے محسن پاکستان ڈی بریفنگ کے لئے پیش ہوتے رہے۔ یہ افسران اعلیٰ تھے

(1) جناب لیفٹیننٹ جنرل احسان الحق ۔ ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی

(2) جناب لیفٹیننٹ جنرل خالد احمد قدوائی۔ ڈائریکٹر جنرل سٹریٹجک پلاننگ ڈویژن

جنرل احسان الحق نے شبانہ روز محنت سے آئی ایس آئی کو جن جدید خطوط پر از سر نو منظم کیا ہے اس کا ذکر باب ''اصل ٹارگٹ افواج پاکستان اور آئی ایس آئی'' میں کیا جا رہا ہے جبکہ جنرل خالد احمد قدوائی کے متعلق اتنا کہنا کافی ہے کہ وہ اس وقت سے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے معاملات سے وابستہ چلے آ رہے ہیں جب وہ بریگیڈیر ہوا کرتے تھے اور آج الحمدللہ ایٹمی معاملات پر ان کی مکمل اور مضبوط گرفت ہے۔ فوج کے یہ دونوں اعلیٰ افسران انتہائی شریف النفس شخصیات ہیں اور دونوں ہی افواج پاکستان میں اپنی پیشہ ورانہ مہارت اور وطن عزیز کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہونے کی بنا پر احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

مجھے محسن پاکستان نے ایک سے زیادہ مرتبہ بتایا کہ انکی ڈی بریفنگ کرنے والی اس انتہائی تجربہ کار اور صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف کی انتہائی با اعتماد ٹیم کا رویہ انکے ساتھ مہذب' شائستہ اور



ہمدردانہ ہوتا۔ دوران گفتگو فوج کا ایک کیپٹن اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر ڈاکٹر صاحب کو پیش کرتا۔ ڈاکٹر صاحب کے غیر معمولی بڑے مرتبے اور مقام کا پورا پورا خیال رکھا جاتا اور اگر ڈی بریفنگ کے دوران کبھی کھچاؤ پیدا بھی ہوتا تو وہ بھی شرافت کے دائرے کے اندر اور اگر کبھی کوئی دھمکی آمیز گفتگو ہوئی بھی تو وہ بھی معذرت خواہانہ انداز میں۔ اس طرح ڈی بریفنگ کا سلسلہ چلتا رہا اور بالآخر ڈاکٹر عبدالقدیر خان آمادہ ہو گئے کہ وہ اپنا ایک تحریری بیان دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے گیارہ صفحات پر مشتمل وہ تاریخی اور سنسنی خیز بیان لکھ کر حکام کے حوالے کر دیا جسکا کہ بعض اخبارات میں اشارۃً ذکر ہوا ہے لیکن اس کے مندرجات کا کسی کو علم نہیں۔ مجھے ذاتی طور پر یہ خط جس کی نوک پلک پاکستان کے سینئر قانون دان جناب ایم ایم ظفر نے سنواری تھی دیکھنے کا موقعہ ملا تھا لیکن ظاہر ہے اس بیان کے مندرجات ریاست کی امانت ہیں اور ان کا کتابوں یا اخباروں میں ذکر نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ عامیانہ سی بات ہے۔

بعض پاکستانی دانشوروں اور میڈیا نے بھرپور انداز میں ایٹمی سائنسدانوں کے سلسلے میں شکوک وشبہات پیدا کرائے اور یوں فیصلے کا گراؤنڈ ورک مکمل ہو گیا اور انہیں یقین ہو گیا کہ انہوں نے کامیابی سے عوام کے ذہنوں میں کئی ایک سوالات پیدا کر دیئے ہیں سیاسی جماعتیں اپنے اپنے معاملات میں الجھی ہوئی تھیں کہ 28 جنوری کو برطانوی خبر رساں ادارے رائٹرز نے خفیہ اداروں کے حوالے سے کہا کہ ڈاکٹر خان کو اپنی رہائش گاہ پر نظر بند کر دیا گیا ہے' جنرل شوکت سلطان اسے ''سیکورٹی کے انتظامات سخت کرنے'' کا نام دے رہے تھے اور یکم فروری بروز اتوار جب قوم عیدالبقر کی تیاریوں میں مصروف تھی' یہ بجلی گرائی گئی کہ ڈاکٹر خان کو وزیراعظم کے مشیر کے عہدے سے ہٹا دیا گیا اس بات کی بھی تصدیق ہو گئی کہ ان کو گھر پر نظر بند کر دیا گیا ہے جبکہ حکومت کو اب بھی اصرار تھا کہ ان کی حفاظت کے لئے ان کے گھر کی سیکورٹی سخت کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

اخباری اطلاع کے مطابق 31 جنوری کی شب پونے سات بجے سادہ کپڑوں میں کچھ افراد ڈاکٹر خان کی رہائش گاہ واقع ای سیون پر آئے۔ ایک شخص نے اپنا تعارف ڈاکٹر صاحب سے میجر آصف کی حیثیت سے کروایا' اور انہیں بتایا کہ مجھے آپ کو ''حفاظتی تحویل'' میں لینے کا حکم دیا گیا ہے آپ سے اب کوئی ملاقات نہیں کر سکتا اس وقت ڈاکٹر صاحب کے پاس ان کے کچھ احباب موجود تھے جنہیں مذکورہ افسر نے ڈاکٹر صاحب کی رہائش سے جانے کو کہا اور وہ چلے گئے۔

## برطرفی کا اعلان

ڈاکٹر خان کی برطرفی اور انہیں تحویل میں لئے جانے کی خبر عام ہوتے ہی عوام میں غم و غصے

اور کرب کی شدید لہر دوڑ گئی۔حکومت کے اس اقدام کو'ملک دشمنی' قوم کے جذبات کا خون'محسن کشی'اور بیرونی ایجنسیوں کی کامیابی'' قرار دیا جانے لگا اسی دوران تفتیش کرنے والے اعلیٰ ترین ذرائع کے حوالے سے یہ خبریں بھی آئیں کہ ایٹمی پھیلاؤ کے حوالے سے ڈاکٹر خان پر جو الزامات لگائے جا رہے ہیں، ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے ان کا اعتراف کیا ہے اور''ڈی بریفنگ'' کے دوران میں ڈاکٹر خان نے یہ بتایا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو کے ملٹری سیکرٹری اور بے نظیر بھٹو کے سابق مشیر میجر جنرل (ریٹائرڈ) امتیاز (مرحوم) اور فوج کے دو سابق سربراہان جنرل جہانگیر کرامت اور جنرل مرزا اسلم بیگ کی اجازت بلکہ انکے حکم پر بعض ممالک کو انکے ایٹمی پروگرام کے حوالے سے ضروری مشورے دیئے تھے۔ جنرل جہانگیر کرامت کی طرف سے کوئی تبصرہ نہیں آیا لیکن جنرل بیگ نے تردید کر دی حالانکہ ان کے بارے میں یہ بات مشہور ہوئی تھی کہ دورہ ایران سے واپسی پر وہ یہ تجویز لے کر آئے تھے کہ اگر ایران کو ایٹمی ٹیکنالوجی منتقل کر دی جائے تو وہ 2 ارب ڈالر دینے پر آمادہ ہے۔ یہ بات انہی دنوں الزام کی صورت میں مسلم لیگ (ن) کے دو رہنماؤں اسحاق ڈار اور چودھری نثار علی نے بھی دہرائی۔ دلچسپ بات یہ ہوئی کہ اسٹریٹجک پلاننگ ڈویژن کے ذمہ دار ذرائع کے مطابق ڈاکٹر خان کے خلاف ڈی بریفنگ کا عمل 31 جنوری کو مکمل ہوا جب نیشنل کمانڈ اتھارٹی نے انہیں وزیراعظم کے مشیر کے عہدے سے پہلے ہی برطرف کر دیا۔ اس بارے میں کیبنٹ ڈویژن کی طرف سے جو بیان جاری ہوا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان اپنے منصب سے سبکدوش ہو گئے ہیں۔ کہا گیا کہ''بعض افراد کی جانب سے ایٹمی پھیلاؤ میں ملوث ہونے کے الزامات کی آزادانہ اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کے تناظر میں اور ان تحقیقات میں سہولت پیدا کرنے کے لیے وہ اپنے عہدے سے الگ ہوئے ہیں۔''

اعترافی بیان کا سن کر قوم سکتے میں آ گئی تھی کہ ڈاکٹر خان جیسا قومی ہیرو اتنے بڑے جرم کا مرتکب کیسے ہوا؟ لیکن دوسرے ہی روز ڈاکٹر صاحب نے جماعت اسلامی کے سربراہ محترم قاضی حسین احمد سے موبائل فون پر بات کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے کسی ایسے اعترافی بیان دینے کی سختی سے تردید کی اور کہا کہ

> ''مجھ پر پابندی ہے اور میں اپنا معاملہ رب ذوالجلال پر چھوڑتا ہوں مجھے اپنے رب ذوالجلال پر مکمل اعتماد اور یقین ہے۔ میری طبیعت ٹھیک ہے البتہ بیگم کی طبیعت ٹھیک نہیں وہ بلڈ پریشر کی مریضہ ہیں۔ گھر میں بندش کی ٹینشن سے ان کی طبیعت مزید خراب ہو گئی ہے۔''

یکم فروری کو نیشنل کمانڈ اتھارٹی نے بتایا کہ''ڈاکٹر خان نے پیسے کے لیے نہیں اسلام کی خاطر لیبیا اور ایران کو ٹیکنالوجی دینے کا اعتراف کر لیا ہے''---لوگ پریشان تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ پوری قوم





بے پناہ کرب و اضطراب سے دوچار تھی مگر وہ بے بس تھی کہ اس کے قائدین نے اسے بے بس کر رکھا تھا، اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر دشمن کے آگے ڈال دیا تھا وہ غم و غصہ میں اپنے ہی ہاتھ کاٹ رہی تھی اپنا ہی منہ نوچ رہی تھی' آہ! پھر وقت نے یہ منظر دکھایا کہ قوم کے محسن، قوم کے ہیرو کی سبکی کی انتہا کر دی گئی۔ اس کی عزت نفس کو بازار کی ارزاں ترین جنس بنا دیا گیا۔ 5 فروری 2004 کا قصہ ہے' محسن پاکستان کی صدر پرویز مشرف سے ملاقات کا اسلوب کروڑوں دلوں میں نیزے کی انی بن کر اتر گیا۔ انہیں سپارٹیکس کی طرح زندہ مصلوب کیا جا رہا تھا۔ صدر پرویز کمانڈوز کی وردی میں ملبوس بیٹھے تھے جب محسن پاکستان انکے سامنے پریشانی کے عالم میں ہراساں بیٹھے تھے۔

## معافی نامہ

پھر ڈاکٹر خان کو پاکستان ٹیلی ویژن سے معافی نامہ پڑھتے دکھایا گیا۔ یہ 4 فروری 2004ء کی بات ہے۔ وہ شدید ذہنی دباؤ میں لگتے تھے، وہ کہہ رہے تھے

> ''میرے عزیز بہن بھائیو! السلام علیکم۔ میں نے انتہائی دکھ، رنج اور معذرت کے ساتھ آپ کے سامنے آنے کا فیصلہ کیا ہے تا کہ اس دکھ اور کرب کا کفارہ ادا کر سکوں جس سے پاکستانی قوم گزشتہ دو ماہ کے افسوسناک واقعات کے باعث دوچار رہی ہے۔ میں پاکستان کے جوہری پروگرام کی قومی سلامتی کے لیے اہمیت سے بخوبی آگاہ ہوں اور یہ پروگرام آپ کے دلوں میں قومی افتخار کے جو جذبات اور تاثر پیدا کرتا ہے اس سے باخبر ہوں۔ مجھے اس بات کا بھی احساس ہے کہ قومی سلامتی سے متعلق کوئی بھی واقعہ، حادثہ یا خطرہ قوم میں سخت ترین تشویش پیدا کر دیتا ہے۔ اس پس منظر میں عالمی سطح پر رونما ہونے والے حالیہ واقعات اور ان کے پاکستان پر پڑنے والے اثرات کے باعث قوم صدمے کا شکار ہے۔ میں اس کے لیے سب سے زیادہ جواب دہ ہوں۔ حکومت پاکستان کی طرف سے حالیہ تحقیقات بعض تکلیف دہ انکشافات اور بعض ممالک کی طرف سے عالمی ادارے کو پیش کیے جانے والے شواہد کے بعد شروع ہوئی تھی جو مبینہ طور پر بعض پاکستانی اور غیر ملکیوں کی جانب سے گزشتہ دو دہائیوں کے دوران ایٹمی پھیلاؤ سے متعلق سرگرمیوں کے بارے میں تھے۔ تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ ان میں سے کئی سرگرمیاں ہوئی ہیں اور یہ میرے ایماء پر کی گئی ہیں۔ متعلقہ حکومتی اہلکاروں کی جانب سے میرے ساتھ کئے گئے انٹرویوز کے دوران پیش کیے جانے والے شواہد اور نتائج کو میں نے رضا کارانہ طور پر تسلیم کر لیا ہے کہ ان میں سے اکثر درست اور صحیح ہیں۔''
>
> میرے عزیز بھائیو اور بہنو! میں نے آپ کے سامنے آ کر صدمہ زدہ قوم سے انتہائی معذرت

اور غیر مشروط معافی مانگنے کا فیصلہ کیا ہے۔ قومی سلامتی کے متعلق میری خدمات پر آپ نے مجھے جو بے انتہا عزت و احترام اور محبت دی ہے مجھے اس کا اندازہ ہے اور میں ان تمام اعزازات اور احترام پر آپ کا شکرگزار ہوں جس سے آپ نے مجھے نوازا۔ تاہم میرے لیے یہ احساس انتہائی تکلیف دہ ہے کہ ماضی کی ان سرگرمیوں سے میری ان خدمات کو سخت نقصان پہنچ سکتا تھا جو میں نے قومی سلامتی کو ناقابل تسخیر بنانے کے لیے عمر بھر انجام دی ہیں لیکن غیر قانونی طور پر ایٹمی پھیلاؤ کی میری یہ سرگرمیاں نیک نیتی پر مبنی تھیں مگر میرا فیصلہ غلط تھا۔ میں یہ بات ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں کہ میرے جن ماتحتوں نے ان سرگرمیوں میں اپنے کردار کا اعتراف کیا ہے وہ میری ہدایت پر میری طرح نیک نیتی کی بنیاد پر یہ سب کچھ کر رہے تھے۔ میں یہ بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں کبھی بھی حکومت کی طرف سے اس قسم کی سرگرمیوں کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ میں ان اقدامات کی پوری ذمہ داری قبول کرتا ہوں اور آپ سے معافی چاہتا ہوں۔

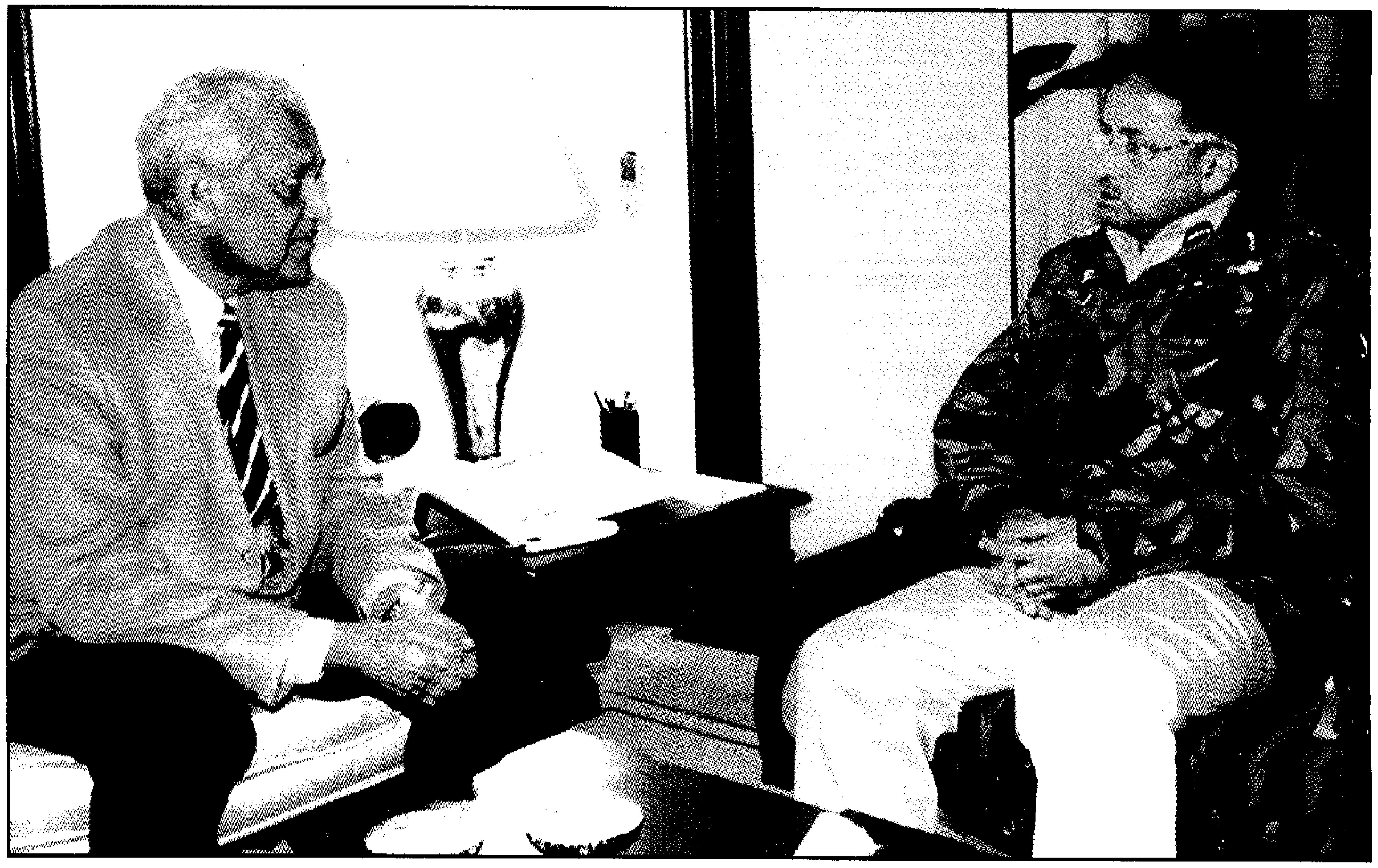
میرے بھائیو اور بہنو! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مستقبل میں اس قسم کی سرگرمیاں کبھی نہیں ہوں گی۔ میں پاکستان کے تمام شہریوں سے بھی اپیل کرتا ہوں کہ اعلیٰ قومی مفاد کی خاطر مزید افواہوں سے دور رہیں اور قومی اہمیت کے اس انتہائی نازک مسئلے کو سیاسی نہ بنائیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ پاکستان کو ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔“

”پاکستان پائندہ باد“

## سب رو دیئے

معافی نامہ پڑھتے ہوئے ڈاکٹر قدیر خان کی بدن بولی پر نگاہ رکھنے والوں کے لیے یہ منظر کسی قیامت سے کم نہ تھا۔ بعض الفاظ انہوں نے یوں رُک رُک کر ادا کیے جیسے پڑھے نہ جا رہے ہوں لیکن ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی کردار کشی اور بے توقیری کا یہ نہایت ہی بھونڈا انجام پوری قوم کے منہ پر طمانچہ تھا' پاکستان کے عظیم محسن پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے والے پاکستان کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنانے والی باعظمت اور باوقار شخصیت' ہر لحاظ سے محبّ وطن' عزم و ہمت کے پیکر ڈاکٹر خان کی یہ ذلت و رسوائی کہ وہ قوم کے سامنے' بلکہ پوری دنیا میں بطور ”مجرم“ پیش ہو کر کے معافی مانگنے پر مجبور ہو گئے۔ ستم یہ کہ اسی قوم نے خود اپنے ہی خلاف دشمنان پاکستان اور اسلام کے ہاتھ میں ایف آئی آر تھما دی ہے۔ یہ اہل وطن کے زخموں پر نمک پاشی کرنا تھا نہ جانے میری طرح کتنے ہیں۔ جو یکم فروری سے دن رات بے کلی کی چتا میں جل رہے تھے اور انہوں نے اس منظر کو دیکھا بھی یا نہیں، اگر دیکھا تو ان کے دلوں پر کیا بیتی۔؟ وہ کروڑوں پاکستانی حواس باختہ ہو گئے یہ بڑا دردناک منظر تھا' چہرہ پریشان' بکھرے خیالات' اترے ہوئے سہمے سہمے چہرے





خوف و ہراس: 4 فروری 2004۔ محسن پاکستان کی صدر پاکستان سے ملاقات جس کے بعد پاکستان ٹیلی ویژن پر ”اعترافِ جرم“ کی کہانی دیکھی اور سنی گئی۔



غیر رسمی ملاقات: 29 جولائی 2004 کتاب کے مصنف کی صدر پاکستان سے ملاقات۔ ”ہم ڈاکٹر خان کو کسی غیر ملک کے حوالے نہیں ہونے دیں گے“



خوف وہراس: 4 فروری 2004۔ محسن پاکستان کی صدر پاکستان سے ملاقات جس کے بعد پاکستان ٹیلی ویژن پر ''اعترافِ جرم'' کی کہانی دیکھی اور سنی گئی۔



غیر رسمی ملاقات: 29 جولائی 2004 کتاب کے مصنف کی صدر پاکستان سے ملاقات۔ ''ہم ڈاکٹر خان کو کسی غیر ملک کے حوالے نہیں ہونے دیں گے''




2 جنوری 2004: ڈی بریفنگ کے حوالے سے صدر پاکستان کا پاکستان ٹیلی ویژن اور ریڈیو پاکستان سے قوم سے خطاب

کے ساتھ قوم سے معافی کی درخواست نے سب کو مبہوت کر دیا۔ ہر کسی کی آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے، سقوطِ ڈھاکہ کے 33 سال بعد میں نے پاکستان کے بیٹوں اور بیٹیوں کو اسی طرح روتے، بلکتے اور سسکیاں بھرتے دیکھا۔ جس طرح 16 دسمبر 1971 کو دیکھا تھا۔ ڈاکٹر قدیر کو اس حال میں دیکھ کر میرا دل ڈوبنے لگا تھا، آنکھوں میں دہکتی ہوئی سلائیوں کی طرح ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ تھیں۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ امریکہ نے ''اوپن ہیمر'' اور ''دین ہولی'' کو یوں تو رسوا نہیں کیا تھا پچھلے چند عشروں کے دوران بھارت سمیت چودہ اہم ممالک نے اپنے بعض سائنسدانوں کے خلاف کارروائیاں کی ہیں۔ بھارت نے اپنے میزائل پروگرام سے وابستہ بعض سائنسدانوں کے خلاف تادیبی کارروائیاں کیں، لیکن پریس میں ان کے بارے میں کچھ نہیں چھپا، روس نے 1970 میں 1400 اور جرمنی نے 93ء میں 17 سائنسدانوں کو گرفتار کیا، مگر انتہائی خاموشی اور مکمل رازورداری کے ساتھ خبریں آئیں بھی تو برسوں بعد۔ برا ہو، مصلحت 'مداہنت اور خوف کے زہر میں لپٹی ہوئی حکمت عملیوں اور فلسفوں کا، جو ملی غیرت کے قتل اور ہماری شہ رگ تک کو تر نوالہ بنانے کی فکر میں ہیں۔ تو ہمیں اپنے محسنوں سے بے وفائی تو کجا ان کے وقار کو بھی عزیز از جان رکھتی ہیں۔

یقین کر کہ ہواؤں کا رخ بدل جاتا     تجھے چراغ کی لو پر ہاتھ رکھنا تھا

قوم اپنے محسن کی تذلیل اور نظر بندی پر دل گیر ہے ہر کوئی دل گرفتہ ہے۔ ہر پاکستانی کی آنکھوں میں آنسو بہہ جانے کے لئے مچل رہے ہیں تاہم امریکہ کی خفگی سے خوفزدہ قوم اپنے آپ سے سوال کرتی ہے۔

کیا اسی لئے تقدیر نے چنوائے تھے تنکے     بن جائے نشیمن تو کوئی آگ لگا دے

## غیر اعلانیہ نظر بندی

یکم فروری سے محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان اپنی کوٹھی ای۔ سیون میں اپنی اہلیہ کے ہمراہ مسلسل نظر بندی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ دنیا بھر میں بنیادی انسانی حقوق کی دہائی دینے والوں کے جبر اور خوف کے سبب پاکستان کے مفادات کے تحفظ کا حلف دینے والوں کے ہاتھوں ہی محسن پاکستان پابجولاں نہیں تو آزاد بھی نہیں ہیں۔ محسن پاکستان کے نزدیک بش کی نامزد بدی کی محور قوتوں کو ایٹمی ٹیکنالوجی کی منتقلی کے الزام میں سچ کا شائبہ تک نہیں، ان کا جرم دراصل پاکستان کی قوم اور قیادت کو وہ اعتماد اور قوت مہیا کرنا ہے جو خطے میں نئے سامراج کے مفادات اور پاکستان دشمنوں کی راہ میں حائل ہیں۔ جیسا کہ خود محسن پاکستان نے 23 جنوری کو جیو ٹیلی ویژن سے نشر ہونے والے پہلے سے ریکارڈ شدہ

انٹرویو میں کہا تھا۔

''میں نے کبھی ایران کو ٹیکنالوجی منتقل نہیں کی' عالمی میڈیا اسلئے مجھے بدنام کر رہا ہے کہ میں نے بھارت کے پاکستان کو تباہ کرنے کے عزائم کو خاک میں ملا دیئے۔ میں نے کیا کیا؟ یہی نہ کہ میں نے ان کے تمام منصوبوں کو ناکام بنا دیا ہے۔ ایک اکیلے شخص نے ان کی پچیس سال کی منصوبہ بندی کو تباہ کر دیا۔ ایٹم بم کس نے بنایا؟ میں نے بنایا؟ میزائل کس نے بنائے' اپنی قوم کے لئے میں نے بنائے۔''

یہاں اس امر کی نشاندہی بے جا نہیں ہوگی کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے جس لباس میں صدر پرویز مشرف سے ملاقات کی اسی لباس میں وہ ٹیلی ویژن پر اپنا اعترافی بیان پڑھتے ہوئے دکھائے گئے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں مناظر ایک ہی جگہ اور ایک ہی مقام کے ہیں۔ دراصل یہ ملاقات اور پاکستان ٹیلی ویژن پر یہ ''اعتراف جرم'' کی ریکارڈنگ آرمی ہاؤس میں ہوئی۔ اس حوالے سے ایم ایم اے کے قائمقام سربراہ قاضی حسین احمد کا یہ تبصرہ خاصا وزن رکھتا ہے کہ جس طرح ہماری پولیس لوگوں سے اقبالِ جرم کراتی ہے، ہمارے سائنسدان ایسے حالات کے عادی نہیں ہیں۔ ڈاکٹر خان سے زبردستی اعترافی بیان دلوا کر قومی ہیرو کی توہین کی گئی ہے۔ اطلاعات کے مطابق ٹیلی ویژن پر ''اعترافِ جرم'' کا اقبالی بیان ریکارڈ کرانے کے بعد ڈاکٹر خان باہر نکلے اور آرمی ہاؤس سے روانہ ہوئے تو وہاں ڈیوٹی پر متعین چاق و چوبند کمانڈوز نے انہیں سلیوٹ کیا۔ میری اطلاع کے مطابق وطن عزیز کی آبرو کو ہر آنچ سے بچانے کے لیے آہنی دیوار بنے جانے والے کمانڈوز از حد غمگین اور شرمسار نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے بعض کی آنکھیں نمناک تھیں، تو کچھ کے آنسو پلکوں سے ڈھلک کر رخساروں پر آ رہے تھے۔ ان کے سلیوٹ میں محسن پاکستان کے لیے وطن عزیز کے چودہ کروڑ شہریوں کا عزت و احترام شامل تھا۔

## ڈاکٹر خان ڈگمگا گئے

اُدھر جب ڈاکٹر خان گھر لوٹے تو ان کی کیفیت عجیب تھی، بلا کے پُر اعتماد اس شخص کے قدم پہلی بار ڈگمگا رہے تھے۔ وہ اس نفسیاتی دباؤ کو بری طرح محسوس کر رہے تھے جو ناکردہ گناہ کے اعتراف نے پیدا کیا ہے، ان کی آنکھیں نمناک تھیں، دل کی حرکت بے قاعدہ ہو رہی تھی تاہم خود کو سنبھالے ہوئے تھے--- اُن کی بیگم نے ڈاکٹر خان کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو ایک دم متفکر ہو گئیں' پیشانی بری طرح تپ رہی تھی۔ انہیں سہارا دیا اور بیڈروم تک لے گئیں' وہ ساری رات ڈاکٹر خان نے ایک عجیب کرب میں گزاری' رات بھر کروٹیں بدلتے رہے۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی' بس آنسو تھے کہ ٹپک رہے تھے وہ





کئی بار بڑبڑائے یا اللہ! کیا میں نے اسی لیے اپنی زندگی کو داؤ پر لگایا تھا--- کیا میں نے اپنی زندگی کے 30 قیمتی سال اسی دن کے لیے وطن عزیز کو ناقابل تسخیر بنانے پر لگا دیئے تھے۔ اے رب ذوالجلال! مجھ پر میرے وطن پر میرے حکمرانوں پر میری قوم پر رحم فرما---

## ہم نہیں جانتے

میرے تجزیئے' معلومات اور ملک کے طول و عرض اور سمندر پار پاکستانیوں کی طرف سے موصول ہونے والے ان گنت خطوط شاہد ہیں کہ کوئی پاکستانی ہو گا جو یہ تسلیم کرنے پر آمادہ ہو کہ محسن پاکستان کوئی ایسا کام کر سکتے ہیں' جس سے پاکستان کے مفادات کو کسی بھی حوالے سے معمولی سا بھی نقصان پہنچے بلکہ وہ ڈاکٹر خان کی اس سبکی اور تحقیر و تذلیل پر جو ان سے ٹیلی ویژن پر معافی منگوا کر کی گئی ہے خود کو اس کے لیے مجرم سمجھتی ہے۔ پاکستانی قوم اپنے اس عظیم محسن سے محبت کرتی ہے' اس کا دل کی گہرائیوں سے احترام کرتی ہے۔ اسے دکھ ہے کہ جنہیں ہیرے جواہرات میں تولا جانا چاہیے تھا انہیں بے توقیری کے تابوت میں دفن کیا جا رہا ہے۔ وہ اپنی بے بسی اور کمزوری کا اعتراف کرتے ہوئے محسن قوم سے اس سلوک پر شرمندگی اور ندامت کا اظہار کرتی ہے۔

## ردعمل

برطانوی نشریاتی ادارہ بی بی سی نے ڈاکٹر خان کے ''اعترافِ جرم'' پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں خیال آرائی کی کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر خان نے ''پھر تم نہ سہی ہم سہی- کون مانے گا کہ ہم نے یہ کام کیا ہے'' کے مصداق معاملہ رفع دفع کرنے کی کوشش کی ہے اور پاکستانی حکومت نے سائنسدانوں کو قربانی کا بکرا بنا دیا تا کہ فوج پاک صاف رہے۔ قاضی حسین احمد نے کہا:'نواز شریف نے پرویز مشرف کو بچانے کے لیے کرگل کا الزام اپنے سر لیا اور ڈاکٹر عبدالقدیر نے ایٹمی رازوں کا الزام لے لیا۔ جمعیت العلماء اسلام کے رہنما حافظ حسین احمد نے یوں تبصرہ کیا:''ڈاکٹر قدیر نے پردہ نشینوں کی خاطر ''فدائی اعتراف'' کیا ہے اور کئی سابق اور جلاوطن رہنماؤں کے ساتھ ساتھ ملک کی ایٹمی صلاحیت کے تحفظ کو یقینی بنایا ہے۔ ڈاکٹر قدیر خان کے اعترافی بیان کے الفاظ ہی سے حقیقت کا اظہار ہو جاتا ہے۔ اس حوالے سے بھی ڈاکٹر خان میدان مار گئے۔ متحدہ مجلس عمل کے صدر قاضی حسین احمد اور پارلیمانی لیڈر مولانا فضل الرحمٰن نے ایک مشترکہ بیان میں مسئلہ کو پارلیمنٹ میں لانے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر قدیر سے جبری اعتراف کرایا گیا اور ایٹمی پروگرام کے خلاف شہادت فراہم کی گئی۔ صدر پرویز مستعفی ہو جائیں۔

جمعیت الدعوہ کے امیر پروفیسر حافظ سعید نے کہا حکمرانوں نے امریکہ کے دباؤ پر سائنسدانوں کو کٹہرے میں لا کر ملک کی توہین کی ہے۔ اے آر ڈی کے سربراہ اور پیپلز پارٹی کے چیئرمین امین فہیم، صوبائی صدر پنجاب راجہ پرویز اشرف اور کئی دوسرے رہنماؤں نے ایک سیمینار میں خطاب کرتے ہوئے ایٹمی ایشو پر پارلیمنٹ کا مشترکہ اجلاس بلانے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ سائنسدانوں کی رسوائی سے پاکستانیوں کے سر شرم سے جھک گئے ہیں۔ مسلم لیگ (ن) کے چیئرمین راجہ ظفر الحق نے کہا: غیروں کے آگے جھکنے اور اپنوں کو دبانے کا عمل مزید برداشت نہیں کریں گے۔ حکمرانوں نے ایٹمی منتقلی کا ڈھنڈورا پیٹ کر ہاتھی کو گنے کے کھیت میں گھسنے کی دعوت دی ہے۔ پنجاب مسلم لیگ (ن) کے جنرل سیکرٹری اور رکن قومی اسمبلی خواجہ سعد رفیق نے کہا کہ حکمرانوں نے ڈاکٹر خان سے جبری بیان لے کر اور ٹیلی ویژن پر ''اعتراف'' کروا کر پاکستان کے خلاف ایف آئی آر کٹوا دی ہے۔ وہ ہاتھ جو ایٹمی دھماکے کے بعد نواز شریف کے گریبان تک پہنچے آج محسن پاکستان کے گریبان تک پہنچ گئے ہیں۔ جمعیت الدعوہ کے امیر حمزہ نے کہا کہ ہمارے حکمرانوں کو شرم کرنی چاہیے۔ انہوں نے عیدالاضحیٰ کے موقع پر ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر خان کو ذبح کیا۔ علامہ حمیدالدین المشرقی نے کہا پوری قوم ڈاکٹر عبدالقدیر کے ساتھ ہے۔ جسٹس ریٹائرڈ ڈاکٹر جاوید اقبال نے کہا کہ صدر پرویز مشرف محسن پاکستان ڈاکٹر خان کو قربانی کا بکرا نہ بنائیں۔ ڈاکٹر خان نے کوئی جرم نہیں کیا' انہوں نے اسلامی اصولوں کے مطابق اسلامی ممالک کی مدد کی ہے۔ انہیں معافی مانگنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ تحریک پاکستان کے بزرگ کارکن اور سابق وزیر سید احمد سعید کرمانی نے کہا کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور ان کے ساتھی ایٹم بم نہ بناتے تو شاید اس وقت پاکستان موجود نہ ہوتا۔ اس لیے یہ کہا جائے کہ ڈاکٹر خان نے پاکستان کو دوبارہ جنم دیا ہے تو غلط نہ ہوگا۔ جنرل پرویز مشرف سب کچھ امریکہ کے دباؤ پر کر رہے ہیں۔ مرکزی جمعیت اہلحدیث کے امیر اور ایم ایم اے کے نائب صدر سینئر پروفیسر ساجد میر نے کہا کہ بندوق کی نالی کے زور پر ایٹمی چوری کا سارا نزلہ ڈاکٹر خان پر ڈال کر خوشی سے بغلیں بجانے والے سن لیں کہ ان کی باری بھی آنے والی ہے۔ اس وقت واشنگٹن' دہلی اور تل ابیب میں خوشی کے شادیانے بج رہے ہیں کہ پاکستان کا ایٹمی پروگرام ان کی گرفت میں آ چکا ہے۔ ڈاکٹر خان کی زندگی بھی خطرے میں ہے۔ سابق آرمی چیف اور فرینڈز کے سربراہ جنرل اسلم بیگ نے کہا معاملہ ابھی ختم نہیں ہوا' اب ہمارے ایٹمی پروگرام کے خلاف معاملہ شروع ہوگا۔ یہ واقعات ایک بڑی سازش کا حصہ ہیں پاکستان اس کا ہدف ہے۔ پاکستان کو این پی ٹی پر دستخط کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔''

تحریک انصاف کے عمران خان نے کہا کہ حکمرانوں نے اقتدار بچانے کے لیے ایٹمی پروگرام اور قومی ہیروز کی قربانی دے دی' جو ملکی تاریخ کا ایک المیہ اور سانحہ ہے۔ سائنسدانوں کی کردار کشی





کی مہم ایک سوچی سمجھی سازش کا حصہ ہے جس کا مقصد ملکی جوہری پروگرام کو سبوتاژ کرنا ہے۔ ٹیلی ویژن پر ڈاکٹر خان کا اعترافی بیان ایک شرمناک ڈرامہ تھا جس پر پاکستانی قوم شرمسار ہے۔ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے سربراہ آغا سید حامد علی موسوی نے کہا کہ محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے جوہری توانائی کے پھیلاؤ کے الزامات اپنے ذمے لے کر پوری قوم کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ ملکی اور عالمی تجزیہ نگاروں کا ردعمل بھی یہی تھا کہ ڈاکٹر قدیر خان کے اعتراف پر کوئی یقین نہیں کرے گا۔

## دشمن کی گواہی

ہمارے ہمسایہ ملک بھارت کے انتہاپسندوں اور ان کی نمائندہ بی جے پی نے ڈاکٹر خان کے ''اعترافی بیان'' پر بغلیں بجائیں۔ بی جے پی کے جنرل سیکرٹری پرمود مہاجن نے کہا کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا انجام بھارت کے عوام جلد دیکھیں گے۔ بھارت سے ٹکرانا آسان نہیں۔ وشوا ہندو پریشد کے جنرل سیکرٹری پراوین توگاڈیہ نے کہا ڈاکٹر قدیر بھوپالی کا حشر کیا ہوگا وہ ہمیں معلوم نہیں لیکن لڑے بغیر بھارتی عوام کے لیے فتح ہی فتح ہے۔ پاکستان اب کشمیر سے بھی پیچھے ہٹے گا۔ پاکستان چند سال اور چل جائے تو بڑی بات ہے۔ پرکاش آنند نے کہا بھارت کو مٹانے کی باتیں کرنے والے پاکستانیوں کا کیا حال ہوا۔ وہ سب جانتے ہیں۔ بی جے پی کے صدیق کاپڑیا نے کہا کہ ''پاکستان کا ایٹمی پروگرام صندوق میں بند ہونے جا رہا ہے۔'' مولانا احمد شاہ بخاری نے کہا کہ ''ڈاکٹر خان کے خلاف کارروائی امریکہ اور اسرائیل کے کہنے پر ہو رہی ہے۔'' بھارتی سائنسدان ڈاکٹر راکیش پرکھا نے کہا کہ ''ایٹمی پروگرام کی وجہ سے پاکستان پر امریکہ کا شدید دباؤ ہے۔ جہاں تک میں ڈاکٹر قدیر کو جانتا ہوں وہ کرپٹ انسان نہیں ہیں' ان پر لگائے گئے الزامات پر یقین نہیں آتا۔''

## پاکستانی پریس کا ردعمل

آیئے! اب ذرا ملاحظہ فرمایئے کہ پاکستانی پریس کیا کہتا ہے: روزنامہ ''نوائے وقت'' نے ڈاکٹر خان کے ''اعتراف'' پر تبصرہ کرتے ہوئے اداریہ میں لکھا کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے ایٹمی معلومات کی منتقلی کی ذمہ داری اپنے سر لے کر بظاہر اس باطل پروپیگنڈہ کو روکنے کی کوشش کی ہے جو امریکی اخبارات اور ذرائع ابلاغ میں پاکستان اور ایٹمی سائنسدانوں حتیٰ کہ فوج کے سربراہوں کے خلاف ہو رہا ہے۔ تاہم امریکہ نے جو ایجنڈا مسلم ممالک بشمول پاکستان کے لیے وضع کر رکھا ہے وہ اس پر سنجیدگی سے عمل درآمد کر رہا ہے۔

روز نامہ ''اوصاف'' نے تبصرہ کیا کہ ''امریکہ ہمارے ایٹمی پروگرام کو ختم کرنا چاہتا ہے اور ہم اس کا کام آسان بنا رہے ہیں۔ اب اگر اس نے ایٹمی پھیلاؤ میں حکومت پاکستان کے ملوث ہونے کا الزام لگایا تو اسے ہم پر حملہ کرنے سے کون روکے گا۔''

روز نامہ ''ایکسپریس نے لکھا کہ ''مغربی میڈیا کی ہمارے ایٹمی پروگرام اور ایٹمی پھیلاؤ کے بارے میں مبالغہ آمیز خبریں اس راز سے پردہ اٹھاتی ہیں کہ امریکہ، یورپ، اسرائیل اور بھارت ہمارے ایٹمی پروگرام کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔''

روز نامہ ''جنگ'' کا اداریہ تھا کہ ''ہمیں اپنی ایٹمی صلاحیتوں کو رول بیک کرنے کے بارے میں دھمکیوں اور دباؤ کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ ہم ایک انتہائی نازک دور سے گزر رہے ہیں، ہمارے حکمرانوں کو ملک کو بحران سے نکالنے کے لیے نہایت احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

''روز نامہ نیوز'' کا تبصرہ تھا کہ ''ڈاکٹر خان کے اعتراف کے بعد اس تکلیف دہ باب کو بند کر دیا جائے اور انتہائی محترم سائنسدان کو زندگی امن وسکون اور عزت ووقار سے گزارنے دی جائے۔ اس سے حکومت کے اس موقف کو تقویت ملی ہے کہ بعض حکام نے جو غیر قانونی کارروائیاں کی ہیں، حکومت ان سے بے خبر تھی لیکن اس سے واضح نہیں ہوتا کہ حکومت کو اس ایٹمی پھیلاؤ کا پتہ کیوں نہ لگا۔ یہ معاملہ وضاحت طلب ہے کیونکہ ڈاکٹر خان کا بیان تو صرف نصف حقیقت کا اعتراف ہے۔''

روز نامہ ''نیشن'' کا تبصرہ تھا کہ ''یہ باور کرنا مشکل ہے کہ کوئی یہ سمجھے کہ ایٹمی ٹیکنالوجی اور آلات کی منتقلی قومی مفاد میں ہے۔ ڈاکٹر قدیر نے قوم کی عظیم خدمت کی ہے اور وہ نیک نیتی سے کیے گئے اقدامات کے لیے خواہ وہ کتنے ہی غلط کیوں نہ ہوں' سزا کے مستوجب نہیں ہیں۔''

''ڈیلی ٹائمز'' نے لکھا کہ ''قوم کے لیے سرکاری موقف قابل قبول نہیں ہے کہ وہ قومی ہیرو ہیں، اگر اس ایٹمی عدم پھیلاؤ میں حکومت ملوث تھی تو پھر سائنسدانوں ہی کو کیوں قربانی کا بکرا بنایا گیا؟ کوئی بھی یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ سائنسدانوں نے بھاری ایٹمی آلات پاک فوج کی بے خبری میں بیرون ملک بھجوائے کیونکہ ایٹمی پروگرام کی نگران فوج ہی تھی۔ اس بحران سے نکلنے کا یہی طریقہ ہے کہ معذرت قبول کرتے ہوئے ایٹمی سائنسدانوں کی فائل بند کر دی جائے۔''

مختصر یہ کہ عوام کے علاوہ قومی صحافتی' سیاسی اور سماجی حلقے بھی ڈاکٹر خان کے اعترافی بیان کو اس انداز میں حقیقت سمجھنے پر قائل نہیں ہو سکے، جس انداز میں انہوں نے یہ پڑھا تھا بلکہ اکثر نے ڈاکٹر خان کے ''اقبال جرم'' کی تحسین کرتے ہوئے اس کے پیچھے سازش کو کارفرما دیکھا۔





## چوہدری شجاعت حسین کا کردار

اس سے پہلے کہ ''اعترافی بیان'' کی قانونی حیثیت پر روشنی ڈالی جائے، برسر اقتدار مسلم لیگ کے صدر چودھری شجاعت حسین کے بیان کا ذکر ہو جائے کہ جو انہوں نے ڈاکٹر خان کے ٹیلی ویژن پر اعترافی بیان کے بارے میں دیا اور یہ ان بہت سے سوالوں کا جواب بھی دیتا ہے جو عوام کے ذہن میں اس حوالے سے ابھرے کہ ڈاکٹر خان نے اعتراف کیوں کیا؟۔ اور یوں بھی یہ حکومت کے جھوٹ کے خلاف سب سے بڑی گواہی گھر کے بھیدی کی ہے۔ چودھری شجاعت حسین نے سچائی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ

> ''ڈاکٹر خان نے بڑے پن کا ثبوت دیا اور قومی مفاد میں ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے۔ انہوں نے ایک پیسے کی کرپشن بھی نہیں کی۔ نہ ہی تفتیش کاروں کو کوئی بیان دیا ہے۔ میں نے گزشتہ روز ڈاکٹر قدیر کو ملاقات میں ملک میں پیدا ہونے والے بحران کے خاتمے کے لیے کردار ادا کرنے کی گزارش کی تھی۔ انہوں نے تمام چیزوں کی ذمہ داری اپنے سر لے کر ملک وقوم کے لیے پہلے سے بھی بڑھ کر کام کیا ہے۔ جس کا مقصد ملک سے کنفیوژن کا خاتمہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ہمیں کمزور سمجھ کر ہم پر پریشر ڈالا جا رہا ہے۔''

ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی صفائی میں کم وبیش ایسا ہی بیان وفاقی وزیر داخلہ فیصل صالح حیات نے وائس آف امریکہ کو اپنے انٹرویو میں دیا تھا۔ وفاقی وزارت داخلہ کی طرف سے ان کے اس بیان کی فوراً تردید کرا کے انہیں ان کی حیثیت کا احساس دلایا گیا۔ جس کے بعد سے مخدوم فیصل صالح حیات نے اس بارے میں چپ سادھ لی جبکہ چودھری شجاعت حسین کے بیان کی تردید شاید حکومتی حلقوں کے بس کی بات نہ تھی۔ اس لیے جنرل پرویز مشرف نے 5 فروری کو اپنی پریس کانفرنس میں یہ کہہ کر چودھری شجاعت کے بیان کی اہمیت کم کرنے کی کوشش کی کہ انہیں یعنی چوہدری شجاعت حسین کو سارے حقائق کا علم نہ تھا۔ اسکے باوجود چودھری صاحب یا ان کے کسی ترجمان یا حکومت کی طرف سے اس بارے میں کوئی تردیدی بیان سامنے نہیں آیا۔ یوں بھی اس بات کو کون تسلیم کرتا ہے جبکہ چودھری صاحب ڈیڑھ دو ماہ سے حکومت اور ڈاکٹر خان کے درمیان رابطے کا کام سرانجام دے رہے تھے۔ اس دوران میں انہوں نے ڈاکٹر خان سے نصف درجن سے زیادہ ملاقاتیں کیں اور بدھ (4 فروری) کی ملاقات نتیجہ خیز رہی۔ اس سے ڈیڑھ دو ماہ قبل جب نیشنل کمانڈ اتھارٹی کی طرف سے سیاستدانوں کے ایک اجلاس میں بعض سائنسدانوں اور کے آر ایل کے بعض انتظامی افسروں کی ''ڈی بریفنگ'' کا اشارہ دیا گیا تھا تو چودھری شجاعت حسین نے مشورہ دیا تھا کہ سائنسدانوں کو حراست میں لینے سے قبل ان کے اہل خانہ سے بات کر لی

جائے اور انہیں پیشگی اعتماد میں لیا جائے تا کہ کوئی ایشو نہ بنے۔ دوسرے یہ کہ ''قومی مفاد'' کی واضح تشریح کی جائے کہ قوم کو پتہ چل سکے کہ حکومت کی نظر میں ایٹمی معاملات کے حوالے سے ''قومی مفاد'' کیا ہے؟ ڈاکٹر خان سے نصف ملاقاتیں چودھری شجاعت حسین کی رہائش گاہ پر اور باقی ڈاکٹر خان کے گھر پر ہوتی رہیں۔ بدھ (4 فروری) کی ملاقات میں چودھری شجاعت حسین نے ڈاکٹر خان کو اس امر پر آمادہ کیا کہ وہ بحران کے خاتمے اور وسیع تر قومی مفاد کی خاطر تمام بحران کی ذمہ داری قبول کریں تا کہ ہیجانی کیفیت ختم ہو۔

## اعتراف کی قانونی حیثیت

وفاقی وزیر خارجہ خورشید احمد قصوری نے جو خود ایک قانون دان ہیں ایک بیان میں دعویٰ کیا کہ ''ڈاکٹر خان نے ان پر مقدمہ چلائے جانے کی دھمکی پر اعترافی بیان دیا ہے'' لیکن اس اعترافی بیان کی قانونی حیثیت کیا ہے؟ ممتاز قانون دان ڈاکٹر فاروق حسن کا کہنا ہے کہ ''اس بیان کی کوئی قانونی واخلاقی حیثیت نہیں' ڈاکٹر قدیر خان گزشتہ تین ہفتوں سے عام لوگوں سے بالکل الگ تھلگ کر دیے گئے تھے اور پھر اصل حقائق کو چھپانے کے لیے انہیں قربانی کا بکرا بنایا گیا۔ جب تک وہ کسی غیر جانبدار عدالت یا فورم میں اپنا بیان نہیں دیتے، ان کے بیان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ دیگر بہت سے قانون دانوں کی بھی یہی رائے ہے کہ محسن پاکستان سے جس طرح اعتراف جرم کرایا گیا اسکی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔

اس حوالے سے سابق وفاقی سیکرٹری جنرل وزارت داخلہ جناب روئیداد خان نے ''ڈیلی ٹائمز'' میں 13 مارچ 2004 ایک معلومات افزا مضمون The fallen hero کے عنوان سے لکھا اس سے ملے جلے مفہوم کے دیگر اخبارت میں بھی بہت سے مضامین شائع ہوئے۔ لیکن جناب روئیداد خان ماضی میں اہم حکومتی عہدوں پر فائز رہنے کی بنا پر بہت سی حکومتی کاروائیوں کے چشم دید گواہ ہونے کی بنا پر اور وسیع مطالعہ کے حامل ایک منفرد مضمون نگار کی حیثیت سے اپنے اس مضمون میں بہت کچھ کہہ گئے ہیں۔ اس چشم کی مضمون کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمایئے' لکھتے ہیں:

> ''ڈاکٹر خان سہمے سہمے لگتے تھے۔ وہ پہلے سے تیار شدہ بیان کو اس طرح پڑھ رہے تھے کہ جیسے پہلی دفعہ دیکھ رہے ہوں۔ اس نے اخباری مہموں کے پس منظر کے ساتھ 1930ء کے ماسکو مقدمات کی یاد تازہ کر دی۔ جن میں پہلے سے تیار شدہ اعترافات ہوتے اور ان کے خوفناک نتائج نکلتے۔ ان کے لیے مستامن اپنے ''شکار'' سے تفصیلی اعترافی بیان پر دستخط حاصل کرتا۔ جیسے ہی سیکورٹی ایجنسیوں سے ان کے تصدیقی بیانات موصول ہوتے، وہ فوراً انہیں پورٹ بیورو کو بھجوا دیتا۔ جس کے لیے ان اعترافی اور خود ملامتی بیانات کو مسترد کرنا ممکن نہ ہوتا۔ کیونکہ ''اس (ملزم) نے بیان





خود لکھا ہے اور ہر صفحہ پر دستخط کیے ہیں۔'' صدر کی طرف سے ''معافی'' کے وعدہ کے جواب میں ڈاکٹر خان بھی اندرون و بیرون ملک عوام کے سامنے ''میڈیا شو ٹرائل'' میں کردار ادا کرنے پر راضی ہو گئے۔ یہ پہلے سے طے شدہ قوانین کے مطابق کھیلا جانے والا کھیل تھا۔

''خان کے دوستوں نے اس قسم کے مشتبہ سودے میں شریک ہو کر ان سے اپنی تابانی و درخشانی کو بے آب نہ کرنے کی درخواست کی تھی۔ اپنے ''الزام دہندہ'' کے بیان کو پڑھنے کے دوران الفاظ کے اعادہ سے خان صاحب دراصل دنیا سے یہ کہہ رہے تھے کہ ''میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس پر یقین نہ کیجئے۔'' رومن اپنا ایسا ہی مقصد دوسری طرح پورا کرتے تھے۔ وہ اکھاڑے میں اپنے قیدیوں پر درندے چھوڑنے سے قبل اپنے قیدیوں کے چہروں پر مضحکہ خیز نقاب اوڑھا دیتے تھے اور وہ شہید کی نہیں مسخرے کی موت مرتے۔'' انہیں ایذا دینے والے انہیں انسانیت کے آخری چیتھڑے سے بھی محروم کر دیتے یعنی عزت کی موت۔

''خان کے مقدمے کا پریشان کن پہلو یہ ہے کہ ان پر اعتراف کے لیے زبردست دباؤ تھا۔ ایسی کئی وجوہات تھیں جن کے باعث اس کوشش کا جواز تھا۔ انتظامیہ کو غیر قانونی پروسیجر کے خلاف ضمانت کے لیے اعتراف کی ضرورت تھی۔ مشرف سے نیچے تک سب ٹیلی ویژن پر ان کے آنے اور طریق کار کو قانون کے مطابق ظاہر کرنے میں بڑے محتاط تھے۔ اس اعتراف کی وضاحت کے لیے ہر قسم کی وجوہات دی گئی ہیں۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ اس کی کوئی ایک وجہ نہ تھی۔ مقدمہ چلانے کا خوف، ایذا دہی، دھمکیوں، تنہا ہونے کا احساس، بدبختی اور تحریک و ترغیب سب نے اس اعتراف میں کچھ نہ کچھ کردار ادا کیا ہے۔ کسی نے حتیٰ کہ ان کے وکیل نے بھی ان سے ملاقات نہیں کی۔ جوانمردی کے مظاہرے یا عدالتی کمرے کی سی تقریر کا کوئی موقع ہی نہ تھا۔ خان کو یہ یقین دلانا آسان تھا کہ وہ اپنا کام کر چکے ہیں ان کی اب مزید ضرورت نہیں اور ان کے لیے بہترین رویہ یہی ہے کہ وہ وطن عزیز کے لیے اپنے جرم کا اعتراف کر لیں اور سایوں میں گم ہو جائیں۔

یہ امر بدیہی ہے کہ خان کو معافی دینے سے قبل انہیں مجرم ثابت کرنا ضروری تھا۔ انہیں کسی قانونی عدالت میں پیش نہیں کیا گیا۔ پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان پر الزام لگانے والوں نے سائنسدان کا قصور ثابت کیا ہے؟ ڈاکٹر خان کے خلاف تمام کیس صرف ان کے اپنے ''اعترافی بیان'' پر مبنی ہے۔ فوجداری مقدمات میں ملزم کا رضا کارانہ اقبالی بیان بیان کردہ حقائق کی حد تک اس کے خلاف شہادت ہوتا ہے اور اگر (اقبالی بیان) درست ہے تو وہ ملزم کو سزا سنانے کی بنیاد بھی بن سکتا ہے، لیکن کسی بھی اقبالی بیان کے سلسلے میں مجاز فرد کی طرف سے عائد کردہ الزام کے اعتراف کے لیے ملزم سے کوئی ترغیبی وعدہ کیا گیا ہو یا دھمکی دی گئی ہو خواہ یہ اقبالی بیان درست ہی

ہو۔اسے رضا کارانہ بیان اور قابل قبول نہیں سمجھا جاتا۔ کیونکہ ایسے بیانات کی صداقت مشکوک ہوتی ہے۔اس سوال کے جواب کے لیے درج ذیل امور پر غور کیا جانا ضروری ہے:

۱۔خان نے جب اعتراف کیا تو وہ آزاد نہ تھے۔وہ خفیہ اداروں کی حفاظتی نگرانی میں تھے اور ان کی نقل وحرکت پر پابندی تھی۔

۲۔خان نے ''اقبالی بیان'' کسی مجسٹریٹ کے سامنے ریکارڈ نہیں کرایا اور نہ ہی قانونی کارروائی کے دوران دیا ہے۔ یہ ایک ماورائے عدالت بیان ہے، جو نہایت مشکوک اور زیادہ احتیاط وحزم کا تقاضا کرتا ہے۔ ہماری عدالتیں اس قسم کے بیانات کو قبول کرنے سے اکثر گریز کرتی ہیں۔

۳۔خان نے اقبالی بیان صدارتی معافی کے وعدے پر دیا ہے۔اس قسم کے اعترافات بھی جو ہر طرف سے بے خوف ہو کر کیے جائیں لیکن اخلاقی اور معاشرتی طور پر کسی قصور یا جرم کے ارتکاب کا اعتراف ہوں، ناقابل اعتماد ہوتے ہیں اس لیے اعترافات کو جو کسی مجاز اتھارٹی کی طرف معافی کے وعدے پر کیا ہو ہماری عدالتوں نے کبھی قابل قبول قرار نہیں دیا۔

اندریں حالات تمام کارروائی کالعدم قرار پاتی ہے جو ڈاکٹر خان کی ڈی بریفنگ سے شروع ہوئی جس کے بعد خان نے ٹیلی ویژن پر اقبالی جرم کیا اور جو صدارتی معافی پر ختم ہوئی۔ یہ ایسا مرحلہ ہے جس پر ہر پاکستانی کا سر شرم سے جھک جانا چاہیے۔ ''سب سے پہلے پاکستان'' ایک خالی خولی اور منافقانہ نعرہ ہے۔اس پر کوئی یقین نہیں کرتا۔ آج تمام محب وطن پاکستانی رنجیدہ، پریشان اور مضطرب ہیں جبکہ ہمارے حکمران آنے والے حالات سے خوفزدہ ہو کر جھوٹ کی آڑ میں پناہ لیتے اور الفاظ سے کھیلتے ہیں۔ وطن عزیز سچ کا مطالبہ کرتا ہے، پورے سچ کا اور کچھ نہیں صرف سچ کا ڈاکٹر خان کو ہی کیوں نشانہ اور قربانی کا بکرا بنایا گیا؟ ان کی توہین کیوں کی گئی؟ یہ من پسند احتساب کیوں؟ کیوں ان سب کو بے نقاب نہیں کیا گیا جن کے بازو کہنیوں تک اس میں لتھڑے ہوئے ہیں؟ یہ تاریخ کی خوفناک غلطی ہے، لیکن آخر سچ ہی غالب آئے گا۔ سچ آگے بڑھ رہا ہے اور اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ 1936ء میں فرینکلن روزویلٹ نے کہا تھا حکومتیں غلطی کر سکتی ہیں، صدور غلطی کر سکتے ہیں' لیکن لافانی دانتے کا قول ہے کہ ربانی انصاف بے درد و بے رحم لوگوں اور مخلص و گرم جوش لوگوں کے گناہوں کو الگ الگ میزان میں تولتا ہے۔'' ربانی انصاف ڈاکٹر خان کے گناہوں کو کیسے تولتا ہے؟ اس کا انتظار رہے کہ جیوری کی نگاہیں ڈاکٹر قدیر خان پر لگی ہیں۔ ہمیں تاریخ کے فیصلے کا انتظار کرنا ہوگا، دریں اثنا خان ہم سب کے گناہوں کا کفارہ ادا کر رہے ہیں۔''





# عدالتوں کے دروازے بھی بند ہو گئے

17/18 جنوری 2002 کو جن ایٹمی سائنسدانوں اور کے آر ایل سے متعلق افسروں کو گھروں سے اٹھایا گیا ان کے اہل خانہ نے سرکار کے اس ماورا قانون اقدام کے خلاف عوامی اور عدالتی دونوں محاذوں پر احتجاج کرنے کا فیصلہ کیا' اس باب میں معاملے کے اسی پہلو کا ذکر کیا ہے' عدالتی محاذ کے پہلے حصے میں ایٹمی سائنسدانوں اور متعلقہ انتظامی افسروں کی نظر بندی کے خلاف عدالت عالیہ اور عدالت عظمٰی کی سطح پر کی جانے والی کوششوں کا مختصراً ذکر کیا گیا ہے' جبکہ دوسرے حصے میں محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے بارے میں عدالتی محاذ پر کی جانے والی کوششوں کا ذکر ہے جو معاملے کے بہت سے پہلوؤں کو بے نقاب کرتی ہیں۔

ڈاکٹر فاروق کو لیجانے والوں نے ان کے اہل خانہ کو اس قدر خوفزدہ کیا تھا کہ انہوں نے کوئی ڈیڑھ ماہ تک مکمل خاموشی اختیار کئے رکھی اور عدالت سے رجوع کرنے یا عوام الناس کو خبر کرنے سے بھی گریز کیا ان کی گرفتاری 27 نومبر کو ہوئی لیکن اس گرفتاری کے بارے میں پہلی مرتبہ خبر روزنامہ جناح اسلام آباد کے دس دسمبر 2003 کے شمارے میں شائع ہوئی۔ روزنامہ جناح اسلام آباد سے شائع ہونے والا ایک نیا اخبار ہے جس کے ایڈیٹر ایک جرات مند اور باخبر صحافی جناب ودود قریشی ہیں۔ انہوں نے بعد میں بھی ایٹمی سائنس دانوں کی گرفتاریوں کے حوالے سے بہت سی تفصیلی خبریں شائع کیں۔ دریں اثنا ڈاکٹر فاروق کے چند بہی خواہوں نے ان کے اہل خانہ کو عدالت میں جانے پر رضا مند کیا۔ ان میں بنی گالہ کے رہائشی جمیل عباسی پیش پیش تھے۔ جمیل عباسی ایک بے باک سیاسی کارکن ہیں جن کے والد ڈاکٹر خان کے ساتھ کام کر چکے تھے۔ جمیل عباسی نے سپریم کورٹ کے سینئر وکیل محمد اکرام چوہدری ایڈووکیٹ سے رابطہ کیا اور رٹ تیار کروائی۔ مگر ان کے اہل خانہ رٹ پر دستخط کرنے سے گریزاں رہے آخر مجبوراً ان کی اہلیہ خوش نیاز بیگم کی طرف سے آئین پاکستان کے آرٹیکل 199 کے تحت ڈاکٹر فاروق کی غیر اعلانیہ نظر بندی کے خلاف 8 جنوری کو لاہور ہائی کورٹ راولپنڈی بینچ میں حبس بے جا کی رٹ پٹیشن فائل کر دی گئی کہ ڈاکٹر فاورق کو کرنل نثار راجہ کی قیادت میں چھ دیگر افراد ان کے گھر سے لے گئے تھے۔ گزشتہ ڈیڑھ ماہ سے ان کے بارے میں اہل خانہ کو کچھ معلوم نہیں۔ حکومت کو حکم دیا جائے کہ ڈاکٹر فاروق کو عدالت میں پیش کیا جائے اور انھیں ایف بی آئی یا کسی دوسرے ادارے کے حوالے نہ کیا جائے۔

ابتدائی سماعت لاہور ہائی کورٹ راولپنڈی بینچ کے جسٹس مولوی انوار الحق کی عدالت میں

11 جنوری 2004 کو ہوئی اور عدالت نے مدعا علیہان کو 15 جنوری تک تفصیلی رپورٹ اور رٹ کا پیراوائز جواب پیش کرنے کی ہدایت کی۔ مگر 15 جنوری 2004 کو عدالت عالیہ میں کوئی جواب پیش نہ کیہ گیا البتہ سماعت کے دوران وفاق کے وکیل قاضی نعیم احمد نے عدالت کو بتایا کہ وفاق کے پاس ڈاکٹر فاروق کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ہے۔ عدالت نے سات دن کے اندر تحریری جواب داخل کرانے کی ہدایت کی۔

دریں اثنا نیلوفر اسلام کی طرف سے ان کے شوہر میجر اسلام الحق کی نظر بندی کے خلاف حبس بے جا کی درخواست چوہدری اکرام ایڈوکیٹ کی وساطت ہی سے 19 جنوری کو لاہور ہائیکورٹ راولپنڈی بینچ میں داخل کرائی گئی۔ درخواست میں کہا گیا تھا کہ درخواست گذار کو ڈر ہے کہ امریکہ اور صدر بش کے دباؤ پر حکمران اپنی کھال بچانے کے لئے میجر اسلام الحق کو کہیں ایف بی آئی اے کے حوالے نہ کر دیں' کیونکہ اس سے قبل بھی حراست میں لئے گئے شہریوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح امریکہ کے حوالے کر دیا گیا۔ آئی ایس پی آر کے ڈائریکٹر جنرل میجر جنرل شوکت سلطان ایک پرائیویٹ ٹی وی چینل پر اعتراف کر چکے ہیں کہ میجر اسلام حکومت کی تحویل میں ہیں اسلئے میجر اسلام کی حراست کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ مغوی کو ایف بی آئی اے کے حوالے نہ کیا جائے اور نہ ہی اسلام آباد سے باہر کہیں منتقل کیا جائے۔

20 جنوری کو ڈاکٹر نذیر احمد کی اہلیہ طاہرہ نذیر احمد نے بھی اپنے خاوند کی غیر آئینی حراست کے خلاف شاہ خاور ایڈوکیٹ کے ذریعہ لاہور ہائی کوٹ راولپنڈی بینچ میں حبس بے جا کی رٹ دائر کر دی۔ اسی روز راؤ ظفر اقبال ایڈوکیٹ چیف کوارڈی نیٹر نیشنل کونسل فار ہیومن رائٹس پاکستان نے بھی ممتاز ایٹمی سائنسدانوں کو حراست میں لئے جانے پر لاہور ہائی کورٹ لاہور بینچ میں کونسل کی طرف سے رٹ دائر کی اور موقف اختیار کیا کہ وزارت داخلہ کی آشیر باد سے ایجنسیوں نے جن سائنسدانوں اور دوسرے انتظامی افسروں کو زبردستی گھروں سے اغوا کیا ہے۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے انتھک محنت سے پاکستان کو ایٹمی طاقت بنایا۔ عالمی برادری میں پاکستان کا وقار بلند کیا' ایجنسیوں کی اس قسم کی غیر قانونی ،رغیر اخلاقی حرکات سے نہ صرف عوام میں خوف و ہراس پھیل رہا ہے بلکہ پاکستان کا سر شرم سے جھک گیا ہے۔ لاہور بینچ نے یہ درخواست بھی راولپنڈی بینچ میں منتقل کر دی تا کہ ایک جیسی درخواستوں کو ایک جگہ سنا جا سکے۔

21 جنوری کو ڈاکٹر شفیق الرحمان نے بیرسٹر طارق محمود کھوکھر کی وساطت سے ہائی کورٹ راولپنڈی بینچ میں ایک رٹ درخواست کے ذریعہ اپنے والد بریگیڈیر سجاول ڈائریکٹر جنرل ہیلتھ فزکس





ڈاکٹر عبدالمجید' سابق ڈائریکٹر جنرل فزکس ڈاکٹر منصور احمد' ہیڈ آف میزائل مینوفیکچرنگ سیکشن ڈاکٹر نسیم الدین اور سابق ڈائریکٹر جنرل سیکورٹی بریگیڈیر اقبال تاجور کی حراست کو چیلنج کر دیا' عدالت عالیہ کے فاضل جج مولوی انوار الحق نے دائر کردہ درخواستوں کی مشترکہ سماعت شروع کی تو درخواست گزاروں کے وکلا نے عدالت عالیہ کو بتایا کہ نسیم الدین نے غوری میزائل تیار کرنے اور ڈاکٹر عبدالمجید اور ڈاکٹر منصور احمد نے چاغی (بلوچستان) میں کئے جانے والے ایٹمی دھماکوں میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ فاضل عدالت نے حکومت سے جواب طلب کرتے ہوئے 23 جنوری کو سارا ریکارڈ پیش کرنے کا حکم سنایا۔

وفاق کی طرف سے 23 اور 27 جنوری کو کوئی تحریری جواب پیش نہ کیا گیا اور ڈپٹی اٹارنی جنرل چوہدری محمد طارق نے عدالت میں یہی موقف اختیار کئے رکھا کہ ابھی تک ایٹمی سائنسدانوں کے بارے میں کچھ علم نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔؟ اس پر جسٹس مولوی انوار الحق نے ریمارکس دیئے کہ عدالت کے علاوہ سب کو بتایا جا رہا ہے اخبارات میں بہت کچھ شائع ہو رہا ہے زیر حراست افراد کے اہل خانہ کو تو بتایا جائے کہ کیا ہو رہا ہے اور انہیں کیوں حراست میں لیا گیا ہے۔

اسی دوران میں چوہدری اکرم ایڈوکیٹ نے فاضل عدالت سے استدعا کی کہ ایٹمی سائنسدانوں کے بارے میں اخبارات میں توہین آمیز بیانات کی اشاعت پر پابندی لگائی جائے ایک مرحلے پر فاضل جج کے استفسار پر عدالت میں موجود ایٹمی سائنسدانوں کے اہل خانہ نے بھی اپنا دکھڑا بیان کیا۔ ان میں ڈاکٹر فاروق اور ڈاکٹر نذیر کی صاحبزادیاں اور میجر اسلام الحق کے بھائی شامل تھے۔ ان میں سے بعض اپنا دکھ بیان کرتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ جس پر عدالت میں موجود افراد کی آنکھوں سے بھی آنسو چھلک پڑے اور فاضل جج بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے انہوں نے سائنسدانوں کے متعلقین کو صبر کی تلقین کی۔

27 جنوری کو لاہور ہائیکورٹ راولپنڈی بینچ کے فاضل جج جسٹس مولوی انوار الحق کی عدالت میں سرکاری وکیل طارق شمیم ایڈوکیٹ نے بتایا' کہ کے آر ایل کے ایک افسر منصور احمد کو رہا کر دیا گیا ہے۔ معزز جج کے استفسار پر طارق شمیم ایڈوکیٹ نے کہا کہ سائنسدانوں کو عدالت میں پیش کرنے کے دوران اگر ان کے ساتھ کوئی برا واقعہ رونما ہو گیا تو الزام حکومت پر آئے گا۔ ان کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے انھیں بھارت یا کوئی اور اغوا کر سکتا ہے۔ غیر ملکی میڈیا اسے مزید اچھالے گا۔ جوہری سائنسدانوں نے معلومات کو خفیہ رکھنے کا حلف اٹھایا تھا۔ اس کا کیا ہوا؟ انہوں نے ذاتی فائدے کیلئے جو کچھ کیا اس کا انھیں جواب دینا پڑے گا۔ فاضل جج کے استفسار پر کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اسے تحریری طور پر عدالت میں کیوں پیش نہیں کرتے۔ طارق شمیم نے جواب دیا یہ بہت سنجیدہ معاملہ ہے اگر ہم نے مقدمات رجسٹر کر لئے تو پھر کلیئر

فاضل جج نے ریمارکس دیئے کہ

"ہر کوئی کہہ رہا ہے کہ سیریس معاملہ ہے میری عدالت میں آ کر کوئی سنجیدہ نہیں ہے ٹرائل عدالت کے اندر ہونا چاہیے نہ کہ باہر۔"

عدالت نے مزید کہا کہ

"پریس خوش قسمت ہے اسے سب کچھ بتایا جا رہا ہے۔ لیکن عدالت کو اعتماد میں نہیں لیا جا رہا"

سرکاری وکیل نے اس بنا پر سماعت بند کمرے میں کرنے کی درخواست کی کہ درخواست گزاروں کے وکیل صدر، فوج اور کور کمانڈروں کے بارے میں غیر ذمہ دارانہ باتیں کر رہے ہیں۔ لیکن عدالت نے پہلے تحریری جواب پر اصرار کیا۔ اسی مرحلے پر درخواست گزار حسام الحق کی اس بات پر کہ "ہمیں اپنا بھائی چاہیے، جاب نہیں چاہیے" سرکاری وکیل نے طنزاً کہا "بہت پیسہ بنالیا ہے اسلئے آپ کو نوکری کی ضرورت نہیں" ان ریمارکس پر کمرہ عدالت میں ہنگامہ ہو گیا اور زیر حراست سائنسدانوں کے رشتہ دار وکلا اور دیگر حاضرین نے "شیم شیم" کے نعرے لگائے۔ سرکاری وکیل اور سائنسدانوں کے اہل خانہ کے درمیان تلخ جملوں کا تبادلہ بھی ہوا۔ ناخوشگوار صورتحال دیکھ کر جسٹس مولوی انوار الحق نے سماعت ملتوی کر دی اور کمرہ عدالت سے اٹھ کر اپنے چیمبر میں چلے گئے۔ بعد ازاں چوہدری اکرام ایڈووکیٹ نے ایٹمی سائنسدانوں کے اہل خانہ اور دیگر افراد کو متنبہ کیا کہ وہ عدالت کے وقار کو ملحوظ خاطر رکھیں، ورنہ وہ درخواستوں کی پیروی نہیں کریں گے۔ ڈپٹی اٹارنی جنرل نے سائنسدانوں کے اہل خانہ سے طارق شمیم ایڈووکیٹ کے ریمارکس پر معذرت کی۔

29 جنوری 2004 کو بھی وفاق کی طرف سے کوئی جواب داخل نہ کرایا گیا اس پر فاضل جج نے دلائل سننے کے بعد ڈپٹی اٹارنی جنرل کو حکم دیا کہ تحریری جواب جمعہ 30 جنوری تک ہر صورت پیش کیا جائے، معزز جج نے وفاقی وزیر اطلاعات کے سائنسدانوں کے بارے میں بیانات کی وضاحت کے ساتھ ساتھ زیر حراست میجر اسلام الحق کے بھائی احتشام الحق کے سکول پر خفیہ اداروں کے چھاپے اور ان کو ہراساں کرنے کی بھی حکومت سے وضاحت طلب کر لی۔ کیونکہ سرکاری وکیل طارق شمیم نے موقف اختیار کیا کہ جوہری سائنسدانوں کو آرمی ایکٹ کے تحت گرفتار کیا گیا ہے اور اس میں پروڈکشن لازمی نہیں۔ اس پر فاضل جج نے سرکاری وکیل کو توجہ دلائی کہ اس سے ایک نیا پنڈورا باکس کھل جائے گا۔ کیونکہ احتشام الحق کا ایک بیان حلفی عدالت میں پیش کیا گیا کہ گذشتہ روز (28 جنوری) کو ان کے سکول میں چند مشتبہ افراد داخل ہوئے انہوں نے وہاں تصویریں اتاریں اور انھیں ہراساں کیا۔

30 جنوری 2004 کو درخواستوں کی سماعت جسٹس مولوی انوار الحق اور جسٹس منصور احمد خاں پر مشتمل ڈویژن بینچ نے کی۔ ڈویژن بینچ چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ نے حکومت کی درخواست پر





تشکیل دیا تھا، لیکن حکومت اس روز بھی تحریری جواب پیش نہ کر سکی۔ حالانکہ پانچ مرتبہ حکومت کو تحریری جواب داخل کرانے کے لئے کہا جا چکا تھا۔ سینئر جج جسٹس مولوی انوار الحق نے اس معاملے کا سخت نوٹس لیا انہوں نے ڈپٹی اٹارنی جنرل سے کہا کیوں نہ عدالتی احکامات کی عدم تعمیل پر سیکرٹری داخلہ سمیت تمام رسپانڈنٹس کو توہین عدالت کے نوٹس جاری کر دیئے جائیں۔۔ ڈپٹی اٹارنی جنرل نے زبانی بحث میں موقف اختیار کیا کہ یہ افراد حراست میں نہیں ہیں۔ بلکہ انہیں ذاتی طور پر پابند کیا گیا ہے وہ Personal Restrict ہیں۔ اور سرکاری وکیل طارق شمیم نے کہا کہ افراد ذاتی طور پر پابند نہیں بلکہ انہیں صرف پابند کیا گیا ہے۔ عدالت نے اظہار برہمی کرتے ہوئے کہا کہ ڈپٹی اٹارنی جنرل کچھ کہہ رہے ہیں اور سٹینڈنگ کونسل کا بیان کچھ اور ہی ہے یہ خود ایک بات پر متفق نہیں ہیں۔ اٹارنی جنرل کو اس کیس میں خود پیش ہونا چاہیے تھا۔ فاضل عدالت نے شاہ خاور ایڈووکیٹ کی طرف سے پیش کردہ ایک درخواست پر حکم دیا کہ نظر بندوں کے عید کا دن 9 بجے سے 4 بجے شام تک خاندان کے ساتھ گزارنے کا بندوبست کیا جائے 9 فروری 2004 کو بھی وفاق نے وعدہ کے باوجود رٹ پٹیشنز کا کوئی تحریری جواب عدالت میں پیش نہ کیا البتہ فاضل عدالت کے سامنے زیر حراست افراد کی نظر بندی کے احکام کی نقول پیش کی گئیں جو 31 جنوری 2004 کو وزارت داخلہ کے ڈپٹی سیکرٹری سلطان احمد خان کے دستخط سے جاری ہوئے تھے اس نوٹیفکیشن کے مطابق تمام افراد کو سیکورٹی آف پاکستان ایکٹ 1952 تحت تین ماہ کے لئے نظر بند کیا گیا تھا۔ حکومت کی طرف سے اٹارنی جنرل مخدوم علی خاں اور ڈپٹی اٹارنی جنرل چوہدری محمد طارق پیش ہوئے۔ درخواست دہندگان کے وکلا نے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ حکمرانوں کی بدنیتی کی انتہا ہے کہ پہلے سرکاری وکیل کہتے رہے کہ انہیں آرمی ایکٹ کے تحت گرفتار کیا گیا ہے اب سیکورٹی آف پاکستان ایکٹ کے تحت حراست ظاہر کر رہے ہیں اور نظر بندوں کے نوٹس میں وجوہ اور ان کو رکھے جانے کی جگہ کا ذکر نہیں ہے فاضل عدالت نے رسپانڈنٹس کی طرف سے تحریری جواب داخل کرانے پر اصرار کیا تو اٹارنی جنرل نے کہا، کہ معاملہ انتہائی حساس نوعیت کا ہے اس لئے ہر بات تحریری طور پر نہیں بتائی جا سکتی۔ نظر بندی احکام میں جگہ کا ذکر سیکورٹی کے نقطہ نظر سے نہیں کیا گیا۔

آخر 11 فروری 2004 کو جو ساتویں پیشی تھی لاہور ہائیکورٹ راولپنڈی بینچ میں وفاقی حکومت کا تحریری جواب وزارت داخلہ کے ڈپٹی سیکرٹری سلطان احمد خان کے دستخطوں سے داخل کرایا گیا کہ نظر بند افراد کو سیکورٹی آف پاکستان ایکٹ 1952 کے تحت حراست میں لیا گیا ہے اور یہ آئین کی دفعہ 10 کے تحت قانون کے مطابق ہے۔ اٹارنی جنرل نے عدالت کو بتایا کہ ان افراد کو اس لئے سیکورٹی آف پاکستان ایکٹ 1952 کے تحت حراست میں لیا گیا کہ وہ ایٹمی ٹیکنالوجی سے متعلقہ سیکرٹ

کوڈ، جوہری مواد، مشینری، آلات، پرزہ جات، معلومات، اہم دستاویزات، پلان، ماڈل اور نوٹس بعض ممالک اور غیر ملکی افراد کو دیتے رہے ہیں انہوں نے اپنی حیثیت اور اختیارات کا غلط استعمال کیا ہے ان افراد کو حراست میں رکھنے کے بارے میں سیکورٹی آف پاکستان ایکٹ کے تحت حکم بھی سامنے آچکا ہے اس لئے حبس بے جا کی تمام رٹ پٹیشنز غیر موثر ہو جاتی ہیں۔ اسی دوران میں محمد اکرام چوہدری ایڈووکیٹ نے عدالت میں ایک درخواست دی کہ میجر ریٹائرڈ اسلام الحق کی والدہ مسماۃ شمس النساء موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا اور کے آر ایل ہسپتال میں زیر علاج ہیں وہ اپنے بیٹے اسلام الحق سے ملاقات کے لئے تڑپ رہی ہیں۔ انہیں یکم فروری کو ہسپتال میں داخل کرایا گیا اسلیئے وہ عید کے دن بھی اپنے بیٹے سے ملاقات نہیں کر سکیں، اٹارنی جنرل نے کہا کہ اس بارے میں حکومت سے ہدایات لیکر جواب دیں گے۔ تاہم عدالت نے اٹارنی جنرل کو مریضہ سے میجر اسلام کی فوری ملاقات کرانے کا حکم دیا۔

## ضعیف خاتون کے ساتھ سلوک

میجر اسلام الحق کی بیمار ماں سے ملاقات کرانے کے عدالتی حکم کے ردعمل میں 12 فروری کی صبح ہی ہسپتال انتظامیہ نے مریضہ کے ڈاکٹر سے مشورہ کئے بغیر ہسپتال سے ڈسچارج کرنے کی سلپ تھمادی جو وہاں موجود ان کی بیٹی ثمینہ کے لئے حیرت کا باعث تھی ایک روز پہلے ہی معالج نے مریضہ کو بستر پر رہنے کی تاکید کی تھی، وہ اتنی کمزور اور لاغر ہو چکی تھیں کہ چلنے پھرنے کی پوزیشن میں نہ تھیں۔ حسام الحق اور احتشام الحق ہسپتال پہنچے تو اس وقت بوڑھی خاتون کو وھیل چیئر پر ڈال کر لفٹ کی طرف لیجایا جا رہا تھا 'دونوں بھائی سٹاف کے روکنے کے باوجود مریضہ کو واپس کمرے میں لائے۔ اور ایڈمنسٹریٹر کرنل نعیم سے احتجاج کیا تو انہوں نے کہا کہ "میں مجبور ہوں انہیں ہسپتال میں مزید نہیں رکھ سکتا، سیکورٹی کا معاملہ ہے۔"

دونوں بھائیوں کا احتجاج جاری رہا تو کرنل نعیم نے مریضہ کے معالج ڈاکٹر سلیم قریشی کو بلایا۔
انہوں نے معائنہ کے بعد مریضہ کو ہسپتال میں رکھنے کا مشورہ دیا اور مزید کچھ ٹیسٹ تجویز کئے یوں انہیں دوبارہ ری ایڈمٹ کیا گیا۔ ڈاکٹر سلیم قریشی پر مسلسل دباؤ رہا کہ مریضہ کو جلد ہسپتال سے فارغ کریں مگر انہوں نے پیشہ ورانہ اخلاقیات سے انحراف کرنے سے انکار کر دیا۔ 17 جنوری کو چونکہ عدالت عالیہ میں درخواستوں کی سماعت تھی اسلیئے 16 جنوری کو ایک بار پھر ڈاکٹر سلیم قریشی سے استفسار کیا گیا انہوں نے مریضہ کو ہسپتال سے فارغ نہ کرنے کا مشورہ دیا تو عدالت میں جواب دہی کے خوف کے پیش نظر اسلام الحق کی اپنی ضعیف اور مریض والدہ سے تقریباً 9 بجے شب اس طرح ملاقات کرائی گئی کہ آدھ گھنٹے قبل کے آر ایل ہسپتال کو چاروں طرف سے مکمل سیل کر دیا گیا ٹیلی فون ایکسچینج بند کر دی گئی، سیکورٹی سخت کر دی گئی





ہسپتال کو عملاً بیرونی دنیا سے کاٹ دیا گیا، ہسپتال کا نرسنگ اور دیگر سٹاف ہٹا دیا گیا۔ ان کی جگہ سادہ پوش سیکورٹی کے افراد نے لے لی اس ایمرجنسی پر سب حیران تھے۔ پھر اچانک ہسپتال میں تین چار گاڑیاں آگے پیچھے داخل ہوئیں۔ کالے شیشوں والی ایک گاڑی سے دو سادہ پوش سیکورٹی افسران کی نگرانی میں میجر ریٹائرڈ اسلام الحق باہر آئے اور انھیں مریض والدہ کے کمرے میں لے جایا گیا تو بیٹے کو اچانک یوں سامنے پا کر ماں کی ساری ممتا آنکھوں میں سمٹ آئی اور جیسے ہی بیٹا ماں کے گلے لگا آنسوؤں کی جھڑی بہہ نکلی یہ ملاقات تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی جس میں بیٹی ثمینہ کے علاوہ آئی ایس آئی کے افسران بھی موجود رہے جو ماں بیٹے کی جذباتی ملاقات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے اور کہنے لگے "ماں جی! دعا کیجئے انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا" ملاقات میں ماں بیٹے کو ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتی رہی اور بیٹا ماں کو دلاسہ دیتا رہا "میں نے کوئی جرم نہیں کیا ملک وقوم کی خدمت کی ہے اللہ ضرور مدد کرے گا" میجر اسلام نے بہن ثمینہ کو بھی ماں کی تیمارداری کرنے اور حوصلہ رکھنے کی تلقین کی۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی ملاقات کے بعد جب میجر اسلام اور سیکورٹی والے چلے گئے تو ہسپتال کے تمام دروازے کھل گئے لوگ ہسپتال میں اس ایمرجنسی اور اس کرفیو کے نفاذ پر حیران تھے۔ جب انھیں حقیقت کا علم ہوا تو وہ دنگ رہ گئے کہ یہ کیا تھا؟ ملک کی خدمت کا یہی صلہ ہے؟ وہ انتظامیہ کی اس قدر احتیاط پر کھلے الفاظ میں برس رہے تھے۔

17 فروری کو ہائی کورٹ کا ڈویژن بینچ سماعت کے لئے بیٹھا تو نظر بندوں کے وکلا نے موقف پیش کیا کہ حکومت نے اس کیس میں غیر ذمہ داری اور سائنسدانوں کے معاملے میں بدنیتی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ایف بی آئی ملک کے چھ بڑے ایئر پورٹس پر موجود ہے۔ اس کیس میں آئین کے آرٹیکل 10 اور 6 کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ زیر حراست افراد کے متعلق یہ نہیں بتایا جا رہا کہ وہ لوگ کہاں ہیں اور انہیں کیا سہولتیں دی جا رہی ہیں۔ امریکہ کا سخت دباؤ ہے ایٹمی سائنسدانوں کی جان کو خطرہ ہے دوسرے یہ کہ سرکار کی طرف سے جو جواب داخل کیا گیا ہے وہ دراصل آئی ایس آئی نے تیار کیا اس پر دستخط وزارت داخلہ کے ڈپٹی سیکرٹری نے کئے اور جواب کے ساتھ حلفیہ بیان بھی داخل نہیں کیا گیا اور حراست بھی آئی ایس آئی کے ذریعہ عمل میں لائی گئی جبکہ وہ اس کی مجاز نہیں تھی پہلے کہا گیا کہ تفتیش ہو رہی ہے پھر سیکورٹی آف پاکستان ایکٹ کا ذکر کیا گیا جواب تضادات پر مبنی اور ناکافی مواد کے ساتھ داخل کیا گیا عدالت سے استدعا ہے کہ نظر بندوں کو عدالت میں پیش کرنے کا حکم صادر کرے۔

18 فروری کی سماعت میں اٹارنی جنرل مخدوم علی خاں نے موقف اختیار کیا کہ نظر بند چونکہ سیکورٹی آف پاکستان ایکٹ کے تحت حراست میں لئے گئے ہیں اور اس میں سماعت کا فورم ریویو بورڈ ہے جو ان افراد کی حراست کے تین ماہ مکمل ہونے پر چیف جسٹس آف پاکستان تشکیل دیں گے اسلیئے یہ

**IN THE LAHORE HIGH COURT**
**RAWALPINDI BENCH RAWALPINDI**

W.P.NO 448 /2004

Nilofar Islam w/o Islam-ul-Haq r/o H.NO 791, Street 1,
Chaklala Scheme No. III, Rawalpindi

Petitioner

Versus

1. Federation of Pakistan through Fed. Sec. Interior Islamabad.
2. Maj. Gen. Shaukat sultan D.G. ISPR. through Ministry of defence, Rawalpindi
3. D.G. ISI, Islamabad.

Respondents

**Petition u/a 199 of Constitution of Islamic Republic of Pakistan 1973 (as amended uptodate) for Habeas Corpus.**

Respectfully Sheweth,

1. The petitioner is a law abiding, patriot and a respectable citizen.

2. That the petitioners husband Maj. (R) Islam-ul-Haq was forcibly and without any valid warrant was taken away from the house of Dr. Abdul Qadir Khan in Sector E-7, Islamabad on 17-01-2004 at 8.30 P.M by two army officers in uniform belonging to the office of Respondent No. 3.

3. That the petitioner was informed by Dr. Abdul Qadeer Khan on telephone about the incident, since the detenue is the Principal Staff Officer of Dr. Abdul Qadeer Khan and holds office of Director at KRL Kahutta.

4. That life and the liberty of detenue and of the petitioner is in danger and detenue is in the custody of respondent no 3 managed by respondent no 1 and 2.

عدالتی جنگ' لاہور ہائی کورٹ کے راولپنڈی بینچ میں رٹ پٹیشن کا عکس





پٹیشنز خارج کردی جائیں نیز یہ کہ ملکی سلامتی کے حوالے سے اہم نوعیت کے حساس معاملات کا بتانا ضروری نہیں ہوتا۔ جسٹس مولوی انوارالحق نے آبزرویشن دی کہ آپ کا کہنا ہے کہ انسانی حقوق کا معاملہ ہو تب کچھ نہیں بتایا جا سکتا پھر اس کیس میں تو ٹیلی ویژن چینل اور دوسرے فورمز پر ذمہ دار لوگ جو باتیں کر رہے ہیں ان کو بھی یہ فیصلہ بھجوائیں۔

19 فروری کو سیکورٹی آف پاکستان ایکٹ 1952 کے تحت نظر بند کے آر ایل کے ایٹمی سائنسدانوں اور سینئر انتظامی افسران کے خلاف اٹارنی جنرل مخدوم علی خاں نے عدالت عالیہ کے ڈویژن بینچ کے سامنے خفیہ مواد ان کے چیمبر میں پیش کر دیا۔ لاہور ہائی کورٹ راولپنڈی کے ڈویژن بینچ نے کے آر ایل کے ایٹمی سائنسدانوں اور ان سے متعلقہ انتظامی افسران کی حبس بے جا کی درخواستوں کو اٹارنی جنرل آف پاکستان کے موقف سے اتفاق کرتے ہوئے 23 فروری کو خارج کرنے کا حکم سنایا اور نظر بندوں کی سیکورٹی آف پاکستان ایکٹ کے تحت نظر بندی کو جائز قرار دیدیا۔

## ایف آئی آر کو اوپن کرنے کی درخواست

دریں اثنا میجر ریٹائرڈ اسلام الحق کی طرف سے ایٹمی ٹیکنالوجی کی منتقلی کے الزام میں پولیس سٹیشن چکلالہ میں ان کے خلاف درج ایف آئی آر کو اوپن کرنے اور اس کی نقل فراہم کرنے کے لئے ایک رٹ درخواست 21 فروری کو عدالت عالیہ میں جمع کرائی گئی' جو رجسٹرار آفس نے اس اعتراض کے ساتھ واپس کردی کہ درخواست دہندہ کی پاور آف اٹارنی مجاز اتھارٹی کی تصدیق شدہ نہیں ہے۔ اس موقف کے ساتھ درخواست دوبارہ عدالت عالیہ میں جمع کرائی گئی کہ وزارت داخلہ کے متعلقہ افسران نے پاور آف اٹارنی کی تصدیق سے انکار کر دیا ہے مگر دوسری درخواست بھی رجسٹرار آفس سے 24 فروری کو درخواست اس اعتراض کے ساتھ دوبارہ واپس کردی کہ اس کے لئے پہلے علاقہ مجسٹریٹ اور اس کے انکار پر ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج سے رجوع کرنا چاہیے تھا۔ اسلئے رٹ قابل سماعت نہیں ہے۔ اس پر درخواست دوبارہ عدالت عالیہ میں جمع کرواتے ہوئے استدعا کی گئی کہ رٹ کو اعتراضات سمیت فوری سماعت کیلئے عدالت کے روبرو پیش کیا جائے کیونکہ عدالتی انتظامیہ ایسی کاروائی سے عدالتی اختیار کو سلب کرنے کی کوشش کر رہی ہے جو سراسر حکومتی دباؤ کا نتیجہ ہے۔ انصاف کے حصول کے لئے الزامات کی نوعیت اور ان کی تفصیل حاصل کرنا درخواست گذار کا حق ہے۔ یہ درخواست بھی 26 فروری کو عدالتی انتظامیہ کی طرف سے وکالت نامہ پر میجر اسلام الحق کے حراست میں رکھنے والی ایجنسی کی مہر ثبت نہ ہونے کے اعتراض کے ساتھ واپس آ گئی۔ 27 فروری کورٹ چوتھی بار اس وضاحت کے ساتھ عدالت

عالیہ کے دفتر میں جمع کرائی گئی۔ وزارت داخلہ میجر اسلام کے دستخطوں کی تصدیق کرنے سے گریزاں ہے کیس کی سماعت کے لئے 3 مارچ کی تاریخ دی جائے مگر یہ درخواست بھی اس اعتراض کے ساتھ واپس آ گئی کہ ریویو بورڈ میں ری پریزنٹیشن کے ذریعہ ازالے کی صورت موجود ہے۔ پانچویں بار رٹ داخل کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا گیا کہ ''موجودہ درخواست مبینہ ایف آئی آر کے بارے میں ہے اور عدالتی انتظامیہ کا اعتراض بلا جواز اور حکومتی دباؤ کا نتیجہ ہے'' وکیل نے مزید لکھا کہ ''آپ فائل کیوں فاضل جج کے روبرو پیش نہیں کر رہے اگر کوئی اور وجہ ہے تو براہ کرم لکھ دیجئے آپ کو قانون اور روایات کے منافی فائل اپنے پاس رکھنے کے لئے کون مجبور کر رہا ہے'' لیکن درخواست گذار کے وکیل کے جواب کی آخری سطور کو قابل اعتراض قرار دیتے ہوئے 15 مارچ کو درخواست ایک بار پھر واپس کر دی گئی۔

## عدالت عظمیٰ میں

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میجر اسلام الحق اور ڈاکٹر فاروق کی طرف سے حکومتی اقدامات کے خلاف چوہدری محمد اکرام ایڈوکیٹ نے آئین کے آرٹیکل 184(3) کے تحت آئینی درخواستیں عدالت عظمیٰ میں دائر کر دیں دریں اثناء ڈاکٹر فاروق اور میجر اسلام الحق کو ملازمت سے برطرف کر دیا گیا اور اس کے لئے کسی شوکاز کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی گئی۔ 10 اپریل 2004 کو ایٹمی پھیلاؤ کے الزام میں نظر بند سائنسدان نسیم الدین احمد اور بریگیڈیر اقبال تاجور اور ایک تاجر اعزاز جعفری کو رہا کر دیا گیا البتہ ان کی نقل حرکت پر پابندی عائد کر دی گئی۔ نیوز ایجنسی آن لائن کے مطابق کسی کو ان افراد سے ملنے نہیں دیا جا رہا جبکہ ڈاکٹر مجید' ڈاکٹر یاسین' ڈاکٹر منصور اور سعید احمد کو 23 جنوری کو رہا کیا گیا تھا اور ڈاکٹر زبیر کو بھی اس سے پہلے گھر واپس بھجوا دیا گیا تھا ان سب کو خاموش رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

## نظر بندی میں توسیع

ریویو بورڈ نے 15 اپریل کے اجلاس میں ڈاکٹر فاروق' ڈاکٹر نذیر' بریگیڈیر سجاول اور میجر اسلام الحق کی نظر بندی میں مزید تین ماہ کی توسیع کر دی میجر اسلام الحق نے چوہدری اکرام ایڈوکیٹ کی وساطت سے سپریم کورٹ آف پاکستان میں 24 اپریل کو ایک ضمنی آئینی درخواست دائر کی کہ

> ''درخواست گزار کو ریویو بورڈ کے دو ارکان کے سامنے میجر جنرل بلال اور آئی ایس آئی کے دوسرے افسران کی موجودگی میں پیش کیا گیا تھا۔ میجر جنرل بلال نے ایک فائل پیش کی اور تحریری بیان پڑھا کہ پٹیشنر ایٹمی ٹیکنالوجی کی منتقلی میں ملوث نہیں تھا اسے محض ڈاکٹر خاں کی آمدنی واخراجات کے اکاؤنٹس کی تصدیق کے لئے نظر بند کیا گیا تھا اور انکوائری مکمل ہو چکی ہے۔ پٹیشنز





> نے جب بورڈ کو معروضات پیش کرنا چاہیں اور بتایا کہ حسابات ڈاکٹر خان کے یوٹیلٹی بلز اور عطیات کے حوالے سے تھے تو اسے بورڈ اور جنرل بلال کی طرف سے زیادہ باتیں نہ کرنے 'خاموش رہنے اور ''جنرل بلال سے تعاون کرنے'' کا مشورہ دیا گیا اور بلا جواز غیر قانونی وغیر آئینی نظر بندی میں تین ماہ کا اضافہ کر دیا گیا درخواست گذار کو قید تنہائی میں رکھا گیا ہے. ناکافی خوراک دی جاتی ہے قانون کے منافی رویہ رکھا جا رہا ہے درخواست گزار روشندان کے بغیر کمرے میں بند ہے' ورزش کرنے' اخبار پڑھنے یا کوئی اور سہولت فراہم نہیں کی جاتی۔ کھانا لانے والے کو بھی بات کرنے کی اجازت نہیں افراد خانہ جب ملنے آتے ہیں تو انھیں درخواست گزار سے ایک میٹر دور رکھا جاتا ہے اور آئی ایس آئی کے محافظ سر پر سوار رہتے ہیں۔ اسلئے بچوں سے سرگوشیوں میں بات کرنا پڑتی ہے۔''

26 مئی کو ایک اور ضمنی درخواست دائر کی گئی جس میں عدالت کو بتایا گیا کہ مستقل ذہنی وجسمانی اذیت' تنگ و تاریک اور انتہائی گرم کمرے میں قید تنہائی کے باعث درخواست گزار کی ذہنی وجسمانی صحت پر برا اثر پڑ رہا ہے اور وہ (پارکنسکنیز) دائیں ہاتھ کے رعشہ کے مرض میں مبتلا ہو گیا ہے۔ درخواست گذار نے ریویو بورڈ کے سامنے کوئی معروضات پیش نہیں کیں کیونکہ رسپانڈنس سے سہولت ملنے کا کوئی امکان نہیں تھا ہائی کورٹ نے بھی انصاف نہیں دیا اسلئے فاضل عدالت عظمیٰ سے رجوع کیا ہے۔ ان درخواستوں پر عدالت عظمیٰ نے ابھی کوئی فیصلہ نہ دیا تھا کہ 15 جولائی کو ریویو بورڈ نے تمام نظر بندوں کی حراست میں مزید تین ماہ کا اضافہ کر دیا۔ لیکن 25 جولائی 2004 کو ڈاکٹر نذیر احمد' بریگیڈیر سجاول اور میجر اسلام الحق کو رہا کر دیا گیا۔ پاک فوج کے ترجمان نے بتایا کہ ان سے پوچھ گچھ کا کام مکمل ہو گیا ہے ضرورت پڑی تو انھیں دوبارہ تفتیش کے لئے بلایا جا سکتا ہے۔

## محسن پاکستان کی طرف سے رٹ

محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر کی نظر بندی کے حوالے سے حکومت نے یہ موقف اختیار کر رکھا ہے کہ انہیں نظر بند نہیں کیا گیا اور وہ آزاد شہری ہیں جبکہ وہ اپنے گھر ای سیون میں نظر بند ہیں ان سے کسی کو ملاقات کرنے کی اجازت ہے نہ کوئی فون پر بات کر سکتا ہے۔ اس بارے میں محسن پاکستان کے سابق پرنسپل سٹاف افسر میجر (ر) اسلام الحق کے بڑے بھائی حسام الحق نے سپریم کورٹ بار کے نائب صدر معروف قانون دان ایڈوکیٹ محمد اکرام چوہدری کے ذریعہ عدالتی محاذ پر جو کوشش کی ہے تا دم تحریر اس کا بھی کوئی ٹھوس نتیجہ سامنے نہیں آیا۔

حسام الحق کی طرف سے پہلی رٹ درخواست 6 فروری 2004 کو لاہور ہائی کورٹ کے

راولپنڈی بینچ میں داخل کرائی گئی اس میں وفاق پاکستان بذریعہ سیکرٹری وزارت داخلہ میجر جنرل شوکت سلطان ڈی جی آئی ایس پی آر اور چیئرمین نیشنل کمانڈ اینڈ کنٹرول اتھارٹی کو فریق بنایا گیا تھا۔رٹ درخواست اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین (ترمیم شدہ)1973 کے آرٹیکل 9 کے تحت دائر کی گئی۔اور موقف اختیار کیا گیا کہ ڈاکٹر خان پاکستان کے جوہری پروگرام کے بانی تخلیق کار اور سربراہ ہیں۔انہوں نے اپنی زندگی وطن عزیز کو ایٹمی صلاحیت سے لیس کرنے کے لئے وقف کردی اور ہم (پاکستان) المیہ 1971 کے بعد سے انہی کے باعث بھارتی جارحیت سے محفوظ ہیں۔درخواست دہندہ کو نہ صرف بتایا گیا بلکہ اس نے خود دیکھا ہے کہ ڈاکٹر خان کی رہائش گاہ کو پولیس،سیکورٹی اور مسلح افواج نے گھیرے میں لے رکھا ہے درخواست دہندہ نے خود یا بعض دوسرے افراد کی مدد سے ڈاکٹر خان سے رابطہ اور ملنے کی کوشش کی تو اسے اجازت نہ دی گئی اس سے ظاہر ہے کہ ڈاکٹر خان رسپانڈنٹس کی غیر قانونی حراست میں ہیں۔درخواست میں مزید کہا گیا کہ ڈاکٹر خان اور کے آر ایل کے بعض دوسرے ایٹمی سائنسدانوں کے خلاف سرکاری ٹیلی ویژن اور بعض اخبارات میں گذشتہ چند ہفتوں سے ذاتی منفعت کیلئے ایٹمی ٹیکنالوجی دوسرے ملکوں کو منتقل کرنے کے الزام میں جاری مہم بدنیتی پر مبنی ہے نیز یہ مہم جنرل پرویز مشرف کی حکومت کے لئے امداد وحمایت حاصل کرنے کیلئے چلائی جارہی ہے۔درخواست دہندہ کو یقین ہے کہ پاکستان ٹیلی ویژن پر ڈاکٹر خاں نے ایٹمی منتقلی کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے جو تقریر کی ہے وہ رسپانڈنٹس کی سخت دھمکی دباؤ اور دھونس کے تحت کی گئی ہے تاکہ وہ خود یعنی مدعا علیہان محفوظ رہیں خواہ ملکی سالمیت اور خودمختاری کو نقصان پہنچ جائے۔حالانکہ لیبیا کے کرنل قذافی کے بیٹے سیف الاسلام اور ایران کی وزارت خارجہ پہلے ہی اپنے ملکوں کے ایٹمی پروگرام میں پاکستان کے کسی بھی طرح ملوث ہونے کی تردید کر چکے ہیں۔درخواست دہندہ کا پورا گمان ہے کہ ڈاکٹر خان اور ان کی اہلیہ کو رسپانڈنٹس نے گھر پر نظر بند کر رکھا ہے۔نہ تو کسی کو ان سے بات کرنے کی اجازت ہے اور نہ کسی کو ان سے ذاتی طور پر ملنے دیا جاتا ہے۔اندریں حالات ڈاکٹر خان اور ان کا خاندان خوف وہراس کا شکار ہے اور ان کی زندگی اور آزادی خطرے میں ہے۔آئینی تحفظات کی اس صریح خلاف ورزی جیسے خوفناک اقدامات اور رسپانڈنٹس کی بدنیتی دراصل امریکی ایجنڈے کو اور موجودہ حکومت کے ذاتی ایجنڈے کو آگے بڑھانے میں معاون ہے۔جنرل پرویز مشرف اور ان کی حکومت نے اپنی جان بچانے اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور دوسرے جوہری سائنسدانوں کو قربانی کا بکرا بنایا ہے۔تمام رسپانڈنٹس آئین کے آرٹیکل 4'5'9 اور 10 اور ملک کے دیگر قوانین کی کھلی خلاف ورزی کر رہے ہیں اور چونکہ اس کھلی ناانصافی کے ازالے کے لئے کوئی دوسرا متبادل راستہ فوری طور پر میسر نہیں اسلئے عدالت عالیہ سے رجوع





کیا جارہا ہے۔رٹ درخواست میں استدعا کی گئی کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی نظر بندی کو غیر قانونی اور غیر آئینی قرار دیتے ہوئے رسپانڈنٹس کو عدالت میں پیش کرنے کا حکم دیا جائے تاکہ وہ آزادانہ ماحول میں بیان دے سکیں۔ان کی نقل وحرکت پر کوئی پابندی نہ لگائی جائے'انھیں نقل وحرکت اور اظہار رائے کی کھلی آزادی ہو'رسپانڈنٹس کو پابند کیا جائے کہ وہ ڈاکٹر خان کی رہائش گاہ اور اس کے اردگرد سے فوج'پولیس اور دوسری ایجنسیوں کے افراد کو فوراً ہٹالیں اور ڈاکٹر خان کو مجرم بتانے اور ان کی شہرت وساکھ کو متاثر کرنے سے باز رہیں اور یہ کہ ڈاکٹر خان کو کسی بھی طرح اسلام آباد سے باہر منتقل نہ کریں۔

درخواست محمد اکرام چوہدری ایڈوکیٹ'سید مسعود حسین ایڈوکیٹ'محمد شعیب خان ایڈوکیٹ نے دائر کی۔لیکن عدالت عالیہ کے رجسٹرار آفس نے 9 فروری کو اعتراضات لگا کر واپس کردی کہ ایف آئی آر کے اندراج کے بعد حبس بے جا کی رٹ دائر نہیں کی جاسکتی ثانیاً یہ کہ پٹیشنر غیر متعلقہ شخص ہے (یعنی نظر بند سے کوئی رشتہ نہیں ہے اسلئے رٹ دائر نہیں کرسکتا۔)

چوہدری محمد اکرام ایڈوکیٹ نے اسی روز ان اعتراضات کا جواب دے کر رٹ دوبارہ دائر کردی چوہدری محمد اکرام نے موقف اختیار کیا کہ اگر ایف آئی آر درج ہوچکی ہے تو سرکاری وکیل کو عدالت میں بتانا چاہیے رجسٹرار آفس یہ اعتراض نہیں کرسکتا دوسرا یہ کہ آئین کے آرٹیکل 199 کے تحت کوئی بھی شخص خواہ وہ متاثرہ نہ ہو حبس بے جا کی رٹ دائر کرسکتا ہے۔اس کے بعد رٹ دوبارہ یہ اعتراض لگا کر واپس کردی گئی کہ درخواست دہندہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ متعلقہ ریکارڈ رٹ کے ساتھ لگائے۔چوہدری محمد اکرام کی طرف سے جواب دیا گیا کہ ایف آئی آر کے اندراج کا پہلے تو علم ہی نہ تھا اس کا علم جنرل پرویز مشرف کے بیان کے اخبارات میں شائع ہونے کے بعد ہوا تاہم رٹ کے فریقین کو خود پیش ہوکر جواب دینے کا موقع دیا جائے۔

دریں اثنا 9 فروری کو چوہدری اکرام نے ہائی کورٹ بار روم میں صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے پاکستان کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنایا ہے حکومت کو خدشہ ہے کہ اگر ڈاکٹر خان کو آزاد رکھا گیا تو وہ سب معاملات بے نقاب کردینگے۔رٹ پر رجسٹرار کی طرف سے بار بار اعتراض لگانا حکومت کی جانب سے تاخیری حربے استعمال کرنے کے مترادف ہے اور حکام عدالتی انتظامیہ کو آگے کرکے اپنی جان بچانا چاہتے ہیں۔

دوبارہ داخل کرائی گئی رٹ ایک ''اوبجیکشن کیس'' کے طور پر بارہ جنوری کو جناب جسٹس منصور احمد خان کے سامنے پیش کی گئی فاضل جج نے رجسٹرار آفس کے اعتراضات کو برقرار رکھا اس پر چوہدری اکرام ایڈوکیٹ اوران کے ساتھی وکلاء نے 17 فروری کو لاہور ہائیکورٹ راولپنڈی بینچ ہی میں سنگل جج

جسٹس منصور احمد خاں کے فیصلہ کے خلاف انٹرا کورٹ اپیل دائر کی اس میں کہا گیا کہ باوجود کوشش کے انہیں سنگل جج کے فیصلے کی نقل مہیا نہیں کی گئی بلکہ تین دن بعد بتایا گیا ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی نظر بندی کے معاملے میں رسپانڈنٹس مداخلت کر رہے ہیں حالانکہ ڈاکٹر خان کی زندگی اور آزادی خطرے میں ہے۔انھیں غیر قانونی طور پر نظر بند رکھا گیا ہے۔ 16 فروری کے ''روزنامہ ڈان'' میں ڈاکٹر خان پر ہارٹ اٹیک کے بارے میں چھپنے والی خبر نے عوام کو مزید پریشان کر دیا اور یہ کہا کہ بارہ فروری کے انتظامی حکم کا عدالتی نقطہ نظر سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔لیکن رجسٹرار آفس نے انٹرا کورٹ اپیل بھی یہ اعتراض لگا کر واپس کر دی کہ ایڈمنسٹریٹو آرڈر کے خلاف انٹرا کورٹ اپیل دائر نہیں کی جا سکتی' اس پر چوہدری محمد اکرام ایڈوکیٹ نے 18 فروری کو اعتراض کا جواب داخل کرتے ہوئے موقف اختیار کیا کہ ''انتظامی آرڈر صرف سینئر جج پاس کرتے ہیں جبکہ عدالت عالیہ کے دفتر کی طرف سے لگائے گئے اعتراض کو جسٹس منصور احمد نے درست قرار دیا ہے وہ سینئر جج نہیں ہیں اسلئے یہ اعتراض ختم کر کے انٹرا کورٹ اپیل سماعت کے لئے منظور کی جائے۔'' مگر عدالت عالیہ راولپنڈی بینچ کے آفس نے پھر یہ اعتراض لگا کر اپیل واپس کر دی کہ ''اعلیٰ عدالت کے فیصلہ (این ایل آر 1990 اپیل کیس 742) کے تحت انتظامیہ کے اعتراض پر انٹرکورٹ اپیل دائر نہیں ہو سکتی۔''

19 فروری کو چوہدری اکرام ایڈوکیٹ نے چوتھی مرتبہ رٹ درخواست عدالت عالیہ کے دفتر میں داخل کرتے ہوئے موقف اختیار کیا کہ ''رجسٹرار آفس کو اعتراض لگانے اور قانون نافذ کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ایسا صرف اسلئے کیا جا رہا ہے کہ رجسٹرار دفتر پر رسپانڈنٹس کا دباؤ ہے۔اسی لئے نظر بندی کے ایسے کیس میں بھی تاخیر کی جا رہی ہے جس کو فاضل عدالت عالیہ کو ''سووؤموٹو'' اختیارات کے تحت از خود سننا چاہیے۔ یہ انتہائی حساس نوعیت کا کیس ہے اسے فوری طور پر ڈویژن بینچ کے روبرو پیش کیا جائے تاکہ قانون کے مطابق فیصلہ ہو سکے۔'' لیکن 19 فروری ہی کو ایڈیشنل رجسٹرار نے اس اعتراض کے ساتھ رٹ درخواست پھر واپس کر دی کہ ''دفتر کے اعتراض کا جواب نہیں دیا گیا جبکہ لاریفارمز آرڈی ننس کے سیکشن (3) سب سیکشن (1) یا سب سیکشن (2) کے تحت انتظامی حکم ''سپیشل اور یجنل جیورسڈکشن'' کی تعریف میں آتا ہے جیسا کہ پی ایل ڈی 1974 لاہور-117 میں کہا گیا ہے۔''

چوہدری محمد اکرام ایڈوکیٹ نے 23 فروری کو اعتراض کا جواب داخل کرتے ہوئے موقف اختیار کیا کہ ''زیر بحث کیس میں پی ایل ڈی 1974 لاہور 117 کا حوالہ غیر متعلق ہے۔قانون کی تشریح صرف عدالتوں کا اختیار ہے اگر کوئی اعتراض ہے تو اس جواب سمیت فائل فاضل جج کو پیش کی جائے۔معاملہ فوری نوعیت کا ہے اسے بے بنیاد فنی وجوہ کی بنا پر موخر کیا جا رہا ہے۔''





اس سے قبل سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کے نائب صدر چوہدری محمد اکرام ایڈوکیٹ' شاہ خاور ایڈوکیٹ' بیرسٹر طارق محمود کھوکھر اور دوسرے وکلا نے اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ ''پاکستان کے ہر شہری کو جو حقوق حاصل ہیں وہ ایٹمی سائنسدانوں کو بھی حاصل ہیں۔اب جبکہ حکومت کی طرف سے بتایا گیا ہے کہ ڈاکٹر خان اور دیگر جوہری سائنسدانوں کے خلاف پولیس نے ایف آئی آر درج کر لی ہے' حکومت کا فرض ہے کہ ایف آئی آر کی نقل متعلقہ فریق کو مہیا کرے۔ایف آئی آر سیل کرنا ایٹمی سائنسدانوں کے خلاف امتیازی سلوک ہے ایسا کر کے حکومت عام شہریوں اور ایٹمی سائنسدانوں میں امتیاز اور دوہرا معیار اختیار کر رہی ہے۔اگر حکومت نے ایف آئی آر کو سیل کرنا تھا تو اسے خفیہ رکھا جانا چاہیے تھا بنیادی حقوق کا تقاضا ہے کہ ایف آئی آر کو اوپن کیا جائے۔'' انہوں نے 24 فروری کو عدالت عظمیٰ میں اپیل دائر کرنے کا اعلان کیا۔

24 فروری کو چوہدری اکرام ایڈوکیٹ اور ان کے رفقا سپریم کورٹ میں ڈاکٹر خان اور دوسرے سائنسدانوں کی نظر بندی کے خلاف اپیل دائر نہ کر سکے کیونکہ پارلیمنٹ لاجز میں سیاسی جماعتوں کے اجتماع میں خطاب کرنے پر پولیس نے چوہدری اکرام ایڈوکیٹ کے خلاف بھی ناقابل ضمانت دفعات کے تحت مقدمہ درج کر لیا تھا۔ادھر عدالت عالیہ میں راولپنڈی بینچ کے رجسٹرار نے محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی مبینہ نظر بندی کے خلاف انٹرا کورٹ اپیل پر لگائے گئے اعتراضات اور چوہدری محمد اکرام ایڈوکیٹ کے جوابات سمیت درخواست مزید پیش رفت کیلئے عدالت عالیہ کی پرنسپل سیٹ لاہور کو بھجوا دی چوہدری محمد اکرام نے عدالتی انتظامیہ کے اس اقدام پر شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ

> ''ہائی کورٹ کو آئین کی پاسداری کرتے ہوئے پہلی فرصت میں از خود نوٹس لیکر ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے پروڈکشن آرڈر جاری کرنے چاہیے تھے لیکن سنگین نوعیت کے اس معاملے پر آئین سے انحراف کرتے ہوئے انتظامیہ نے نظر بندی کے خلاف عدالت کا دروازہ بند کر کے آئینی حقوق کی خلاف ورزی کی بدترین مثال قائم کر دی ہے۔''

دریں اثنا 25 فروری کو حاجی گل احمد نامی کراچی کے ایک شہری نے بھی سندھ ہائی کورٹ میں ایک آئینی درخواست دائر کر دی جس میں موقف اختیار کیا گیا کہ

> ''ڈاکٹر خان پاکستان کی ایک معزز اور نامور شخصیت ہیں ان پر ایٹمی ٹیکنالوجی کی بیرون ملک منتقلی کا الزام لگا کر رسوا کرنا پوری قوم کو رسوا کرنے کے مترادف ہے۔ لہذا ان کا بیان عدالت میں قلمبند کر کے حقائق معلوم کئے جائیں اور یہ کہ پاکستان میں امریکی مداخلت ختم کرنے کے احکام جاری کئے جائیں اس کے علاوہ حکمرانوں کی جانب سے ایٹمی توانائی کے عالمی ادارے آئی اے ای اے

کو بھیجی گئی رپورٹ بھی عدالت میں طلب کی جائے۔''

25 فروری کو لاہور ہائی کورٹ لاہور کے چیف جسٹس افتخار حسین چوہدری نے محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر کی غیر اعلانیہ نظر بندی کے خلاف سپریم کورٹ بار کے نائب صدر چوہدری محمد اکرام ایڈووکیٹ کی طرف سے دائر کی جانے والی انٹرا کورٹ اپیل نا قابل سماعت قرار دیتے ہوئے رٹ واپس کرنے کا حکم دیا۔ چوہدری اکرام ایڈووکیٹ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا

''یوں محسوس ہو رہا ہے کہ شاید عدالت عالیہ میں ہماری اس سلسلے میں کوئی شنوائی نہ ہو اسلئے ہم اس معاملے کو سپریم کورٹ میں لے جائیں گے۔''

27 فروری کو محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی غیر اعلانیہ نظر بندی کے خلاف جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 184(3) کے تحت حبس بے جا کی درخواست سپریم کورٹ آف پاکستان میں دائر کر دی گئی پٹیشن میں ہائی کورٹ راولپنڈی بینچ کے رجسٹرار کے اعتراضات اور فیصلے کا ذکر کرتے ہوئے استدعا کی گئی

''واقعات کی ترتیب اور رجسٹرار کے دفتر کے احکامات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ انہوں نے بغیر کسی قانونی بنیاد کے فائل کو حرکت میں رکھا اور اسے فاضل جج کے سامنے پیش نہ کر کے عدالت عالیہ کی انتظامیہ نے بے دردانہ انداز میں ڈاکٹر خان کی نظر بندی کو طول دیا۔ نا قابل سماعت ہونے کے اعتراضات حکومتی دباؤ اور عدالتی نظام میں مداخلت کا نتیجہ تھے۔ حالانکہ معاملہ انتہائی سنگین ہے اور ڈاکٹر خان کی زندگی شدید خطرہ میں ہے ان کا کسی سے رابطہ نہیں' معاملے کو آئین کے تحت سوموٹو (Suo Moto) ڈیل کیا جا سکتا تھا۔ لیکن جس طرح انتہائی اہم معاملے کو لا پرواہی سے لیا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ درخواست دہندہ اور نظر بند ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے معاملے کو ایوان عدل میں دری کے نیچے دھکیلا جا رہا ہے اور چونکہ ازالہ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اسلئے انتہائی بے بسی میں آئین پاکستان کے آرٹیکل 184(3) کے تحت درخواست عدالت عظمیٰ میں دائر کی جا رہی ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا معاملہ چونکہ عوامی اہمیت اور بنیادی حقوق کے نفاذ کا ہے اسلئے اس کی جلد سماعت کی جائے۔ ڈاکٹر خان کی نظر بندی کو غیر قانونی اور غیر آئینی قرار دیتے ہوئے رسپانڈنٹس کو حکم دیا جائے کہ وہ ڈاکٹر خان کو عدالت میں پیش کریں تا کہ وہ آزادانہ ماحول میں بیان دے سکیں ان کو نقل و حرکت اور اظہار رائے کی آزادی دلائی جائے۔ ان کی رہائش گاہ پر اور ارد گرد متعین تمام افراد کو ہٹایا جائے اور رسپانڈنٹس کو ڈاکٹر قدیر خاں کو ملزم بتانے' ان کی شہرت کو نقصان پہنچانے اور کسی بھی طرح اسلام آباد سے منتقل کرنے سے روکا جائے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق ڈاکٹر خان کو ہارٹ اٹیک بھی ہوا جسے رسپانڈنٹس نے تسلیم کیا ہے اسلئے ایک غیر جانبدار





شخص کی سربراہی میں میڈیکل ٹیم تشکیل دی جائے جو ان کی جسمانی اور ذہنی حالت کے بارے میں رپورٹ پیش کرے۔''

آئینی درخواست میں وفاق پاکستان بذریعہ سیکرٹری داخلہ' میجر جنرل شوکت سلطان ڈی جی آئی ایس پی آر بذریعہ وزارت دفاع' ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی اور چیئرمین نیشنل ڈیفنس اتھارٹی کو فریق بنایا گیا۔

## وہاب الخیری کی رٹ

اس سے پہلے 28 جنوری 2004 کو الجہاد ٹرسٹ کی طرف سے راولپنڈی کے معروف قانون دان وہاب الخیری ایڈووکیٹ نے بھی سپریم کورٹ آف پاکستان میں ایٹمی سائنسدانوں کے تحفظ کیلئے آئینی درخواست دائر کر رکھی تھی' جس میں فاضل عدالت سے استدعا کی گئی تھی کہ

'' ملک و ملت کی سلامتی اور بقاء کے لئے فوری طور پر غیر معمولی اقدامات کئے جائیں۔ آئی ایس آئی کے پولیٹیکل سیل کو موقوف کرنے کے احکامات صادر کئے جائیں اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان یا ان کے کسی ساتھی کو امریکہ یا کسی اور ملک کے حوالے نہ کیا جائے۔ اس رٹ میں وفاق پاکستان بذریعہ سیکرٹری دفاع' سابق چیف آف آرمی سٹاف (ریٹائرڈ) مرزا اسلم بیگ' سابق صدر فاروق لغاری' میجر جنرل ریٹائرڈ نصیر اللہ خاں بابر' جنرل ریٹائرڈ علی قلی خان' جنرل ریٹائرڈ ظہیر الاسلام عباسی اور ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو فریق بنایا گیا۔ درخواست میں کہا گیا کہ محب وطن اور نامور سائنسدانوں کی تذلیل بیرونی اشاروں پر کی جا رہی ہے اور پاکستان کے صدر اور چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف بھی الزام لگانے والوں میں شامل ہو گئے ہیں' اور یہ کہ سابق آرمی چیف جنرل اسلم بیگ نے بے نظیر بھٹو کے دور کے حوالے سے اہم انکشافات کئے ہیں۔ یہ معاملہ انتہائی عوامی اہمیت کا حامل اور بنیادی حقوق سے متعلق ہے قوم کے بنیادی حقوق زیر آرٹیکل 14'92-A'2 اور آرٹیکل 199 کی تشریح بھی کی جائے۔ سائنسدانوں کی تذلیل فوری رکوائی جائے ان کی عزت و احترام کا معقول بندوبست کیا جائے تا کہ وہ اغوا ہو کر شیطان ممالک کے ہتھے نہ چڑھ جائیں۔ ایٹمی توانائی کے اداروں میں تعینات افراد کو سرکاری ملازم تصور نہ کیا جائے ان کی ریٹائرمنٹ سے متعلق عمر کی حد ختم کر دی جائے تا کہ وہ اپنے عہدوں پر ہمیشہ قائم رہیں جبکہ ایٹمی ہتھیاروں اور میزائلوں کے تحفظ کے نظام میں چیف جسٹس آف پاکستان کو شامل کیا جائے۔ اور ایٹمی پروگرام کو عدالت عظمیٰ کی اجازت کے بغیر ختم نہ کیا جائے۔''

عدالت عظمیٰ میں محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی غیر اعلانیہ حراست کے خلاف ان درخواستوں کی ابتدائی سماعت 18 مارچ 2004 کو چیف جسٹس آف پاکستان جناب جسٹس ناظم حسین

صدیقی جسٹس جاوید اقبال اور جسٹس عبدالحمید ڈوگر پر مشتمل فل بینچ نے کی اور اٹارنی جنرل کو نوٹس جاری کرتے ہوئے وفاق سے تین ہفتے کے اندر جواب طلب کرلیا۔عدالت نے اس ضمن میں میجر اسلام الحق اور ڈاکٹر فاروق کی رٹ پٹیشنز کی سماعت بھی کی۔اور ایک پٹیشنر مولوی اقبال حیدر کی طرف سے ان کیمرہ سماعت کی استدعا مسترد کردی' ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور ایٹمی پروگرام کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لئے درخواست ممتاز قانون دان وہاب الخیری ایڈووکیٹ جبکہ ڈاکٹر قدیر خان' میجر اسلام الحق اور ڈاکٹر فاروق کی نظربندی کے خلاف درخواستیں میجر اسلام کے بھائی حسام الحق' بیگم نیلوفر اسلام اور بیگم فاروق کی طرف سے چوہدری اکرام ایڈووکیٹ نے دائر کی تھیں۔

سماعت کے دوران فاضل چیف جسٹس نے ریمارکس دیئے کہ ''جب ٹرائل ہی نہیں ہوا تو کیسی معافی اور کیسی سزا؟ فی الحال تو ڈاکٹر خان کے خلاف محض الزامات ہیں۔'' جسٹس جاوید اقبال نے ریمارکس دیئے کہ ''ہم جذبات اور بین الاقوامی تناظر اور دباؤ کو الگ رکھتے ہوئے خالصتاً قانون کی بنیاد پر اس مقدمے کو دیکھیں گے۔معاملہ انتہائی اہم نوعیت کا ہے ڈاکٹر عبدالقدیر خان ہوں یا عام شہری قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔'' فاضل چیف جسٹس نے ایک مرحلہ پر کہا کہ ''سب سے متاثرہ شخص تو ڈاکٹر قدیر خان ہیں ان کی طرف سے کوئی نہیں آیا۔ان کے عزیز واقارب' بیوی' بیٹیاں اور داماد کہاں ہیں؟'' انہوں نے رجوع نہیں کیا؟ چوہدری اکرام ایڈووکیٹ نے کہا کہ ''بچے اور داماد سب ملک سے باہر ہیں' اور آج تک علم نہیں ہوسکا کہ ڈاکٹر خان کی اہلیہ کہاں ہیں اور انہیں کن حالات میں رکھا گیا ہے محبوس افراد اور ڈاکٹر خان کی اہلیہ سے کسی قسم کا رابطہ ممکن نہیں ہے۔تمام معاملات اپنی جگہ قانون کے تقاضے اپنی جگہ' ایک بات عدالت عظمیٰ کے لئے اہم ہے کہ نظربندی کے معاملے میں فیڈریشن یا افراد کو محبوس کرنے والے ادارے کے خلاف مناسب حکم صادر کرنا آئینی وقانونی تقاضا ہے۔انصاف سے انحراف نہیں کیا جاسکتا۔اس بات کا قوی خطرہ ہے کہ محبوس قومی ہیروز کو کسی غیر ملکی ایجنسی یا ادارے کے حوالے کردیا جائے گا۔فیڈریشن اور متعلقہ حکام کو اس بارے میں مناسب حکم صادر فرمایا جائے۔''

ممتاز قانون دان اور الجہاد ٹرسٹ کے چیئرمین وہاب الخیری نے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ ین الاقوامی حالات اور پاکستان کے معاملات اس نہج کو پہنچ چکے ہیں کہ ہماری قومی سلامتی کو شدید خطرات لاحق ہیں۔جس کے تحفظ کا اختیار سپریم کورٹ کو آئین کے تحت حاصل ہے' یہ اختیار اتنا اہم ہے کہ اگر اسے آئین سے نکال دیا جائے تو سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔عالمی طور پر یہ پروپیگنڈہ اور ہرزہ سرائی کی جارہی ہے کہ پاکستان 2010 کے بعد تحلیل ہوجائے گا۔اور ساری دنیا مافیہا کو چھوڑ کر صرف پاکستان کو ہی نشانہ بنایا جارہا ہے۔ایٹمی معاملہ بھی اس نوعیت کا ہے خود صدر مملکت بھی





یہی کہتے ہیں۔ہمارے لئے خطرات کا باعث بننے والے کئی معاملات بیک وقت چل رہے ہیں ان میں مسئلہ کشمیر پر ہندوستان سے گفتگو بھی جاری ہے۔اس میں کچھ دو اور کچھ لو کی باتیں ہورہی ہیں۔جبکہ گلگت اور بلتستان کا علاقہ اقوام متحدہ کے ریکارڈ کے مطابق متنازعہ نہیں بلکہ وہاں کے عوام نے اسے آزاد کرایا اور وہاں کے نوابوں اور راجوں نے قائداعظم سے الحاق کی درخواست کی جسے منظور کرلیا گیا۔عدالت عظمیٰ نے الجہاد ٹرسٹ کی پٹیشن میں یہ فیصلہ صادر کیا تھا کہ شمالی علاقہ جات کے شہری پاکستان کے شہری ہیں انہیں حقوق دینے کے لئے آئین میں ترمیم کی ضرورت ہو تو ترمیم کی جائے۔ڈاکٹر قدیر خان کے حوالے سے یہ بات نہایت اہم ہے کہ یہ وہ شخصیت ہیں جو پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے کے لئے طویل عرصے تک تگ ودو کرتے رہے۔امریکہ خاص طور پر قدیر خان سے ناخوش ہے کہ انہوں نے پاکستان کو ایٹم بم کیوں بنا کردیا۔؟ امریکہ قدیر خان کو سڑکوں پر گھسیٹ کر ذلیل کروانے کا مذموم ارادہ رکھتا ہے۔چنانچہ بش اور اس کے حواری بار بار کہہ رہے ہیں کہ معافی تو پاکستان نے قدیر خان کو دی ہے ہم اس وقت تک معافی نہیں دیں گے جب تک ''مافیا'' کو ختم نہ کردیں' چنانچہ یہ خطرہ موجود ہے کہ پاکستانی حکمران کسی بھی وقت ڈاکٹر خان اور ایٹم بم کو امریکہ کے حوالے کردیں' ان میں جرات نہیں ہے کہ وہ امریکہ کو انکار کرسکیں قوم کو بار بار ڈرایا جارہا ہے کہ جسطرح افغانستان میں امریکہ نے بم گرائے ہم کو بھی اسی طرح تباہ کردے گا۔وزیراعظم (میر ظفر اللہ جمالی) کی حالت یہ ہے کہ وہ انتخابات میں بش کی کامیابی کی دعا مانگ رہے ہیں۔بش انتخابات میں ہار گیا تو پاکستان کہاں کھڑا ہوگا؟ وہاب الخیری ایڈووکیٹ نے عدالت عظمیٰ سے درخواست کی کہ وہ مختلف تحقیقاتی اداروں کا نظم ونسق سنبھال لے یہاں تک کہ فوج کو بھی اپنے کنٹرول میں لے لیں۔آئین کے مطابق فوج صرف ایک محکمہ ہے جو سپریم کورٹ کے ہر حکم کا پابند ہے۔اسی طرح ڈاکٹر خان اور ایٹمی حوالے سے عالمی پروپیگنڈہ کی آزادانہ تحقیقات بھی سپریم کورٹ خود کرائے کہ اس معاملے کی حقیقت کیا ہے؟

پٹیشنر مولوی اقبال حیدر نے کہا معاملہ اہم اور الزامات انتہائی سنگین ہیں سیشن جج کے منصب کے جج کے ذریعہ تحقیقات کرائی جائے اور سماعت ان کیمرہ ہو' کمرہ عدالت میں میجر اسلام کے بھائی حسام الحق' بریگیڈیر سجاول کے بیٹے ڈاکٹر شفیق الرحمان' ڈاکٹر فاروق کے بیٹے عاصم فاروق' ڈاکٹر نذیر کی اہلیہ' اسلام الحق کی اہلیہ' مسلم لیگ (ن) کے صدیق الفاروق' میمونہ ہاشمی ایم این اے سمیت نظربندوں کے دوسرے عزیز واقارب موجود تھے' اکرام چوہدری ایڈووکیٹ کی معاونت مسعود حسین شاہ اور سردار شعیب نے کی۔

27 اپریل کی سماعت میں وفاق بذریعہ وزارت داخلہ کی طرف سے محسن پاکستان ڈاکٹر خان

کی غیر اعلانیہ نظر بندی کے خلاف دائر کردہ آئینی درخواست کا تحریری جواب اٹارنی جنرل اور امتیاز محمد خاں ایڈووکیٹ ان ریکارڈ کے ذریعہ داخل کرایا گیا' اسے عدالت عظمیٰ نے اعتراض کے ساتھ واپس کر دیا کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی نظر بندی سے وزارت داخلہ کا کوئی تعلق نہیں جبکہ جواب وزارت داخلہ کی طرف سے داخل کرایا گیا ہے اسلئے اسے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ وزارت داخلہ کے جواب میں موقف اختیار کیا گیا تھا کہ آئینی درخواست میں بنیادی حقوق کے حوالے سے عوامی اہمیت کا کوئی سوال نہیں اٹھایا گیا اس ضمن میں تمام مخالفانہ الزامات کو تسلیم کرنے سے انکار کیا گیا تھا۔ درخواست گزار کی درخواست کے پیرا تین میں کہا گیا تھا ڈاکٹر خان پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے تخلیق کار اور بانی ہیں انہوں نے اپنی زندگی پاکستان کو ایٹمی صلاحیت سے لیس کرنے کے لئے وقف کر دی جس کی بدولت ہم 1971 کے المیہ کے بعد سے ہمسایہ بھارت کی جارحیت سے محفوظ ہیں اس کے جواب میں سرکار نے یہ موقف اختیار کیا کہ

> ''ڈاکٹر خان کے بارے میں درخواست گذار کو پٹیشن دائر کرنے کا کوئی لوکس سٹینڈائی (حق) حاصل نہیں' جبکہ پیراگراف چار جس میں ڈاکٹر خان کے گھر پر بھاری پہرہ ہونے' ان سے ملاقات کرنے کی اجازت نہ دینے اور ان کی غیر قانونی طور پر حراست میں ہونے کا ذکر ہے اس کے جواب میں صرف اتنا کہا گیا کہ وفاقی حکومت نے ڈاکٹر خاں کے تحفظ اور سلامتی کے لئے ضروری اقدامات کئے ہیں۔''

مزید کہا گیا کہ

> ''ڈاکٹر خان نے قوم سے جو خطاب کیا اس کے لئے ان پر کوئی دباؤ نہ تھا اور ڈاکٹر خان اور ان کے خاندان کی آزادی اور زندگی کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے' ان کی اور ان کی اہلیہ کی حفاظت اور سلامتی کے تحفظ کے لئے ضروری اقدامات کئے گئے ہیں۔''

عدالت عظمیٰ نے جواب کو مسترد کرتے ہوئے حکم دیا کہ وزارت دفاع سمیت مدعا علیہان کی طرف سے جوابات داخل کرائے جائیں'' دریں اثنا عدالت کو بتایا گیا کہ ڈاکٹر خان اور ان کی اہلیہ حراست میں نہیں بلکہ حفاظت میں ہیں' اور ڈاکٹر خان کو عدالت میں پیش کرنا مناسب نہیں۔ ادھر حسام الحق نے عدالت عظمیٰ میں 27 مئی 2004 کو معروف قانون دان چوہدری اکرام ہی کی وساطت سے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی غیر اعلانیہ نظر بندی کے خلاف ایک ضمنی آئینی درخواست دائر کی کہ ڈاکٹر خان کی زندگی کو شدید خطرات لاحق ہو چکے ہیں انہیں ذہنی اور جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے' اور ان کی رہائش گاہ پر برائے نام بھی سہولت فراہم نہیں کی گئی ان سے کسی کو ملنے کی اجازت نہیں دی جا رہی' ان کے آزاد شہری ہونے کے بارے میں رسپانڈنٹس کی طرف سے عدالت میں دیئے گئے بیانات جھوٹ





ہیں۔ درخواست میں موقف اختیار کیا گیا کہ ڈاکٹر خان کو تفتیش کے لئے امریکی سفارتخانہ لے جایا گیا' درخواست کے ساتھ ایک مقامی صحافی محمد شاہد (شاہد السلام) (روزنامہ جناح) کا بیان حلفی بھی شامل کیا گیا تھا۔ جس میں کہا گیا کہ ڈاکٹر خان کے حوالے سے خبریں دینے اور لکھنے کے باعث ٹیلی فون پر نامعلوم افراد کی طرف سے سنگین نتائج بھگتنے کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔

ڈاکٹر خان اپنی اہلیہ سمیت حسب سابق اپنے گھر پر نظر بند اور قید تنہائی گزار رہے ہیں۔ قانونی جنگ بھی دم توڑ چکی ہے۔

# کس سائنس دان کو کہاں رکھا گیا؟

ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور دیگر سائنس دانوں، انجینئروں اور دیگر شخصیات کی ڈی بریفنگ پر مامور ادارہ ہر کام انتہائی راز داری سے کرنے کی شہرت رکھتا ہے۔ خود آئی ایس آئی کے مرکزی دفتر دیگر ذیلی دفاتر ''مہمان خانوں'' یا سیف ہاوسسز میں بھی عام محاورے کے مطابق دائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہیں ہوتا کہ بایاں ہاتھ کیا کر رہا ہے۔ آئی ایس آئی کے پرانے ہیڈ کوارٹرز کے صدر دروازے کے قریب کوریڈور میں ایک فریم شدہ تصویر آویزاں ہوا کرتی تھی جسے مجھے کئی مرتبہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس تصویر میں ایک انسانی چہرہ دکھایا گیا تھا جسکے دونوں ہونٹوں پر ایک بڑا سا تالا لگا ہوتا تھا۔ اس تالا لگے ہونٹوں کو آئی ایس آئی کا لوگو (Logo) یا ماٹو (Motto) بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس تصوراتی تصویر سے آئی ایس آئی جیسے انتہائی حساس ادارے میں کام کرنے والے ہر چھوٹے بڑے افسر اہلکار اور فیلڈ میں کام کرنے والے برق رفتار عملے کو یہ واضح پیغام دینا مقصود تھا کہ اپنے ہونٹوں کو سی کر کے رکھو یعنی کسی سے کوئی بات نہ کرو اور خاص طور پر کسی غیر متعلقہ فرد سے تو قطعاً کوئی بات نہ کرو، ماضی میں جب کبھی کبھار مجھے کسی اہم قومی معاملہ کے حوالے سے مشورہ کیلئے مدعو کیا جاتا تو متعلقہ صاحب انتہائی پر تکلف چائے پیش کرنے کے بعد جس انتہائی محتاط انداز میں بات کرتے اور رک رک کر آگے بڑھتے اس سے مجھے کچھ عجیب سا تاثر ملتا کچھ الجھن بھی ہوتی۔ لیکن اس حوالے سے خوشی اور اطمینان بھی ہوتا کہ اس اہم قومی ادارے میں کس قدر احتیاط برتی جاتی ہے پھونک پھونک کہ قدم رکھا جاتا ہے سول اداروں کے برعکس جہاں گپ شپ' غیر محتاط گفتگو اور بے پر کی اڑانے کا کلچر جڑیں پکڑ چکا ہے اور جہاں آپ کسی بھی بڑے سے بڑے افسر یا وزیر کے عملے سے ہر طرح کی معلومات آسانی سے حاصل کر سکتے ہیں۔ افواج پاکستان کے اس اہم قومی اور قابل فخر ادارے نے اپنے اس اصول اور طریقہ کار کے مطابق کسی کو بھی یہ نہیں بتایا کہ جن حضرات کی ڈی بریفنگ کی انہیں کہاں رکھا گیا۔ شروع شروع میں مجھے اس حوالے سے بڑا تجسس تھا لیکن میں نے یہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کی اس لئے کہ غیر معمولی سوالات جوابات اور ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارنے سے بعض اوقات زیر تفتیش یا زیر ڈی بریفنگ افراد کیلئے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ البتہ جب شدید دباؤ اور تحقیقات و تفتیش کے چند ابتدائی مگر انتہائی تشویشناک دن گزر گئے اور ڈی بریفنگ کے شکار انجینئروں سے انکے اہل خانہ سے ہر پندرہ روز بعد ملاقات کرانے کا سلسلہ شروع ہوا تو پھر میں نے





اپنے ان محبوس دوستوں کے اہل خانہ سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ بقول ان زیر تفتیش سائنس دانوں کے اہل خانہ کے ان سائنس دانوں اور انجینئروں کو بھی علم نہیں ہے کہ وہ جن کمروں میں بند ہیں وہ کمرے کس عمارت کے ہیں اور وہ عمارت کہاں ہے۔ پھر ایک کمرے میں بند کسی ایک صاحب کو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ آیا انکے کمرے کے ساتھ کوئی دوسرا کمرہ بھی ہے یا نہیں اور اگر کوئی کمرہ ہے تو اس میں کیا ہے یا وہاں کون صاحب ہیں۔

گرد و پیش سے اس قدر لاعلمی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ شروع شروع میں زیر تفتیش سائنس دانوں کو جب ڈی بریفنگ کے لئے لے جایا جاتا یا بعد میں جب انہیں اپنے اہل خانہ سے ملاقاتوں کی اجازت ملی تو دو تین کمانڈو قسم کے اہل کار انکے کمرے میں داخل ہوتے، انہیں کالے رنگ کا ماسک پہنا دیتے جس میں سانس لینے کیلئے ایک سوراخ ہوتا لیکن ماسک سے باہر دیکھنا ناممکن ہوتا۔ پھر دو اہل کار انہیں مضبوطی کے ساتھ بازوؤں سے پکڑ کر کمرے سے باہر لاتے اور سیڑھیوں سے نیچے اتارنا شروع کرتے اس عمل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ انہیں جس کمرے میں رکھا گیا ہے وہ کسی عمارت کی پہلی منزل ہے یعنی یہ اس نامعلوم عمارت کا گراؤنڈ فلور نہیں ہے۔ پھر انہیں ایک کار کی عقبی نشست پر بٹھا دیا جاتا اور چہرے سے ماسک ہٹا دیا جاتا لیکن گاڑی کے سامنے والے شیشے کے علاوہ باقی تمام شیشے کالے ہوتے اور انکے اور گاڑی کے ڈرائیور کے درمیان ایک کالے رنگ کا دبیز پردہ لہرا رہا ہوتا۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک چاروں طرف سے کالے چھوٹے سے ڈبے میں سفر کر رہے ہوتے۔ گاڑی ادھر ادھر سے ہوتی ہوئی منزل مقصود پر پہنچ جاتی جب گاڑی رکتی ایک مرتبہ پھر انکے چہرے پر ماسک چڑھا دیا جاتا اور انہیں کسی دوسری نامعلوم عمارت کے اس کمرے میں لے جایا جاتا جہاں چند منٹوں کے بعد افسران بیک وقت مختلف دروازوں سے اپنے اپنے مخصوص انداز میں داخل ہوتے۔ زیر ڈی بریفنگ سائنس دان احتراماً اور مجبوراً کھڑے ہو جاتے۔

جب سائنس دانوں کو اپنے اہل خانہ سے ہر دوسرے جمعہ کی شام یعنی ہر پندرہ دن بعد شام 5 بجے سے لے کر 7 بجے تک ملاقاتوں کی اجازت دی گئی تو انہیں بالکل اسی انداز سے چھوٹے سے چاروں طرف سے کالے ڈبے میں لے جایا جاتا جیسے انہیں ڈی بریفنگ کیلئے لے جایا جاتا انہیں خان ریسرچ لیبارٹری (KRL) کے ایئر پورٹ کے قریب راولپنڈی دفاتر کے ایک کمیٹی روم میں لے جایا جاتا جہاں وہ کسی زمانے میں محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی زیر صدارت ہونے والے اہم اجلاسوں میں شریک ہوا کرتے تھے اور پاکستان کے ایٹمی اور میزائل پروگرام کو آگے بڑھانے کیلئے سر جوڑ کر بیٹھا کرتے تھے۔ ماسک گاڑی کی عقبی سیٹ پر ہی رکھ دیا جاتا تا کہ ملاقات کا وقت ختم ہونے کے بعد انہیں پھر سیاہ ماسک کے اندھیروں میں اتار دیا جائے۔ بیویاں متفکر چہروں اور بھیگی پلکوں سے اپنے قابل احترام

خاوندوں کو دیکھتیں اور بیٹیاں بیٹے ابو۔ابو پکارتے۔دونوں فریق ایک دوسرے کو جھوٹی تسلیاں دیتے۔ کوئی ایک دوسرے کو حوصلہ شکن خبر نہ سناتا مثلاً اس دوران انجینئر ڈاکٹر نذیر احمد کے لاہور میں مقیم بوڑھے والد پر شدّتِ غم سے فالج کا شدید حملہ ہوا اور وہ بے حس و حرکت چارپائی پر لیٹ گئے لیکن جب ڈاکٹر نذیر احمد اپنے بچوں سے پوچھتے کہ آپ کے دادا ابّو کیسے ہیں۔ان سے آپ فون پر بات تو کرتے ہیں ناں۔تو بچے کہتے وہ ٹھیک ٹھاک ہیں۔آپ کیلئے بڑی دعائیں کرتے ہیں ایک دو دن میں پھر اسلام آباد آنے والے ہیں۔لیکن شاید اب وہ کبھی بھی اسلام آباد نہ آ سکیں۔

جن کمروں میں سائنس دان قید تھے انکی کھڑکیوں کے شیشوں پر بھی باہر کی طرف سے کالا رنگ کیا ہوا تھا اور وہ کھلتی بھی باہر کی طرف سے ہیں۔کمروں میں قدرے بلندی پر ایئر کنڈیشنر لگے ہوئے تھے جبکہ بعض کمروں کی چھت پر سست رفتار پنکھے تھے۔لیکن انکے سوچ (Switch) کمرے سے باہر تھے یعنی آپ کمرے کے اندر سے ایئر کنڈیشنر یا پنکھے کو آن یا آف نہیں کر سکتے۔ایک دن ایک سائنس دان نے کمرے سے ملحقہ باتھ روم میں کالے شیشوں والے روشن دان کو کھولنے کی جسارت کی تا کہ کسی طرح باہر جھانک کر دیکھا جائے کیا منظر ہے تو فوراً باہر سے ایک کھردری آواز آئی ''روشن دان کو بند کرو کھولنے کی کوشش نہ کریں۔''

میجر اسلام الحق کے حوالے سے معلوم ہوا کہ انہیں مختلف عمارتوں میں رکھا گیا ہے اور ایک مرتبہ وہ جس کمرے میں بند تھے وہ بالکل بند تھا یعنی اس میں کوئی کھڑکی وغیرہ نہ تھی۔شدید گرمی اور حبس کی بناء پر وہ تولیہ پانی میں بھگو کر اپنے سر پر رکھتے اور گیلے تولیے سے گرنے والے قطروں سے ان کے جسم کو قدر ٹھنڈک محسوس ہوتی۔میجر صاحب کا رنگ سانولہ ہو چکا ہے اور پارکنسن بیماری میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

سائنسدانوں کی ڈی بریفنگ کے چند دنوں بعد ایک ایسا اتفاق ہوا جس سے ایک زیرِ حراست انجینئر کو پتہ چل گیا کہ وہ جس کمرے میں بند ہیں اس سے ملحقہ کمرے میں کے آر ایل کے ایک دوسرے انجینئر بند ہیں۔ہوا یوں کہ ایک دن انجینئر ڈاکٹر نذیر احمد کو شدید ڈپریشن نے آ گھیرا جسکے نتیجہ میں انہیں فوری طور پر بعض ادویات کی ضرورت پڑ گئی۔انہوں نے اندر کی طرف سے دروازہ زور زور سے کھٹکھٹایا۔ایک اہل کار نے باہر کی طرف سے دروازہ کھولا اور پوچھا کیا مسئلہ ہے۔ڈاکٹر صاحب نے اپنی جسمانی (اور ذہنی) کیفیت بیان کی اور کہا ہے کہ مجھے فلاں فلاں ادویات کی فوراً ضرورت ہے۔اہل کار چلا گیا اور ایک ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد جب اس نے دوبارہ دروازہ کھول کر ادویات کا پیکٹ ڈاکٹر نذیر احمد کو دیا تو ڈاکٹر صاحب نے دیکھا کہ پیکٹ کے اوپر کالے مارکر سے ''ڈاکٹر فاروق احمد'' لکھا ہوا ہے۔ڈاکٹر نذیر احمد نے اپنی روایتی حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ آپ غلطی سے فاروق کا پیکٹ مجھے دے رہے





ہیں۔آپ یہ پیکٹ ساتھ والے کمرے میں فاروق کو دے دیں اور میرا پیکٹ جو آپ نے غلطی سے انہیں دے دیا ہے وہ مجھے لا دیں۔اہل کار نے ایسا ہی کیا۔یوں کے آر ایل کے ان دونوں دوست انجینئروں کو اتفاقیہ طور پر یہ جان کر خوشی ہوئی کہ وہ مصیبت کی اس گھڑی میں بھی ساتھ ساتھ ہیں۔لیکن بعد میں انہیں الگ الگ ''مہمان خانوں'' میں منتقل کر دیا گیا۔

شاید یہ ان زیرِ تفتیش سائنسدانوں کے اعصاب توڑنے اور انہیں ذہنی طور پر تنہا اور کمزور کرنے کے عمل کا حصہ ہی ہو کہ انہیں حراست کے دوران دنیا جہاں سے بے خبر رکھا گیا۔کمروں میں ٹیلی وژن یا ریڈیو ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔افسوسناک بات یہ ہے کہ انہیں پڑھنے کے لئے اخبار بھی نہیں دیا جاتا تھا ان کے پاس وقت دیکھنے کے گھڑیاں بھی نہ تھیں۔اور وہ بند کمرے میں اندازے سے نمازوں کے اوقات کا تعین کرتے۔انہیں وقت کے تعین میں مدد زیادہ تر کھانے کے اوقات سے ملتی۔ اچانک دروازہ کھلتا اور کوئی اہلکار بغیر کوئی بات کئے کھانے کی ٹرے دروازے کے اندر رکھ دیتا اور ایک آدھ گھنٹے بعد واپس اٹھا لے جاتا۔اس سے زیرِ تفتیش سائنسدانوں کو اندازہ ہو جاتا کہ اب دوپہر کے ایک دو بجے ہوں گے یا رات کے آٹھ نو کا وقت ہوگا۔ظاہر ہے ان کے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہوتے ہونگے اور ذہنوں میں کئی سوالات ابھرتے ہوں گے۔مثلاً

1- نہ جانے محسنِ پاکستان کہاں ہیں اور انکے ساتھ کیا بیت رہی ہے۔؟
2- نہ جانے ہماری گرفتاریوں کے حوالے سے پاکستانی عوام کا کیا ردِ عمل ہوا ہے۔؟
3- کیا ایسا تو نہیں کہ امریکہ ہماری حکومت پر دباؤ ڈال رہا ہو کہ زیرِ تفتیش سائنسدانوں کو امریکہ کے حوالے کیا جائے۔؟

# ہاں! ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا نیٹ ورک ہے

5 فروری 2004ء کو صدر پرویز مشرف نے ٹی وی پریس کانفرنس میں کہا

''ہمارے پاس سارے دستاویزی ثبوت ہیں، کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے۔ بدقسمتی سے تمام ایٹمی پھیلاؤ ڈاکٹر قدیر کے حکم اور سرپرستی میں ہوا---ایک اور بات نکلی کہ پورا انڈرورلڈ ملوث ہے۔ پوری دنیا کی طاقتیں انڈرورلڈ سے بنی ہیں، ہم بھی تو کھلے عام شاپنگ نہیں کر رہے تھے''

امریکی وزیرِ خارجہ کولن پاؤل، صدر پرویز مشرف سے ٹیلی فون پر بات کرتے ہوئے یوں گویا ہوئے

''ہمیں دیکھنا ہوگا کہ ڈاکٹر قدیر خان نے جن ممالک کو ایٹمی راز منتقل کیے اس کا نیٹ ورک کہاں کہاں موجود ہے؟ ہمیں اس نیٹ ورک کو مکمل طور پر ختم کرنا ہوگا''

امریکی صدر بش (11 فروری 2004ء) پالیسی بیان دیتے ہوئے یوں برسے

''مارکیٹ میں دستیاب مہلک ٹیکنالوجی اور آلات سے دہشت گرد گروپ اپنی مرضی کے ہتھیار بنا سکتے ہیں' ایسے نیٹ ورک کو ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی شکل میں دیکھا جا سکتا ہے، اب تک ہمیں اتنی کہانی معلوم ہوئی ہے۔ ڈاکٹر قدیر خان پاکستان کے ایٹمی ہتھیاروں کے پروگرام کے باپ کے طور پر پوری دنیا میں جانے جاتے تھے۔ اب تک یہ بات کسی کو معلوم نہ تھی کہ وہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے نیٹ ورک کی قیادت کرتے رہے ہیں جس کے ذریعے ایٹمی ٹیکنالوجی اور معلومات پھیلتی رہیں---''

اُوپر کے اقتباسات میں ''انڈرورلڈ'' اور ''نیٹ ورک'' کے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اکتوبر 2003ء سے تادمِ تحریر مغربی اور ملکی میڈیا میں ان الفاظ کا بہت چرچا ہے اور پاکستانی عوام بھی ان الفاظ کی تکرار پر چونک گئے ہیں۔ آیئے! دیکھتے ہیں کہ انڈرورلڈ ہے کیا؟

## انڈرورلڈ کیا ہے؟

اس حوالے سے لندن، جو دنیا کا بڑا سیاسی مرکز ہے، خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے کام بشمول عالمی سازشیں لندن ہی کے ذریعے ہوتی ہیں۔ دنیا کے بڑے سیاسی لیڈر حتیٰ کہ امریکی لیڈر بھی اپنی سیاسی یا تخریب کاریوں کی راہیں ہموار کرنے کے لیے لندن ضرور آتے ہیں کہ یہاں ہر قسم کے انڈرورلڈ ہیں۔ اس شہر کے وسط میں سکاٹ لینڈ یارڈ کے نام سے ایک پولیس سنٹر ہے اور لندن کا





پولیس کمشنر یہیں بیٹھتا ہے---سکاٹ لینڈ یارڈ پولیس دنیا بھر میں پیچیدہ اور منظّم جرائم کو بے نقاب کرنے اور ذہین مجرموں کو پکڑنے کے حوالے سے خاص شہرت کی حامل ہے۔ سکاٹ لینڈ یارڈ پولیس کے نظام میں ''انڈرکور'' کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ انڈرکور پولیس کے تنخواہ دار ایجنٹ ہوتے ہیں جو جرائم پیشہ افراد کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں اور اگر کسی مجرمانہ سرگرمی کے دوران میں پکڑے جائیں تو جرم کے مطابق سزا پاتے اور سزا کاٹنے کے بعد دوبارہ جرائم پیشہ ساتھیوں سے جا ملتے ہیں۔ یہ ''انڈرکور'' پولیس کو انتہائی سنگین' بڑے یا برطانوی مفادات کے خلاف ایسے جرائم کے بارے میں خبر دیتے ہیں جن میں وہ خود شریک نہ ہوں۔ لیکن اس انتہائی مؤثر نیٹ ورک کے باوجود سکاٹ لینڈ یارڈ پولیس چائنا ٹاؤن میں غنڈہ ٹیکس وصول کرنے سمیت دوسرے جرائم میں ملوث پیشہ ور افراد میں سے آج تک کسی کو گرفتار نہیں کر سکی کیوں کہ کوئی ''انڈرکور'' ان چینیوں میں داخل نہیں ہو سکتا۔ سکاٹ لینڈ یارڈ پولیس کئی چھوٹے موٹے جرائم سے اغماض بھی برتتی ہے مثلاً لندن میں کیسینوز اور نائٹ کلبوں وغیرہ کے اوقات مقرر ہیں لیکن یہ کلب ان کی پابندی نہیں کرتے اور پولیس ان سے کوئی تعرض نہیں کرتی کیوں کہ یہ کلب اور کیسینوز ایک طرح کا ''جال'' ہیں۔ جرائم پیشہ افراد ہمیشہ ''غیر قانونی'' نوعیت کے حامل ان مقامات کا رُخ کرتے ہیں اور پولیس کے قابو آ جاتے ہیں۔ چوری چکاری کے بعض جرائم کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے کیوں کہ مسروقہ اشیا کی انشورنس کے باعث نقصان کا معاوضہ مل جاتا ہے۔

اس تفصیل کا مقصد جرائم سے نپٹنے [illegible] کو فروغ دینے کے لیے مغربی طریق کار سے روشناس کرانا ہے کیوں کہ کم وبیش یہی طریق کار [illegible] ممالک بین الاقوامی جرائم بالخصوص سمگلنگ میں اختیار کیے ہوئے ہیں۔ برطانیہ کی مشہور وسکی [illegible] دوسری یورپی مصنوعات دوسرے ممالک میں پولیس اور متعلقہ حکام کے اغماض کے نتیجے ہی میں سمگل ہوتی ہیں اور یورپ کے اکثر صنعتی ادارے اپنی مصنوعات کی دوسرے ممالک میں کھپت کے لیے خود سمگلروں کی خدمات حاصل کرتے ہیں، جنہیں عرف عام میں ''انڈرورلڈ'' کہا جاتا ہے۔ صنعتی ادارے ''انڈرورلڈ'' کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے ان سے اپنی مصنوعات کا بہت کم منافع لیتے ہیں تاکہ یہ اشیاء جن ممالک میں سمگل کی جائیں وہاں مارکیٹ کے مروجہ نرخ سے کم میں فروخت ہوں۔ یہ سامان عام طور پر بحری اور سمندری راستوں سے لے جایا جاتا ہے اور اس ضمن میں ''انڈرورلڈ'' کی آف شور کمپنیاں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔

ہتھیاروں سمیت ہر قسم کی اشیاء ''انڈرورلڈ'' کے ذریعے فروخت کرنے والے ادارے اور حکومتیں اکثر ان اشیاء کی وصول کنندہ حکومتوں اور افراد کے بارے میں باخبر ہوتی ہیں لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انہیں اپنے مال کے اصل خریدار کی خبر نہیں ہوتی۔

یہ بات دلچسپ ہے کہ آف شور کمپنیوں کا بڑا مرکز برطانیہ کی سمندری حدود میں واقعہ جزیرہ ''جرسی'' ہے' اس کی بلند و بالا عمارتوں میں یورپ کی بڑی بڑی کمپنیوں کی برانچیں اور جائیدادوں کا غیرقانونی کاروبار کرنے والے اداروں کے دفاتر قائم ہیں' برطانیہ کا کوئی قانون یہاں نافذ نہیں ہوتا۔ جرسی کے ساحل پر بڑے بڑے بحری جہاز سمگل شدہ سامان لے جانے کے لیے ہر وقت موجود رہتے ہیں' یہ کوئی راز نہیں کہ انڈرورلڈ کے ذریعہ جن صنعتی اداروں کی مصنوعات سمگل ہوتی ہیں ان میں یورپ کی اسلحہ ساز فیکٹریاں بھی شامل ہیں۔ اسلحہ کی انڈرورلڈ تجارت کا آغاز بلجیم سے ہوا تھا' جو پوری دنیا میں پھیل گیا۔ کئی رپورٹیں منظر عام پر آ چکی ہیں کہ دنیا بھر میں باغی گروپوں' جرائم پیشہ افراد' متحارب فورسز اور بعض حکومتوں کو بھی امریکہ' برطانیہ' جرمنی' فرانس اور دیگر ممالک کا بنا ہوا اسلحہ مہیا ہونے کا سب سے بڑا ذریعہ انڈرورلڈ ہی ہے۔ بلکہ دنیا کی بڑی ہتھیار ساز کمپنیوں کا تیار کردہ اسلحہ ان ممالک کو انڈرورلڈ ہی کے ذریعہ فراہم کیا گیا جو ان فیکٹریوں کے مالکان یا ان ممالک کے دشمن ہیں' جہاں یہ فیکٹریاں واقع ہیں۔ اس کی مثال ایران کو اسرائیلی ہتھیاروں کی فراہمی ہے۔ یہ سب کاروباری سوچ کا نتیجہ ہے۔

صنعتی ممالک کی حکومتیں انڈرورلڈ کی سرگرمیوں سے پوری طرح واقف ہوتی ہیں لیکن سکاٹ لینڈ یارڈ پولیس کی طرح یہ حکومتیں بھی جان بوجھ کر اسے نظر انداز کرتی ہیں کہ اس طرح ان کے کارخانے چلتے اور لوگوں کو روزگار مہیا ہوتا ہے۔ پھر کم قیمت پر سامان کی ترسیل سے ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سے ممالک کی صنعتیں مشکلات کا شکار ہو کر بند ہو جاتی ہیں اور بالآخر ان ممالک کو درآمدی ممالک کے کارخانوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے اور یوں بالواسطہ طور پر انہیں ان ممالک کی معیشت پر کنٹرول حاصل ہو جاتا ہے۔ بعض ممالک تو منصوبہ بندی کے تحت انڈرورلڈ میں اپنے ''انڈرکور'' داخل کرتے ہیں جو ان کے مارکیٹ ایجنٹ کے علاوہ ''مخبر'' کا کام بھی کرتے ہیں۔ اس لیے بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ انڈرورلڈ نے اسرائیل' بھارت' شمالی کوریا' ایران یا پاکستان کو ایٹمی ٹیکنالوجی یا ایٹمی آلات فراہم کیے ہیں تو ان کی تفصیلات سے امریکہ سمیت یورپی حکومتیں پہلے ہی روز سے پوری طرح باخبر ہوں گی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے اتنا عرصہ کیوں خاموشی اختیار کی گئی؟ اور اب انکشاف کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ یہ سوال بجائے خود لمبی بحث کا متقاضی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ امریکی صدر بش نے ڈاکٹر خان کو جس انڈرورلڈ کا تخلیق کار ہونے کا الزام دیا ہے وہ پہلے سے موجود تھا' جسے مدتوں پہلے یورپ و امریکہ کے تاجروں نے تخلیق کیا۔ ڈاکٹر خان نے اس انڈرورلڈ کو اپنے مشن یعنی پاکستان کو ایٹمی طاقت بنانے کے مشن کی تکمیل کے لیے استعمال کیا اور صدر بش کو غصہ بھی اسی بات کا ہے کہ مسلمان جوان کی نظر میں ''اجڈ'' اور ''دہشت گرد'' ہیں، ڈاکٹر خان کی بدولت





اس قابل ہوگئے کہ اپنی مرضی کے ہتھیار بنا سکتے ہیں۔ قارئین کرام۔ یاد رہے کہ پاکستان نے ایٹمی ٹیکنالوجی میں جو مہارت حاصل کی ہے اسکی بدولت اور پاکستان کے صنعتی بنیاد کے مضبوط بن جانے کی وجہ سے پاکستان بہت سے غیر ایٹمی ہتھیار بنا لینے کی پوزیشن میں آ چکا ہے۔ اقوام متحدہ کی مانیٹرنگ اور ویریفیکیشن کمیٹی کے فرانسیسی رکن Therse Delpech نے ہمارے ایٹمی سائنسدانوں کے حوالے سے پیدا ہونے والے بحران کے سیاق وسباق میں بالکل بجا کہا ہے کہ

> ''یورپ ہو یا ایشیا، ایٹمی مواد کی غیر قانونی منڈیاں بہت ہیں اور دوبئی آج غیر قانونی ہتھیاروں کی سب سے بڑی مارکیٹ ہے، ممنوعہ ہتھیاروں کا کاروبار کرنے والے بھی بہت ہیں، انہی میں سے کچھ سالہا سال تک پاکستان کو ضرورت کی ہر شے فراہم کرتے رہے ہیں''

آیئے! اب ذرا ڈاکٹر خان کے ''انڈرورلڈ'' اور ''نیٹ ورک'' پر نظر ڈالتے ہیں تاکہ ایٹمی پھیلاؤ کے الزامات کا سچ جھوٹ سامنے آ سکے لیکن آگے بڑھنے سے پہلے جان لیجئے کہ آج کی دنیا ایک گلوبل ویلج ہے۔ امریکہ اس گاؤں کا چودھری ہے اور چودھری اپنے کمیوں کے گھروں میں خطرناک ہتھیار برداشت نہیں کیا کرتے یہ سارا مسئلہ چودھری کی نفسیات کا ہے۔

## ڈاکٹر عبدالقدیر کا مشن

ڈاکٹر عبدالقدیر خان جب ہالینڈ سے پاکستان آئے تو انہیں پاکستان کے منتخب وزیرِ اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے جو کام، جو مشن یا جو مینڈیٹ دیا وہ کچھ یوں تھا

> "Beg, borrow or steel, come and enrich our uraniam. We must make the nuclear device to counter the nuclear threat posed by India. Money should be no problem. We will eat grass and bear the high cost of building the nuclear arsenal"

پاکستان کے سابق آرمی چیف جنرل اسلم بیگ کے الفاظ ہیں کہ

> ''بھٹو نے بلا کر ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے ذمے یہ کام لگایا تھا اور جب ڈاکٹر خان پاکستان آئے تو وہ اپنے ساتھ کوئی ڈیزائن یا آلات نہیں لائے تھے۔ وہ صرف اپنا علم لے کر پاکستان پہنچے تھے۔ مسٹر بھٹو سے جنرل مشرف تک سب نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو یورینیم کی افزودگی کے آلات اور مواد کے حصول میں تحفظ دیا۔ انہیں فنڈز دیے۔''

انہوں نے مزید کہا

''سب جانتے ہیں کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی تکمیل کے لیے یقیناً ''انڈرورلڈ'' سے مدد لی گئی، جس طرح بھارت، اسرائیل اور دوسرے ملکوں نے لی ہے۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں---ڈاکٹر قدیر نے جن لوگوں کو اپنے ساتھ ملایا وہ سب سائنس دان تھے۔ یہ منطقی بات ہے کہ بیرونی دنیا سے ان کا رابطہ بنا۔ آپ انہیں کوئی بھی نام دے سکتے ہیں۔ جنرل پرویز مشرف (صدر بش وغیرہ بھی) انہیں ''انڈرورلڈ'' کہتے ہیں لیکن اس سب کچھ کو پاکستان کی قانونی حکومت کی منظوری حاصل تھی۔ ہمارے کچھ لوگ جرمنی اور دوسری جگہوں پر پکڑے بھی گئے' ان پر مقدمے چلے' بعض کو سزا بھی ہوئی مجھے مسٹر انعام الحق اور مسٹر پرویز یاد ہیں۔''

ڈاکٹر خان کے ایک ڈچ استاد پروفیسر ایم۔ جے برابرس نے ایک انٹرویو میں کہا تھا

''انہیں (ڈاکٹر خان کو) اپنی پسند کے لوگوں کا انتخاب کرنے کی آزادی تھی' وہ اچھے لوگوں کو جانتے تھے۔ سامان کی خریداری کے ضمن میں تمام کمپنیوں کا علم تھا' ان کے شناسا متعدد ممالک میں موجود تھے۔ وہ کئی زبانیں جانتے ہیں اور دلکش شخصیت کے مالک ہیں۔ اس لیے وہ کئی ایسی چیزیں خریدنے میں کامیاب رہے جو کوئی دوسرا پاکستانی نہ خرید سکتا، اُن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے کسی نہ کسی طرح ان لوگوں سے تعلقات برقرار رکھے ہیں' جن سے وہ زمانہ طالب علمی سے لے کر اب تک ملے ہیں یا کبھی تعارف ہوا ہے۔''

ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو جو ذمہ داری دی گئی وہ اتنی بڑی تھی کہ پاکستان کے مادی وسائل، انفراسٹرکچر کی صورت حال اور اس میدان میں علم و مہارت کے حوالے سے نہایت مشکل بلکہ ناممکن نظر آتی تھی، وہ ملک جہاں ایک معمولی سوئی نہ بنتی ہو اور موزوں افرادی قوت کا فقدان ہو' اُسے ایٹمی قوت بنانا معمولی کام نہ تھا---لیکن ڈاکٹر خان کو جو مینڈیٹ' جو مشن سونپا گیا تھا' وہ محض ان کے لیے جاب یا نوکری نہ تھی بلکہ اُن کا اپنا مشن' اپنا مطمحِ نظر' اپنی منزل بھی تھی۔ وہ پاکستان کے جھکے ہوئے سر کو بلند کرنے کے عزم کے ساتھ ہی تو مغرب میں بھاری تنخواہ، پُرآسائش اور پُروقار زندگی کو چھوڑ کر پاکستان آئے تھے۔ اس لیے انہوں نے حکمرانوں کی سرپرستی' اپنے جذبۂ بے پایاں' قوم کی دعاؤں اور سب سے بڑھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل و کرم کے سائے میں اپنے اس کٹھن سفر کا آغاز فوجی بنیادوں پر کیا' وہ فوراً ہی ہر محاذ پر مصروف ہو گئے۔ ایک طرف لیبارٹری میں تجربات شروع ہوئے تو دوسری طرف پائلٹ پروجیکٹ کی بنیاد رکھ دی گئی۔ تیسری طرف بڑے پلانٹ کے لیے موزوں جگہ کا انتخاب' اس کی تعمیر و تشکیل کی نیو اٹھائی اور چوتھی طرف اس پروجیکٹ کے لیے درکار ضروری ساز و سامان' مشینری' آلات اور خام مواد کی خریداری اور اسے منگوانے کا سلسلہ چل نکلا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جہاں بھی انہیں جو ہر قابل نظر آیا





اسے اپنے پروجیکٹ کے لیے کھینچ لائے۔

معروف جریدہ ''کرسچن سائنس مانیٹر'' نے ایک بار لکھا تھا

''ڈاکٹر خان یورنیسکو کے طریق کار کی مکمل معلومات کے ساتھ پاکستان لوٹے انہیں ان تمام اداروں کا علم تھا، جہاں سے سنٹری فیوج پلانٹ کے لیے ضروری پرزے خرید سکتے تھے''

اور لندن فنانشل ٹائمز نے اسے یوں بیان کیا تھا

''بین الاقوامی اشیاء کی خریداری میں ڈاکٹر قدیر خان کا مغربی یورپ میں حاصل کردہ تجربہ بہت مفید ثابت ہوا۔ تنظیمی صلاحیت' قابلیت اور تجربے کئے۔ انہوں نے ان اداروں کو شناخت کر لیا جن سے سنٹری فیوج کا ساز و سامان خریدا جا سکتا تھا''

یہ وہ دور تھا کہ جب دنیا نے پاکستان کو ایٹمی ری ایکٹر کے پرزہ جات دینے بھی بند کر دیئے تھے لیکن ڈاکٹر خان اہل مغرب کے بارے میں ایک ٹھوس رائے رکھتے تھے۔ وہ یورپ میں طویل قیام کے باعث ان لوگوں کی سوچ اور نفسیات سے واقف تھے۔ وہ کہا کرتے تھے ''مغربی تاجر کی نفسیات ایسے تاجر کی ہے جو ہر شے فروخت کرنے کے لیے ہر لمحہ تیار رہتا ہے' اگر مناسب قیمت ادا کی جائے تو---'' اور انہوں نے مغرب کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا اور کھلی منڈی سے مال خریدا جانے لگا۔

''دی اسلامک بم'' کے یہودی مصنفین نے لکھا ہے

''یورینیم انرچمنٹ کی ٹیکنالوجی نہایت پیچیدہ اور اس کا حصول بہت مشکل ہے۔ یہ ٹیکنالوجی نہایت خفیہ انداز میں آگے بڑھی ہے لیکن ڈاکٹر خان یہ کر رہے تھے اور مغرب کے قواعد و ضوابط سے بچتے بچاتے کر رہے تھے۔ یورینیم انرچمنٹ پلانٹ کے اہم حصے کلاسی فائیڈ تھے لیکن ان کے الگ الگ پرزوں پر پابندی نہیں تھی اور پاکستان (ڈاکٹر خان) نے اس کے ضروری حصے الگ الگ ملکوں کی تقریباً ایک درجن کمپنیوں سے خریدے۔''

ڈاکٹر خان نے پہلے سے موجود نیٹ ورک سے استفادے کے لیے جو کریش پروگرام بنایا۔ اس میں انہوں نے یہ اہتمام کیا کہ کسی بھی پرزے یا آلات کی خریداری کے لیے باقاعدہ اجازت نامہ حاصل کیا یا پھر متعلقہ ملک کے قانونی سقم سے فائدہ اٹھایا۔ ''دی اسلامک بم'' کے مصنفین کے مطابق خریداری زیادہ تر سفارت کاروں کے ذریعہ ہوئی۔

یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ اوائل 1979 میں جب امریکہ نے سوئٹزرلینڈ پر بعض پرزوں کی سپلائی روکنے کے لیے دباؤ ڈالا اور اسے این پی ٹی (NPT) کا الزام دیا تو سوئس حکومت نے امریکی الزامات کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان سے جو بھی سودے کیے گئے ہیں' وہ قانون کے عین مطابق

ہیں۔اس وقت دو سوئس کمپنیوں VAT اور CORA کے نمائندے پاکستان میں مذاکرات کر رہے تھے۔اسی طرح 1981 میں جب امریکہ نے روم، بون، انقرہ اور مزید ایک درجن سے زائد دارالحکومتوں میں متعین اپنے سفیروں سے کہا کہ وہ اپنے میزبان ملکوں پر واضح کر دیں کہ پاکستان کے ہاتھوں اس حساس ٹیکنالوجی سے متعلق کوئی شئے فروخت نہ کریں تو مغربی جرمنی، ترکی اور کئی دوسری حکومتوں نے جواب دیا کہ نجی کمپنیاں قانونی دائرے میں رہتے ہوئے جو کام کرتی ہیں ان پر حکومت زیادہ دباؤ نہیں ڈال سکتی۔

خریداریوں کا اہتمام اگست 1976 ہی سے ہو گیا تھا جب برسلز میں پاکستانی سفارت خانہ نے ہالینڈ کی مشہور فرم کو ہائی فریکوینسی انورٹرز کی سپلائی کا آرڈر دیا۔ VAT سے "ہائی ویکیوم والوز" اور کورا انجینئرنگ سے سنٹری فیوجز پلانٹ کو ہکسا فلورائیڈ گیس فراہم کرنے والے آلات خریدے گئے۔یہ اشیاء "لندن کلب" کی ممنوعہ اشیاء میں شامل نہ تھیں اور پاکستان لانے کے لیے باقاعدہ C-130 طیارے بھیجے گئے۔سوئس حکام بخوبی جانتے تھے کہ یہ آلات سنٹری فیوجز کے لیے نہایت اہم ہیں، لیکن ان کا کہنا تھا "ہمارا ایٹمی ہتھیاروں سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی ہم جانتے ہیں کہ ایٹم بم کس طرح بنتا ہے۔ یہ سودا تو دراصل نٹ اور بولٹ کا ہے۔"

## اخفائے راز

"دی اسلامک بم" کے مصنفین نے اعتراف کیا ہے کہ

"پاکستان کی خریداریوں کا سراغ لگانا بڑا وقت طلب اور سراغرسانی، جاسوسی اور ذہانت کا مسئلہ تھا۔ خریداری کرنے والوں نے اخفائے راز کے ساتھ ساتھ جس جرأت اور مہارت کا مظاہرہ کیا، اس کے باعث پاکستان کو ایٹمی مواد کی سپلائی رکوانے کے خواہشمند یورپی اور امریکی سراغرساں ادارے ان سے ایک قدم پیچھے رہے اور 1978 تک کسی کو خبر نہ ہو سکی کہ پاکستان کیا کر رہا ہے؟"

برطانوی جریدے "ایٹ ڈیز" (Eight Days) نے بھی مغرب کی اس کمزوری کا اعتراف کیا ہے کہ جوہری سامان کی بلیک اربوں کا کاروبار ہے اور اس بات ہی نے جوہری تحفظات پر امریکی شور و غوغا کو بے معنی کر دیا۔ جریدہ نے مزید لکھا

"جوہری اشیاء کی بلیک میں امریکہ کے اتحادی ملوث ہوں تو وہ اغماض برتتا ہے۔ جوہری زیر زمین منڈی کے سرسری جائزہ سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ پاکستان نے کس طرح "اسلامی بم" کے اجزاء حاصل کیے اور کیونکر "معصوم" سپر پاورز کے سائے کے تلے سے ایٹم بم کو فی الواقعہ "چرا لیا"۔





پاکستان (ڈاکٹر خان) کے پیش نظر جو مقصد تھا اسے سامنے رکھا جائے تو پاکستان کی یہ کارروائی جائز قرار دی جائے گی۔"

"ایٹ ڈیز" کے مطابق "نہایت اہم آلات کی خریداری کے لیے کئی نمائشی کمپنیاں قائم کی گئی تھیں۔ برطانیہ، ایمسٹرڈم اور مغربی جرمنی کے کئی شہروں اور قصبات میں مصروف عمل کمپنیوں میں سے کئی ایک نے فقط ایک بار خریداری کی۔ سامان پاکستان کے ہاتھوں فروخت کیا اور بوریا بستر لپیٹ لیا---"

11 جنوری 1977ء کو بون کے مضافاتی قصبہ واشبرگ بیچ میں پی او ایف (پاکستان آرڈیننس فیکٹریز) کے ایک افسر مسٹر اکرام الحق نے دفتر قائم کیا جہاں مغربی یورپ سے ایٹمی سامان کا تانتا بندھ گیا۔ پہلا آرڈر ڈیڑھ کروڑ پونڈ کی مالیت کا ایک امریکی کمپنی کے ذیلی ادارہ ایمرسن الیکٹرک انڈسٹریل کنٹرولز کو دیا گیا۔ سامان بذریعہ طیارہ سپیشل ورکس آرگنائزیشن (SWO) راولپنڈی کو بھجوایا گیا--- اکرام الحق بون میں سفارت خانہ پاکستان کے میاں عبدالوحید (بھتیجا ضیاء الحق) سے مل کر کام کر رہے تھے جنہیں جنرل ضیاء الحق نے بطور خاص وہاں متعین کیا تھا تاکہ خریداریوں کی رفتار تیز کی جائے۔ اسی دوران میں دفاعی پیداوار ڈویژن ایک نوٹیفکیشن کے ذریعہ ادائیگیوں میں آسانی کے لیے خریداری سے متعلق اعلیٰ افسران کو آڈٹ کی مروجہ جانچ پڑتال کے بغیر دس لاکھ ڈالر تک اخراجات کے اختیارات دے دیئے۔ اس سے ضروری خریداریوں کی رفتار تیز ہو گئی اور راز داری برتنا بھی آسان ہو گیا---

"ایٹ ڈیز" کے مطابق اکرام الحق کے چھوٹے سے دفتر کے ذریعہ جون 1978ء تک ایک کروڑ دس لاکھ ڈالر کا سامان خریدا گیا۔ سپلائرز کا موقف تھا کہ انہوں نے کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں کی۔ "یہ ایسے کاروباری سودے تھے" جن پر سرکاری ضابطوں کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس عرصے میں زیادہ تر خریداریاں سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ، ایران، ترکی، سویڈن، مغربی جرمنی، امریکہ اور برطانیہ سے ہوئیں۔ بعض حلقوں کے مطابق ڈاکٹر خان کی تاجر فرم ایف ڈی او نے بھی بھاری مقدار میں بعض اشیاء پاکستان کو فروخت کیں۔ ایک دوسری فرم وی ڈی ٹی نے سات ہزار کے قریب خصوصی طور پر سخت کی گئی سٹیل ٹیوبیں پاکستان کو بھجوائیں، ان کی آخری کھیپ ستمبر 1979ء میں بھجوائی گئی۔ یہ آرڈر اتنا بڑا تھا کہ ڈچ حکومت کے منع کرنے کے باوجود آرڈر کی تعمیل کی گئی۔ ایک اور فرم نے مارٹن سٹک سٹیل اور ایک نے ایلومینیم ٹیوبیں فروخت کیں کیونکہ کوئی قانون ان کی فروخت میں حائل نہ تھا۔ شمالی فرانس سے سنٹری فیوجز کے دس ہزار بیلوز کی خریداری ہوئی تو کسٹم نے متعلقہ فرم کو آرڈر کی تعمیل نہ کرنے کا مشورہ دیا لیکن اس نے مطلوبہ مال بیلجیئم کی ایک فرم کی وساطت سے بھجوا دیا اور ڈائس (Dyes) بھی بھیج دیں تاکہ پاکستان حسب ضرورت مال تیار کر سکے۔

## رازکھل گیا

یہ چپکے چپکے خریداریاں کبھی منظرعام پر نہ آتیں اگر 1978ء کے اواخر میں ایمرسن الیکٹرک سوئڈن میں ایک معمولی صنعتی تنازعہ جنم نہ لیتا جو لیبرممبر پارلیمنٹ فرنیک الان کے علم میں آیا تو انہوں نے دارالعوام میں مسئلہ اٹھایا اور وزیرتوانائی ٹونی بن کو تحقیقات پر مجبور کردیا۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ مطلوبہ انورٹرز کی برآمد قطعی قانونی تھی اور پہلی کھیپ پاکستان پہنچ چکی تھی۔ بعد میں برطانیہ نے اس کی برآمد پر پابندی لگادی۔ ایمرسن کا کہنا ہے کہ ہم جانتے تھے کہ

''انورٹرز یورینیم پلانٹ کے لیے ہیں لیکن قطعاً پریشان نہ تھے کیوں کہ ہمیں یقین تھا کہ پاکستانی اس جدید ایکوپمنٹ کو کبھی استعمال نہ کرسکیں گے اور یہ بند پڑا ناکارہ ہوجائے گا (جیسا کہ لیبیا میں ہوا)۔''

## امریکہ کی متلون پالیسی

جیسا کہ میگڈالن کالج آکسفورڈ کی استاد زیبا موشیور (Ziba Moshavor) نے اپنی کتاب "N.W.Proliferation in Indian subcontinent" میں لکھا ہے کہ ایٹمی عدم پھیلاؤ کے بارے میں امریکہ کی خارجہ پالیسی ہمیشہ ہی بدلتی رہی ہے۔ مثلاً نکسن انتظامیہ نے اس کو زیادہ اہمیت نہیں دی جبکہ کارٹر انتظامیہ میں یہ انتہائی ترجیح کے معاملات میں سے ایک تھی ریگن انتظامیہ کا رویہ بین بین تھا۔ اس لیے جوہری مواد کے حوالے سے اس کی برآمدی فہرست بھی بدلتی رہی ہے۔ بہرحال 1979 تک برطانیہ اور امریکہ نے اپنی برآمدی فہرست پر دومرتبہ نظرثانی کی۔ الان نے دارالعوام میں جو سوالات اٹھائے تھے اس نے سب کو چوکنا کردیا۔ ''لندن کلب'' کے ارکان اپنے ہی قواعد وضوابط کے ہاتھوں شکست کھارہے تھے۔ اس کے بعد پہلی مرتبہ ڈاکٹر خان کے لیے ایک چیلنج پیدا ہوا--- پاکستان کو ایٹمی طاقت سے محروم رکھنے کے آرزومند سارے ممالک سرگرم عمل ہوگئے اور منصوبہ بحران کا شکار ہوتا نظر آیا مگر ڈاکٹر قدیر خان نے خود کفالت کی راہ اختیار کی اور پروجیکٹ کی تکمیل کے لیے پرزوں اور آلات کی تیاری کا عمل مقامی طور پر شروع کردیا۔ اس دوران بھی وہ پاکستان کے چند بااثر لوگوں کے ذریعے ضروری نوعیت کا سامان منگوانے میں کامیاب رہے۔ اس وقت جن اداروں سے تعاون لیا گیا ان میں پی او ایف' ہیوی ری بلڈ فیکٹری' مشین ٹولز فیکٹری' پاکستان انڈسٹریل اینڈ ٹیکنیکل سنٹر لاہور اور چند ایک دوسرے سرکاری ونیم سرکاری ادارے شامل تھے۔





## امریکہ پریشان ہوگیا

امریکی سی آئی اے نے مارچ 1979ء میں حکومت کو رپورٹ پیش کی کہ پاکستان ایٹمی اسلحے کے لیے یورینیم بنانے کا سنٹری فیوج پلانٹ لگارہا ہے اور اب تک نصب کردہ انورٹروں کی مجموعی پیداوار دس ہزار سنٹری فیوجز کے لیے کافی ہے جو سال میں 150 کلوگرام افزودہ یورینیم پیدا کرسکتی ہیں' اور یہ چھ سات ایٹم بم بنانے کے لیے کافی ہوگا۔ رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ پاکستان انرچمنٹ پلانٹ کے لیے درکار ہر ضروری شے خرید چکا ہے۔ جبکہ ڈاکٹر قدیر کی زیرنگرانی ایسے پرزہ جات مقامی طور پر تیار ہورہے ہیں جو کھلی مارکیٹ سے خریدے نہیں جاسکتے تھے۔ امریکہ اس رپورٹ پر پریشان ہوگیا۔ ایک طرف اس نے پاکستان پر اپنا سفارتی دباؤ بڑھایا تو دوسری طرف ہر قسم کی امداد بند کردی اور نائب وزیرخارجہ تھامس پکرنگ نے کہا ''ایٹم بم کے لیے پاکستان کو دو تا پانچ سال کا عرصہ درکار ہوگا''۔ اسے حیرت تھی کہ پاکستان انتہائی ترقی یافتہ یورینیم ٹیکنالوجی پر مبنی پلانٹ لگارہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پاکستان کو یورینیم کی سپلائی مسلسل ملتی رہے گی اور قلت پیدا نہ ہوگی، جس سے امریکہ دوچار ہے'' --- اس پلانٹ کے لیے آلات اور دیگر سامان کیسے خریدا گیا؟ --- امریکی سینٹ کی ایک ذیلی کمیٹی میں اس پر اظہار خیال کے دوران کہا گیا ''پاکستان نے امریکہ سے بھی انورٹرز یا ہائی سپیڈ موٹرز خریدی ہوں گی'' کیوں کہ اس وقت تک امریکہ میں بھی یہ اشیاء جنرل لائسنس کے تحت دستیاب تھیں۔

## پروپیگنڈہ کا طومار

بہرحال 1979ء میں اس خبر کے عام ہوتے ہی کہ ''پاکستان ایٹم بم بنارہا ہے'' مغرب میں ایک بھونچال آگیا۔ جنرل ضیاءالحق نے کوئی دباؤ قبول کرنے سے انکار کردیا تو مغربی بالخصوص امریکی و یہودی میڈیا میں پاکستان، جنرل ضیاءالحق اور ڈاکٹر قدیر خان کے خلاف معاندانہ پروپیگنڈہ انتہا کو پہنچ گیا۔ ڈاکٹر قدیر کو ''چور''، ''ایٹمی جاسوس''، ''شیطان''، ''بدمعاش'' اور نہ جانے کیا کیا نام دیے گئے۔ انہی دنوں ڈاکٹر خان نے جرمن جریدہ ''دیرسپیگل'' (Deir Spigle) کے نام ایک تلخ وترش خط لکھا

''مغربی صحافی ترقی پذیر ممالک کے بارے میں جھوٹی اور گمراہ کن رپورٹنگ کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اس وقت تو (ان کی خباثت میں) اور بھی شدت پیدا ہوجاتی ہے جب وہ کسی مسلم ملک کے بارے میں لکھ رہے ہوں۔ ان واہیات خود پسند امریکیوں اور برطانویوں سے میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا وہ خدائی فوجدار ہیں جنہوں نے سینکڑوں جوہری بم تیار کررکھے ہیں اور ''خداداد'' اختیار کے تحت ہر ماہ دھماکے کرتے رہتے ہیں ہم اگر چھوٹا سا پرامن پروگرام شروع کریں تو ہم

> ''شیطان'' اور ''بدمعاش'' بن جاتے ہیں۔ سارے مغربی صحافی ہمارے پیچھے پڑ جاتے اور جھوٹی شرانگیز کہانیاں گھڑنا اپنا فرض سمجھتے ہیں''

انہوں نے انہی دنوں ایک مضمون میں اس ''مغربی نیٹ ورک'' کی ذہنیت اور نفسیات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ

> ''جب بی بی سی کی فلم ''اسلامی بم'' اور دوسرے میڈیا سے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف پروپیگنڈہ سے لوگوں کو ہمارے بارے میں معلوم ہوا تو ہمیں بہت سے خطوط اور فیکس موصول ہوئے۔ لوگ اس مشینری کی تفصیلات اور اعداد وشمار لے کر ہمارے پیچھے پڑ گئے جو انہوں نے المیلو اور کاپن ہرسٹ وغیرہ کو فروخت کی تھی۔ صحیح معنوں میں انہوں نے ہاتھ جوڑ کر ہم سے کہا کہ ہمارا سامان خرید لو' ہمیں جو سامان درکار تھا خرید لیا۔ لوگوں کو خیال ہونا چاہیے کہ ہم نے جو کچھ خریدا وہ روایتی ٹیکنالوجی تھی، یہ معمول کا کیمیکل پراسس اور ویکیوم ٹیکنالوجی کا سامان تھا' جس کے ہزاروں دوسرے استعمالات تھے۔''

## ہالینڈ میں مقدمہ

انہی دنوں نیویارک ٹائمنر (11 اگست 1979) نے خبر دی کہ امریکی انتظامیہ نے پاکستان کے یورینیم پلانٹ کو تباہ کرنے کے لیے تین متبادل صورتوں پر غور کیا ہے۔ اس کے لیے وزارت خارجہ کے جیراڈ سمتھ کی نگرانی میں ایک انٹرا ایجنسی ٹاسک فورس قائم کر دی گئی ہے۔ خبر میں خدشہ ظاہر کیا گیا تھا کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خالق سائنسدان ڈاکٹر قدیر خان کو ہلاک کیے جانے کا بھی خطرہ ہے۔ ادھر ہالینڈ نے اسرائیلی وزیراعظم کے خط پر مارچ 1979 میں ایک بین الوزارتی کمیٹی قائم کی جسے ڈاکٹر خان کے قیام ہالینڈ کے بارے میں رپورٹ تیار کرنے کا فریضہ سونپا گیا۔ کمیٹی نے تحقیقات کے بعد لکھا

> ''ڈاکٹر خان نے کوئی چوری نہیں کی، ان کے خلاف کوئی مقدمہ نہیں بنتا۔ وہ یہاں سے کچھ لے کر نہیں گئے اور پاکستان میں یورینیم کی افزودگی کا جو طریقہ زیرعمل ہے، وہ دوسرے وسیع پیمانے پر طبع شدہ مواد اور آزادی سے میسر آ جانے والے وسائل پر مبنی ہے۔''

لیکن سامراجی طاقتیں مطمئن نہ ہوئیں' یہودی دباؤ بڑھا تو 1983 میں ان کے خلاف ہالینڈ کی ایک عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا گیا مگر ڈاکٹر خان اس سے بھی سرخرو نکلے۔

## جرات مند پاکستان

ڈاکٹر خان جہاں بھی رہے اپنے رفقائے کار میں مقبول رہے' اس لیے انہوں نے اس عظیم





قومی مشن کی تکمیل کے لیے بعض اوقات اپنے دوستوں کے ذریعہ معلومات اور ضروری تفصیلات حاصل کیں' پھر اُن کا ایک کمال یہ ہے کہ انہیں سمندر پار اور اندرون ملک ایسے جرأت مند پاکستانیوں کا بھی تعاون حاصل ہو گیا جنہوں نے مالی منفعت یا ذاتی مفاد کی پرواہ کیے بغیر اس پروجیکٹ کے لیے کام کیا اور اس راہ میں آنے والی مشکلات اور قید و بند سے گھبرائے نہیں۔ ان میں سے ایک کراچی کے معروف صنعت کار میاں فاروق شیخ ہیں جو اپنے وسیع کاروبار اور تعلقات کی بناء پر ایک بڑی شخصیت ہیں۔ ڈاکٹر خان سے ان کے ذاتی مراسم تھے میاں صاحب پاکستان کی تعمیر وترقی کیلئے فکرمند رہتے ہیں یہ ذاتی تعلقات کڑے وقت میں کہوٹہ پروجیکٹ کے کام آتے رہے۔ انہوں نے ایک سے زیادہ بار مشکلات اٹھا کر ضروری ساز و سامان کی فراہمی میں بےلوث اور بےخوف طریقے سے مدد کی۔ افسوس کہ آج کل وہ بھی محسن پاکستان کی طرح پریشان اور ہراساں ہیں اور انہوں نے یہاں کے حالات سے پریشان ہو کر اور ہراساں کرنے والی کاروائیوں کی وجہ سے وقتی طور پر دبئی چلے جانے میں عافیت سمجھی۔ آغا حسن عابدی بھی ایک ایسے ہی مجاہد تھے انہوں نے پاکستان کی مالی مدد کرنے میں کبھی تکلف سے کام نہیں لیا۔ وہ عرصے تک لندن میں بی سی سی آئی کے سربراہ کی حیثیت سے مقیم رہے۔ ایک بار وہ سابق امریکی صدر جمی کارٹر کے ساتھ پاکستان آئے تو کارٹر نے آغا حسن سے ازراہِ تفنن کہا

> ''کیا میں کہوٹہ دیکھ سکتا ہوں۔'' آغا حسن عابدی نے برجستہ جواب دیا ''آپ کو شاید یاد نہیں رہا کہ کہوٹہ دیکھنے کے لیے بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ کوئی سابق امریکی صدر یہ قیمت ادا نہیں کر سکتا۔''

ارشد پرویز عرصے سے کینیڈا میں مقیم تھے۔ وہ قانونی لائسنس پر 25 ٹن مخصوص فولاد امریکہ سے باہر بھیجنا چاہتے تھے لیکن اس بدگمانی پر کہ یہ مال دراصل کہوٹہ کے لیے ہے انہیں امریکہ میں گرفتار کر لیا گیا اور جولائی 1987ء میں عدالت نے انہیں 25 سال کی سزا سنا دی' بعدازاں اس سزا میں کمی کر دی گئی اور ارشد نے رہائی کے بعد امریکی حکومت کے خلاف پانچ کروڑ روپے ہرجانے کا مقدمہ بھی دائر کیا۔

آج کل پاکستان کے دل لاہور میں مقیم بریگیڈیر (ر) انعام الحق بھی ڈاکٹر خان کے ایک ایسے ہی جنگجو سپاہی ہیں جنہوں نے اپنا سب کچھ کہوٹہ کے لیے داؤ پر لگا دیا۔ وہ ملٹی نیشنل کمپنی لمیٹڈ کے سربراہ تھے جو ریلوے کے لیے سٹیل درآمد کرتی تھی۔ انہیں اس الزام میں پونے دو سال امریکہ اور جرمنی کی جیلوں میں رکھا گیا کہ انہوں نے لاہور کی اس فرم کے لیے ماراینجنگ سٹیل درآمد کی تھی جو مختلف مقاصد کے علاوہ سنٹری فیوجز کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے۔ انہوں نے ایک امریکی ٹیلی ویژن کو انٹرویو

دیتے ہوئے کہا تھا کہ ''میں نہیں جانتا کہ ہم نے ایٹم بم بنایا ہے یا نہیں؟ لیکن ایک سپاہی کی حیثیت میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اگر کسی سے لڑنا پڑے تو میرے پاس کم از کم ایسا ہتھیار لازماً ہونا چاہیے جس سے اس کا مقابلہ کر سکوں''۔ (حسن اتفاق سے بریگیڈیئر انعام الحق میری بیگم کے قریبی عزیز ہیں---مصنف)

امریکی اخبار ''نیویارک ٹائمز'' (19 فروری 2004ء) اور بعض دیگر غیر ملکی اخبارات نے اعتراف کیا ہے کہ ایٹمی بلیک مارکیٹ شروع کرنے کی ذمہ داری ڈاکٹر خان پر نہیں یورپ پر عائد ہوتی ہے ڈاکٹر خان نے تو اسے استعمال کیا ہے اور یورپی سائنسدان اور خفیہ ادارے یورپ کی ایٹمی انڈرورلڈ کے بارے میں گزشتہ کئی دہائیوں سے باخبر ہیں۔ پاکستان اور ایٹمی ہتھیار سازی سے دلچسپی رکھنے والے دوسرے ممالک کو ایٹمی ٹیکنالوجی، سینٹری فیوجز، پلانٹ اور دوسرا ضروری ساز و سامان فراہم کرنے والے ادارے اور افراد ایٹمی سائنس اور تجارتی دنیا کے جانے پہچانے نام ہیں۔ اب تو ایٹمی توانائی ادارے نے بھی اس کا اعتراف کر لیا ہے کہ بیس سے زائد مشہور یورپی کمپنیاں اس میں ملوث ہیں۔

پاکستان کے وسیع تر ایٹمی مفاد میں ڈاکٹر خان نے اس ''انڈرورلڈ'' سے استفادہ کے لیے اپنے بعض سابق دوستوں اور یونیورسٹی کے معاصر طلباء سے بھی کام لیا۔ ''نیویارک ٹائمز'' نے پاکستان کو آلات و ٹیکنالوجی دینے والے جن غیر ملکی افراد کا ذکر کیا ہے ان میں ایک ارس ٹنر ہیں جو سوئس انجینئر ہیں اور ملائشیا کی اس فیکٹری میں مینوفیکچرنگ کنٹرولر تھے۔ یہاں لیبیا کے لیے سنٹری فیوجز کے پارٹس تیار ہوئے۔ ان کے والد فریڈرک ٹنر بھی انجینئر تھے، ان پر پاکستان اور عراق کو ایٹمی آلات فراہم کرنے کا الزام تھا۔ وہ 1970ء کے عشرے میں VAT کے شعبہ برآمدات کے سربراہ تھے۔ اس حیثیت میں انہوں نے پاکستان کو والوز فراہم کیے پھر اپنی کمپنی Phi-TEC.A-G بنائی اس نے بھی پاکستان کو کئی آلات بھیجے ان سے 1970 کے عشرے میں پہلے امریکی وزارت دفاع پھر ایکسپورٹ کنٹرول اتھارٹی 1990 کے عشرے میں آئی اے ای اے نے تفتیش کی، لیکن سوئس حکومت کے مطابق باپ بیٹے نے قانون کی کبھی خلاف ورزی نہیں کی۔

ایٹمی علوم کے جریدہ نیوکلیونکس نے اپنی اشاعت فروری 2004 لکھا ہے کہ جن ناموں کا آج شہرہ ہے پچھلے تیس سال میں ان سے کئی دفعہ باز پرس ہو چکی ہے۔ ہالینڈ کی دو کمپنیوں نے 1976 میں انتہائی مضبوط ماریجنگ سٹیل سے تیار 6200 ٹیوبیں پاکستان بھجوائیں۔ 1980 کے عشرہ کے آخری سالوں میں ایٹمی ماہرین کی وارننگ کے باوجود بلجیئم کے بعض وزراء کی قیادت میں ایٹمی سائنسدانوں اور تاجروں نے پاکستان کا دورہ کیا اور پاکستان کے ایٹمی پروگرام سے وابستہ لوگوں سے ملاقات کی۔ وزیر تجارت فلپ سڈٹ کو تو تابکار مواد کے ادارے کے ڈائریکٹر این کونسٹنٹ نے پاکستان کا دورہ نہ کرنے کا





مشورہ دیا تھا۔ ایٹمی جریدے اور نیویارک ٹائمز کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ جن دنوں امریکہ نے بعض ممالک کو پاکستان کو حساس مواد فروخت کرنے سے روکا تھا، انہی دنوں ایک جرمن فرم نے پاکستان کو ٹرینیئم (Trinium) کا ریکوری پلانٹ بھجوایا جو ایسی گیس تیار کرتا ہے کہ جس کے ہتھیار میں استعمال سے اس کی تباہ کن طاقت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس پر کمپنی کے چیف روڈلف میئرز اور انجینئر پیٹر فک کے خلاف مقدمہ چلا۔ فک نے پاکستان آ کر اس پلانٹ کی تنصیب میں مدد اور گیس کے ہتھیاروں میں استعمال کی تربیت بھی دی۔

نیویارک ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق ڈیلفٹ یونیورسٹی میں ڈاکٹر خان کے ہم درس ہینک سلیبوس (HenlkSlebose) نے 1980 کے عشرے میں پاکستان کو اوسی لوسکوپ Oscilloscope بھجوائے جو سنٹری فیوج کی ٹسٹنگ میں کام آتے ہیں، ان پر مقدمہ چلا اور مختصر سزا ہوئی۔ 1985 میں انہوں نے دوہرے استعمال کے پرزہ جات کی پانچ شپ منٹس کسٹم حکام کے اعتراض پر ایئر پورٹ سے واپس لے لی تھیں کیونکہ وہ اشیاء غیر روایتی ہتھیاروں میں استعمال ہو سکتی ہیں۔ 2003 میں سلیبوس نے پاکستان میں ''ایڈوانس میٹریل'' پر ایک سیمینار بھی سپانسر کیا۔ ہالینڈ کے سابق وزیر خارجہ اور نیٹو کے موجودہ سیکرٹری جنرل ہوپ شیفر کے مطابق سلیبوس کے ڈاکٹر خان سے تعلقات ابتک برقرار ہیں۔ برطانوی نژاد مکینیکل انجینئر اور ایک فرم کے مینجنگ ڈائریکٹر پیٹر گریفن نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام میں بڑی مدد کی۔ انہیں ڈاکٹر خان سے رابطے کی اجازت برٹش ٹریڈ اتھارٹیز نے دی تھی (یقیناً برطانوی آلات کے آرڈر حاصل کرنے کے لیے) 23 فروری 2004 کو اے پی نے رپورٹ دی ہے کہ ڈاکٹر خان نے سوئٹزرلینڈ سے خریداری مختلف کمپنیوں کے دورے کے دوران خود کی اور اس حقیقت کو ڈاکٹر خان نے کبھی نہیں چھپایا۔ انہوں نے 1990 میں پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف نیشنل افیئرز میں خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ

''مجھے بعض پرزہ جات کی خریداری دنیا کی مختلف منڈیوں میں خود جا کر کرنا پڑی (غالباً یہ وہی زمانہ تھا جب ان کے بیرون ملک اکاؤنٹس میں بھاری رقوم جمع تھیں تاکہ بروقت منڈی سے پرزے خریدے جا سکیں)

اب قارئین کرام خود فیصلہ کریں کہ ڈاکٹر خان ''انڈرورلڈ'' کے سردار تھے یا خریدار۔ جنرل پرویز مشرف نے کہا ہے ''معلوم نہیں' ڈاکٹر خان نے انڈرورلڈ کو استعمال کیا یا انڈرورلڈ انہیں استعمال کر گئی''---یہ محض پُرکاری ہے بات صرف اتنی ہے کہ ڈاکٹر خان نے اپنے مشن کی خاطر اس انڈرورلڈ سے شاپنگ کی---نیویارک ٹائمز نے امریکی میڈیا کی طرح ڈاکٹر خان کے اپنے دوستوں سے عملی کام

لینے کے عمل کو ایک ٹیم تیار کرنے کا نام دیا ہے۔ اس الزام کو اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ بھی ڈاکٹر خان کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے اپنے قومی مشن کی تکمیل میں بوقت ضرورت ان دوستوں سے کام لیا۔ اصل مجرم سمگلنگ اور خفیہ مارکیٹ میں مال بیچنے والے ہیں۔ ڈاکٹر خان کا تو کمال یہ ہے کہ انہوں نے نامساعد حالات اور کڑی نگرانیوں اور امریکہ اور ایٹمی سپلائرز کلب کی تمام تر مخالفتوں اور پابندیوں کے باوجود سپر پاورز کے سائے سے ایٹم بم چرالیا یہی ان کا جرم ہے۔

ڈاکٹر خان اور ان کے ساتھیوں نے صرف وہی کیا جو ان کے ذمے لگایا گیا تھا جس کی وہ تنخواہ لیتے تھے جو وطن عزیز کی خاطر ان کا مقدس مشن تھا۔ لوگ ان کا احترام محض اس لیے نہیں کرتے کہ انہوں نے وطن عزیز کو ایٹمی قوت بنانے کے عمل میں قائدانہ کردار ادا کیا بلکہ اس لیے بھی پیار کرتے ہیں کہ گزشتہ 55 سال میں لوگوں نے وعدے تو بہت کیے لیکن قوم کے لیے شاید ہی فخر اور مسرت کا کوئی سامان کیا ہو جبکہ ڈاکٹر خان نے تو انہیں تحفظ دیا ہے۔ 1998 میں جب پاکستان نے دھماکہ کیا۔ ایک جرمن ٹیلی ویژن ٹیم نے ڈاکٹر خان اور ان کے ''اسلامی بم'' پر ایک فلم بنائی تھی

"The Nuclear Night mare--- Atomic Weapon in The hands of Islamic Fundamentalists"

یہ فلم نومبر 1998 میں پہلے جرمن ٹیلی ویژن پر دکھائی گئی پھر امریکہ سمیت پورے مغرب میں ٹیلی کاسٹ ہوئی۔ اس فلم میں اس وقت سے ڈاکٹر خان کو ایٹمی پھیلاؤ کا ذمہ دار قرار دیا گیا تھا جب سے وہ ڈیلفٹ سے حصول تعلیم کے بعد فارغ ہوئے تھے۔ فلم میں یورپ کے انڈر گراؤنڈ سپلائرز اور ایٹمی مواد کے فراہم کنندگان کی پوری تفصیل دی گئی تھی۔ اسلئے امریکہ کا یہ کہنا کہ اسے 2002 میں معلوم ہوا غلط ہے۔

پاکستان پانچواں اسلامی ملک ہے جو 9/11 کے بعد امریکی گاڈزیلا کا نشانہ بنا ہے۔ باب وڈ نے اپنی تازہ کتاب (The Plan of War) میں امریکی نائب صدر ڈک چینی کے حوالہ سے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ صدر بش 9/11 کے فوراً بعد ہی فیصلہ کر چکے تھے کہ کیا کرنا ہے اور کس کس ملک کو ہدف بنانا ہے۔ جبکہ اس کتاب کے باب ''اب پاکستان کی باری ہے'' میں کہا گیا ہے کہ محسن قوم پر الزام تراشیاں اور انہیں ''انڈر ورلڈ'' کا سردار قرار دینا حقائق کے بالکل برعکس ہے۔ جب اس انڈر ورلڈ کو معلوم ہوا کہ ایران، لیبیا یا جنوبی کوریا بھی ایٹمی عزائم رکھتے ہیں تو اسی انڈر ورلڈ نے ان ممالک کے سائنس دانوں سے بھی رابطہ کیا اور اپنی خدمات پیش کیں جو وہ پہلے پاکستان کو بھی پیش کر چکے تھے۔ ان ممالک سے انڈر ورلڈ کی پیشکش کی تصدیق پاکستان کے ایٹمی سائنس دانوں سے کی جنہوں نے تصدیق کر دی کہ ہاں





ہم اس انڈر ورلڈ سے مطلوبہ ساز و سامان لیتے رہے ہیں۔ کس قدر ستم ظریفی ہے کہ مغرب کے اس انڈر ورلڈ کو پاکستان کا انڈر ورلڈ ثابت کیا جا رہا ہے اور حیران کن بلکہ انتہائی افسوسناک بات یہ ہے کہ بعض پاکستانی بھی مغرب کے اس انڈر ورلڈ اور ایٹمی نیٹ ورک کو پاکستان کا نیٹ ورک سمجھ رہے ہیں۔!!

# غیر ملکی صحافیوں کو انٹرویو اور ہرش کی دھمکی

جب محسن پاکستان اور خان ریسرچ لیبارٹری کے دیگر ایٹمی سائنس دانوں اور انجینئروں کے خلاف کارروائیوں کا آغاز ہوا تو بہت سے مغربی صحافی اسلام آباد میں آ گئے ان میں زیادہ تر کا تعلق امریکہ سے تھا۔ کچھ امریکی صحافی دہلی میں مقیم ہوتے ہیں اور وہ وہاں سے افغانستان، پاکستان، بھارت اور دیگر سارک ممالک کے بارے میں خبریں لکھتے اور گھڑتے ہیں اسلام آباد آنے والے صحافیوں میں نئی دہلی میں دنیا کے معروف اخبار واشنگٹن پوسٹ کے نامہ نگار برائے ساؤتھ ایشیا جان لنکاسٹر (John Lancaster) بھی شامل تھے۔

امریکہ کی افغانستان کے خلاف کارروائیوں کے ساتھ ہی اسلام آباد میں سینکڑوں غیر ملکی صحافی آ پہنچے تھے۔ ان میں الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے صحافی شامل تھے۔ بعد میں کچھ صحافی کوئٹہ منتقل ہو گئے۔ یہ صحافی ادھر ادھر سے خبریں اور تبصرے اپنے اپنے ملکوں کو روانہ کرنے لگے۔ میں اپنے مشاہدے اور تجزیہ کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ ان میں سے زیادہ تر لوگ اپنے اخبارات کے علاوہ اپنی اپنی حکومتوں کیلئے بھی کام کر رہے تھے۔

''مسٹر ملک میں جان لنکاسٹر ہوں میں جانتا ہوں کہ آپ ڈاکٹر خان کے سوانح نگار اور انکے دوست ہیں۔ میں آپ سے ملاقات چاہتا ہوں۔'' جان لنکاسٹر نے فون پر کہا میں نے کہا آپ تشریف لے آئیں۔ آپ جو بھی سوال کرنا چاہیں گے میں اسکا جواب دینے کیلئے تیار ہوں۔ جب وہ میرے سامنے کرسی پر براجمان ہوئے تو انکے چہرے پر کچھ اس طرح کے متکبرانہ تاثرات تھے جیسے پولیس سٹیشن میں کسی تفتیشی افسر کے ہوتے ہیں۔ انکے ہاتھ میں اس دن کا پاکستان آبزرور تھا۔ موصوف نے اسرائیل کے حوالے سے ہمارے ایک اداریہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا'' کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اسرائیل کو بھی اپنا ایٹمی پروگرام رول بیک کرنا چاہیے"۔ میں نے کہا ہاں یہ اصول کی بات ہے اگر ایران اور لیبیا کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے ایٹمی پروگرام جاری رکھیں تو پھر اسرائیل کو ایسا کرنے کا کیا حق ہے؟''

مسٹر لنکاسٹر نے اچانک بات چیت کا رخ محسن پاکستان کی طرف موڑ دیا۔ انکی شخصیت، خانگی زندگی' عادات واطوار وغیرہ کے متعلق باتیں شروع کر دیں۔ میں نے محسن پاکستان کی شخصیت کے بارے میں کچھ بتانا شروع کیا تو میں نے محسوس کیا وہ اس سے لاتعلق نظر آ رہا تھا۔ اچانک اس نے کہا'' میں نے سنا ہے پاکستان آبزرور ڈاکٹر خان کا اخبار ہے۔'' میں نے کہا آپ نے درست سنا ہے۔ پاکستان آبزرور





ڈاکٹر خان کا اخبار ہے اور میں بھی ڈاکٹر خان کیلئے وقف ہوں۔ میرے اس طنزیہ جواب کے بعد لنکاسٹر کے پاس پاکستان آبزرور کے حوالے سے کوئی مزید سوال نہ تھا۔ لنکاسٹر مجھے مشتعل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن میں اس سے الجھنا نہیں چاہتا تھا میں اس سے بات چیت کے دوران محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر کے مستقبل کے حوالے سے سوچ رہا تھا۔ میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا اے اللہ' اے مالک دو جہاں جو شخص اپنے آپکو تیرا ایک معمولی سپاہی قرار دیتا ہے اسکے ساتھ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا اللہ تعالی کو اس زمین پر اپنے ربانی پروگرام کو آگے بڑھانے کیلئے مزید ابراہیموں کی ضرورت ہے۔ لنکاسٹر چند دنوں بعد ایک مرتبہ پھر ملاقات کیلئے آ گئے۔ ا بکی مرتبہ بھی اسکا رویہ جارحانہ تھا۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ نئی دہلی سے موصوف جو خبریں واشنگٹن پوسٹ کو ارسال کرتے ہیں۔ وہ عام طور پر پاکستان کے خلاف ہوتی ہیں اور انتہائی زہر آلود ہوتی ہیں۔ موصوف پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے بہت خلاف ہیں ان دنوں جو دیگر غیر ملکی صحافی میرے انٹرویو کیلئے میرے پاس آئے ان میں امریکی نیوز ایجنسی اے پی (AP) کے نیوز ایڈیٹر پال ہیون (Paul Haven) فرانسیسی نیوز ایجنسی اے ایف پی (AFP) کے ایک سینئر نامہ نگار اور اس معروف نیوز ایجنسی کے پاکستان اور افغانستان کے لیے پاکستانی صحافی اشرف خان، جرمنی کے کثیر الاشاعت جریدہ ڈائی زٹ (Die Zeit) کے رپورٹر الرچ لاڈرنر (Ulrich Ladurner) امریکہ کے با اثر ہفت روزہ ٹائم (Time) کے سینئر نامہ نگار اور اسکے پاکستان میں مقیم رپورٹر غلام حسنین، جاپانی ٹیلی ویژن این ایچ کے (NHK) کی ایک ٹیم اور اسکے اسلام آباد میں مقیم سینئر رپورٹر مبارک ورک اور اسی طرح بہت سے دیگر صحافی حضرات میرے انٹرویوز کیلئے ہمارے دفتر یا میرے گھر آئے۔ سعودی عرب اور دیگر خلیجی ریاستوں کی بہت سی ٹی وی ٹیمیں اور صحافی بھی مجھ سے ملاقات کرتے رہے اور بار بار کرتے رہے۔ ان میں سے چند ایک تو میرے ساتھ یوں ادب اور احترام کے ساتھ بات کرتے جیسے انکے سامنے خود محسن پاکستان بیٹھے ہوں۔ انکا رویہ اور انداز گفتگو بڑا ہمدردانہ ہوتا۔

لیکن ان تمام انٹرویوز میں دو انٹرویو خاص طور پر قابل ذکر ہیں ایک تو فنانشل ٹائمز لندن کی وکٹوریہ برنٹ (Victoria Burnet) کا اور وہ اس لحاظ سے کہ میں نے اپنی گفتگو میں جو کچھ کہا محترمہ نے اپنی رپورٹ میں تقریباً وہی کچھ شائع کیا اور دوسرے امریکہ کے با اثر ہفت روزہ نیویارکر کے سیمور ہرش کا اور وہ اس حوالے سے کہ اس نے انتہائی دھمکی آمیز گفتگو کی۔ وہ موبائیل پر پانچ چھ دن بات کرتے رہے کہ میں آپ سے ملاقات کیلئے آپکے دفتر آنا چاہتا ہوں۔ اسی دوران میں ایک دن کیلئے کراچی میں تھا۔ موصوف نے کراچی فون کیا اور کہا میرے علم میں ہے کہ آپ کراچی میں ہیں۔ آپ اسلام آباد آ جائیں تو ملاقات ہو گی۔ پھر ایک دن فرمانے لگے کہ میں نے جنرل مرزا اسلم بیگ' مشاہد حسین سید اور

دیگر دو تین حضرات کو اپنے ہوٹل میں مدعو کیا ہے اور ان سے بات چیت کے بعد میں آپکے پاس آؤنگا۔ میں نے کہا ضرور تشریف لائیں لیکن میں سوچنے لگا کہ یہ ہرش صاحب آخر مجھے بار بار فون کیوں کرتے ہیں۔ میں نے ایک باخبر پاکستانی ادارے کے متعلقہ صاحب سے پوچھا کہ ہرش صاحب کا کیا پس منظر ہے؟ انہوں نے کہا ''ہرش یہودیوں کا القائدہ ہے'' اس پانچ لفظی جواب میں مشہور محاورے کے مطابق دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا۔ دوسرے دن نوائے وقت 8 فروری 2004 میں جنرل مرزا بیگ صاحب کا ہرش سے ملاقات کے حوالے سے ایک مضمون شائع ہوا جس سے یہ واضح ہوا کہ سیمور ہرش امریکی انتظامیہ میں وسیع اثر ورسوخ رکھنے والا صحافی ہے۔ مثلاً انہوں نے بقول جنرل اسلم بیگ پاکستان کے مذکورہ دانشوروں سے بات چیت کے دوران کہا

تیسرے دن میرے موبائیل پر انہوں نے کہا ''میرے علم میں ہے کہ آپ اسلام آباد کلب میں لنچ کر رہے ہیں۔'' کیا میں تین بجے آپکے دفتر آ جاؤں؟ میں نے کہا ہاں بصد شوق تشریف لائیں میں آپکا منتظر رہوں گا۔ کھانے کے دوران میرا ہرش کو دیکھنے اور اسکی باتیں سننے کا اشتیاق اور تجسس مزید بڑھتا گیا۔ تین بجے ہرش صاحب مجھ سے ملاقات کیلئے آئے تو میں نے دیکھا انہوں نے جاگر شوز پہنے ہوئے ہیں اور ہاتھ میں ایک تھیلا نما کوئی چیز پکڑی ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنا تھیلا ایک خالی کرسی پر رکھ دیا اور خود ساتھ والی کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گئے۔ قدرے جھک کر اپنا دائیاں ہاتھ اس کرسی پر پھیلا دیا جس پر ان کا تھیلا پڑا ہوا تھا۔ پھر بغیر کسی تمہید کے متکبرانہ انداز میں کہنے لگے ''مسٹر ملک اگر امریکہ پاکستان سے مطالبہ کرے کہ آپکے ڈاکٹر خان کو ہمارے حوالے کیا جائے تو آپ کیا کریں گے؟ میں اس غیر متوقع سوال پر قدرے حیران ہوا اور برہم بھی۔ لیکن میں نے ایک روایتی مشرقی میزبان کی طرح مسکراتے ہوئے کہا ''مسٹر ہرش امریکہ کو کوئی بھی منع نہیں کر سکتا کہ وہ ایسا مطالبہ نہ کرے لیکن میری یہ بات یاد رکھیں کہ پاکستان کے پندرہ کروڑ شہری سڑکوں پر آ جائیں گے اور صدر مشرف کو ہر ممکنہ طریقے سے روکیں گے کہ وہ ڈاکٹر خان کو امریکہ کے حوالے نہ کریں۔ کیا آپ واقعی ایسا سمجھتے ہیں؟'' ہرش نے بڑی سنجیدگی سے دوسرا سوال کیا۔ میں نے کہا ہاں میں پوری ایمانداری سے آپکو بتا رہا ہوں کہ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ مسٹر ہرش بولے۔ ''کیا آپ کے علم میں ہے کہ میں پندرہ برس سے پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر گہری نظر رکھے ہوئے ہوں۔ میں ڈاکٹر خان کی تمام حرکات وسکنات سے واقف ہوں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ ڈاکٹر خان نے ایران اور لیبیا کو ایٹمی ٹیکنالوجی کیوں دی؟'' ____ میں نے کہا مسٹر ہرش میں آپ سے ایک سوال پوچھوں؟ کہنے لگے ہاں پوچھیں۔ میں نے کہا ''برطانیہ، جرمنی، ہالینڈ اور دیگر بہت سے مغربی ممالک نے ایٹمی ٹیکنالوجی پاکستان کو کیوں دی اور اب ان ممالک نے ایٹمی ٹیکنالوجی





ایران اور لیبیا کو کیوں دی؟'' جن اشخاص یا اداروں نے پاکستان کو ٹیکنالوجی دی تھی یا اب ایران اور لیبیا کو ٹیکنالوجی دی ہے آپ لوگوں نے انکے خلاف کیا کاروائی کی ہے؟ مسٹر ہرش اپنی سیٹ سے اٹھے اپنا تھیلا پکڑا اور سلام دعا کئے بغیر دفتر سے باہر نکل گئے۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ مغرب سے آنے والے بہت سے صحافی اپنی اپنی حکومتوں کے ایجنڈے کو آگے بڑھانے کیلئے کام کرتے ہیں۔ اب چونکہ ہمارے مغربی دوستوں کا ایجنڈا پاکستان کو ایک غیر ذمہ دار ایٹمی ملک ثابت کرنا ہے اور اپنے اس مضحکہ خیز تصوراتی خدشے کو حقیقت ثابت کرنا ہے کہ پاکستان کے ایٹمی ہتھیار دہشت گردوں کے ہاتھ لگ سکتے ہیں جس سے عالمی امن خطرے میں پڑ جائے گا اسلئے میرا انٹرویو کرنے والے تقریباً ہر مغربی صحافی نے کچھ اس قسم کے سوالات پوچھے

(ا) کیا آپ نہیں سمجھتے کہ یہ سب کچھ ڈاکٹر خان اکیلے نہیں کر سکتے تھے۔ آپکے خیال میں کون کون سی حکومتی یا فوجی شخصیت اس سارے معاملے میں شامل ہو سکتی ہے؟

(ب) کیا آپ اس بات سے اتفاق نہیں کرتے کہ پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ غربت ہے اسلئے ایٹمی پروگرام پر کروڑوں اربوں روپے خرچ کرنے سے پاکستان کو کیا ملا؟

(ج) کیا آپکی معلومات کے مطابق ڈاکٹر خان نے ایٹمی ٹیکنالوجی کے حوالے سے ایران، لیبیا اور شمالی کوریا کے علاوہ کسی اور ملک کی بھی مدد کی؟

(د) ڈاکٹر خان اپنے شب وروز کیسے گزارتے تھے؟ کیا آپکے پاس انکی جائیداد اور انکی بیگمات کی فہرست ہے؟ وغیرہ وغیرہ

مغربی ممالک نے اور خاص طور پر امریکہ نے ذرائع ابلاغ اور میڈیا میں پنہاں بے پناہ قوت اور اسکی غیر معمولی اثر آفرینی کو اچھی طرح سے سمجھ لیا ہے اور وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے کیلئے میڈیا کا بھرپور استعمال کرتا ہے میں نے پاکستان میں اخبارات وجرائد کے مدیران کرام کی قومی تنظیموں کے ایک عہدہ دار کی حیثیت سے کئی مرتبہ کوشش کی ہے کہ ہم میڈیا کے لوگ حکومت وقت اور مملکت پاکستان کے مفادات اور مقاصد کو الگ الگ کر کے دیکھنے کا کلچر پیدا کریں میرا یہ کہنا ہے کہ جہاں تک پاکستان کے قومی مقاصد کے حصول کا تعلق ہے حکومت، اپوزیشن، پریس اور دیگر تمام حکومتی اداروں بشمول ان اداروں کے جنہیں عرف عام میں حساس ادارے کہا جاتا ہے۔ سب کو یکجا اور یک زبان ہونا چاہئے۔ میں اکثر یہ مثال دیتا ہوں کہ جب یو ایس ایس آر یعنی سابق متحدہ روس امریکہ کا ٹارگٹ تھا تو اس نے ایک مربوط حکمت عملی کے تحت پریس کی مدد سے پوری دنیا میں روس کی کردار کشی کی مہم کئی برس تک چلائے رکھی۔ ہم پاکستانی اسی لئے روس کے خلاف ہو گئے کہ روسی ملحد ہیں، اللہ کے وجود کو نہیں مانتے، پاکستان میں بدقسمتی سے

مختلف ادوار کے میڈیا منیجروں کی کوتاہ بینی کی وجہ سے حکومت کا پریس سے رابطہ صرف سربراہ حکومت کی پروجیکشن یا اپوزیشن کی کردار کشی کے حوالے سے رہا ہے۔ وطن عزیز کے بنیادی قومی مقاصد کے تعین اور ان مقاصد کے حصول کے حوالے سے کسی متفقہ لائحہ عمل پر اتفاق رائے پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔

محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے حوالے سے جس مغربی صحافی نے بھی میرا انٹرویو کیا اور جو جو سوالات پوچھے ان سے میرا یقین پختہ سے پختہ تر ہو گیا کہ یہ لوگ امریکہ کے عالمی ایجنڈے کے تحت اسلام آباد میں آئے تھے۔ دوسرے بہت سے حضرات کی طرح میرے ٹیلی فون بھی ٹیپ ہوتے ہیں اس لئے متعلقہ ادارے میرے دفتر میں غیر ملکی صحافیوں کی آمد و رفت سے بخوبی واقف تھے اور مجھے ایک دو مرتبہ کہا بھی گیا کہ آپ کسی سے بھی ملاقات کرنے اور ڈاکٹر خان کے حوالے سے بات چیت کرنے سے پرہیز کریں ورنہ آپکے لئے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ دراصل یہ ہمدردانہ مشورے تھے کہ کہیں کوئی غیر ملکی صحافی کوئی ایسی بات مجھ سے منسوب نہ کر دے جس سے کوئی طوفان اٹھ کھڑا ہو۔ میں نے کہا میں چونکہ خود ایک صحافی ہوں اس لئے میں جانتا ہوں کہ کس سے کیا بات کرنی ہے اور دوسرے یہ کہ میرا محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان سے عزت و احترام کا رشتہ جس قدر بھی گہرا ہو اور میں ان کے ساتھ زمانے کے ''حسن سلوک'' سے جس قدر بھی دل گرفتہ ہوں میں کبھی بھی اپنے قول و فعل سے پاکستان کے مفاد پر آنچ نہیں آنے دونگا۔





# ڈاکٹر خان کی کردار کشی اور اصل حقائق

تاریخ بتاتی ہے کہ 715ء میں خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے فاتح سندھ محمد بن قاسم کے ہاتھوں نیزہ بازی کے ایک مقابلے میں شکست اور ان کے چچا حجاج بن یوسف سے ذاتی عداوت کا بدلہ لینے کے لئے محمد بن قاسم کو سندھ کی امارت سے الگ کر کے عراق کی ایک جیل میں نظر بند کر دیا تو محمد بن قاسم جیل میں بھی ایک نئی منجنیق (پتھر پھینکنے کی ایک قدیم مشین) کا ڈیزائن بناتے رہے۔ جیلر نے جب پوچھا ''آپ یہ کیا بنا رہے ہیں؟'' تو کہا ''ایسی منجنیق کا ڈیزائن بنا رہا ہوں' جو زیادہ بھاری پتھر زیادہ فاصلے تک پھینک سکے'' جیلر نے حیرت اور دکھ سے کہا ''خلیفہ آپ کو قتل کرانے کے درپے ہے اور آپ اس کے لئے یہ کام کر رہے ہیں۔'' محمد بن قاسم نے کہا ''مجھے معلوم ہے خلیفہ سلیمان مجھے قتل کروا دے گا اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ ایک دن سلیمان کو بھی موت آ دبوچے گی لیکن میں نئی منجنیق کا ڈیزائن لشکر اسلام کے لئے بنا رہا ہوں۔'' محمد بن قاسم کے تیار کردہ اس ڈیزائن پر نئی منجنیق بنائی گئی جو سالہا سال لشکر اسلام کے کام آتی رہی۔ محمد بن قاسم مرنے کے بعد بھی زندہ ہیں۔ ایک ہیرو کی حیثیت سے اپنوں اور غیروں نے ان کی عظمت کو گہنانے کے لئے ان پر زندگی میں بھی اور بعد از مرگ بھی کئی الزامات تراشے مگر محمد بن قاسم کی عظمت اور مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آیا اور ان کا تذکرہ آج بھی ایک عظیم ہیرو کی حیثیت سے ہوتا ہے۔

پاکستان کے مایہ ناز سپوت ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے وہ کارنامہ انجام دیا ہے جس کا تذکرہ ہمیشہ رہے گا۔ قوم نے ڈاکٹر خان کو جو عزت و احترام دیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ وہ ہر محبّ وطن کے دل پر حکومت کرتے ہیں' کہ ان کی کوششوں سے پاکستان ایٹمی قوت بنا اور اس کے تحفظ کا مستقل انتظام ہوا۔

ڈاکٹر خان کے ''زندہ درگور'' کئے جانے کا ایٹمی سانحہ درحقیقت اکیسویں صدی میں کھلنے والے عالمی پنڈورا بکس سے نکلنے والی انتہائی تہلکہ خیز خبر کی صورت میں رونما ہوا' جس نے بھارت سے برسرپیکار پاکستان کے ایک قومی ہیرو کو عبرتناک حالات سے دوچار کر دیا۔ اس وقت پوری دنیا میں جو مہم جاری ہے پاکستان کے بھی بعض لوگ اسکا حصہ نظر آتے ہیں۔

پولیس کا ایک معمولی تفتیشی افسر بھی کسی جرم میں ملوث ملزم کی تفتیش کی تشہیر نہیں کرتا' جب تک کہ وہ کسی حتمی نتیجے پر نہ پہنچ جائے۔ یہ تو ایک قوم کے انتہائی حساس اثاثوں اور ہیرو کا معاملہ تھا' جنہیں انتہائی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہوئے کسی غیر جانبدارانہ تفتیش کے مراحل سے گذارے اور ملزمان کو

صفائی کا موقع دیئے بغیر طے شدہ منصوبے کے تحت رسوا کیا گیا اور بعض بزعم خود نابغہ روزگار قلمکاروں اور دانشوروں نے کسی تحقیق اور ''ملزمان'' کو ذمہ دارانہ اور آزادانہ فورم پر بولنے کا موقع دینے اور کسی بے لاگ منصف کے فیصلے کے بغیر ہی یقین کرلیا کہ ڈاکٹر خان اور ان کے ساتھی سرتاپا گناہ اور ''ملت فروشی'' کے مرتکب ہوئے ہیں۔ لہذا ان کے بارے میں جو جھوٹ سچ انھیں فیڈ کیا جاتا رہا اسے چباچبا کر اپنے کالموں اور اپنی خبروں میں بیان کرتے رہے جیسے قوم پر بہت بڑا احسان کررہے ہوں۔

جنرل پرویز مشرف نے اپنی 5 فروری 2004 کی پریس کانفرنس میں اپوزیشن اور ڈی بریفنگ کے ناقد اخبارنویسوں کو تو غیر ذمہ دار قرار دیتے ہوئے انھیں قومی مفاد میں تحمل و بردباری کی تلقین کی لیکن وہ ان کارندوں اور شکم پرور قلمکاروں کو جانے کیوں نظر انداز کر گئے جن کی غیر ذمہ داری نے انھیں اس موڑ پر لا کھڑا کیا کہ ایک طرف آج ان پر امریکہ کا دباؤ ہے اور دوسری طرف ملک وقوم کا مفاد اور عوام کا غم وغصہ۔ دراصل یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے میری دانست میں ڈاکٹر خان' ان کے ساتھیوں' اور پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف ایسی ایف آئی آر کٹوائی ہے جس کا خمیازہ قوم کو مدتوں بھگتنا پڑے گا۔

ڈاکٹر خان کی کردارکشی میں ماضی میں پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن اور اس کے بعض ذیلی اداروں کے بعض عناصر تو اسی روز سے مصروف تھے جس روز وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے کے آر ایل کے نام سے الگ ادارہ بنایا اور اس کی سربراہی ڈاکٹر خان کو سونپی تھی اور ان عناصر میں مخالفت ورقابت کا منفی جذبہ کہوٹہ لیبارٹریز کی اپنے مشن میں پیش رفت کے ساتھ ساتھ بڑھتا گیا۔ انھیں خوف تھا کہ ڈاکٹر خان اور ان کی ٹیم کی کامیابیاں ان سازشی عناصر کی ''صلاحیتوں'' اور وطن عزیز سے ان کی ''وفاداری'' کا بھرم کھول دیں گی۔ صدر ضیاء الحق مرحوم کی زندگی تک وہ اپنے اندر چھپے ہوئے بغض وخبث کا کھل کر اظہار نہ کرسکے تھے البتہ ضیاء شہید کے منظر سے ہٹتے ہی ان کی زبانیں بتدریج کھلتی چلی گئیں پھر مئی 1998 کے دھماکوں کے بعد جب قوم نے ڈاکٹر خان کو محسن پاکستان کے قابل فخر مقام پر فائز کیا تو وہ پھٹ پڑے۔ اس مرحلے پر انھیں وزیراعظم نواز شریف کی بالواسطہ تائید بھی مل گئی کیونکہ بقول بعض حلقوں کے خود پرست نواز شریف بھی ان کی قبولیت عامہ سے حسد کرنے لگے تھے' اور انھیں خواہ مخواہ اور بے بنیاد ڈر پیدا ہوگیا تھا یا ان کے اندر یہ ڈر پیدا کردیا گیا تھا کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان اگر کسی وقت سیاست میں آگئے تو وہ ملکی افق پر چھا جائیں گے۔ وزیراعظم کے کارندوں نے اسی حسد کی بنا پر مشہور ومعروف کرکٹر عمران خان کی بھی قومی انتخابات سے پہلے زبردست کردارکشی کی تھی۔

مارچ 2001 میں محسن پاکستان کی ریٹائرمنٹ کے بعد تو جیسے بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ ان





کی ریٹائرمنٹ پر قوم نے جس ردعمل کا اظہار کیا تھا' اس سے انھیں ریٹائر کرنے والے بھی گھبرا گئے اور بالواسطہ طور پر ان کی ہمدردیاں بھی ڈاکٹر خان کی مخالف لابی کو حاصل ہوگئی تھیں تاکہ ڈاکٹر خان نے قومی زندگی میں جو قابل رشک مقام بنالیا ہے اسے گہنا دیا جائے اور ان کے قد کو چھوٹا کیا جائے۔

دنیا کی واحد سپر طاقت کے دباؤ اور ملک کی ساکھ بحال کرنے کے نام پر ڈی بریفنگ کا ڈرامہ شروع ہوا تو بعض عناصر ڈاکٹر خان سے اپنی پرانی مخاصمت کا حساب برابر کرنے کے لئے میدان میں کود پڑے اور شعوری یالاشعوری طور پر اس مہم کا حصہ بن گئے جو دشمن نے ڈاکٹر خان اور پاکستان کی رسوائی کے لئے شروع کی تھی بلکہ بعض حلقے تو اس گمان کا اظہار کررہے ہیں کہ جس طرح معروف امریکی صحافی باب وڈورڈ کی کتاب ''پلان آف اٹیک'' (Plan of Attack) میں لکھا ہے کہ عراق پر حملے کا جواز ڈھونڈنے کے لئے سی آئی اے قبائلیوں اور کردوں کے علاوہ صدام کی فوج انٹیلی جنس اور حفاظتی نیٹ ورک میں گھس گئی اور ڈالروں کے ذریعے بڑی تیزی سے ایجنٹ پیدا کرلئے گئے اسی طرح یہاں بھی ڈالروں کے سہارے ایجنٹ تیار نہ کرلئے گئے ہوں بلکہ سابق چیف آف آرمی سٹاف جنرل بیگ نے تو ایک بیان (مارچ 2004 روزنامہ خبریں) میں کھل کر کہا ہے کہ'' ہمارے دشمن' ہمارے انتہائی حساس اداروں میں نقب لگا چکے ہیں۔'' اس کا ثبوت وہ کیسٹ ہے جس میں کارگل آپریشن کے دوران میں جنرل پرویز مشرف اور چیئرمین جائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی جنرل عزیز احمد خان کی ٹیلی فون پر ہونے والی بات ریکارڈ کی گئی پھر وہ کیسٹ بھارت جا پہنچی۔ جنرل مشرف نے بیجنگ سے جنرل عزیز سے بات کی تھی۔

خیر یہ جنرل بیگ کی اپنی رائے ہے جس سے اتفاق ضروری نہیں لیکن پاکستان میں متعین رہنے والے ایک سابق امریکی قونصل جنرل ڈاکٹر اینڈر یوکوری نے ایک مرتبہ پاکستانیوں کے بارے میں کہا تھا کہ'' ایک پاکستانی کی قیمت وسکی کی ایک بوتل سے امریکہ کی مفت سیر کے درمیان ہے۔'' اور دی ''اسلامک بم'' کے امریکی مصنفین نے بھی اپنی کتاب میں یہی لکھا ہے کہ انہوں نے ''ملتان میں سائنسدانوں کی کانفرنس' اور اس کے بعد ایٹمی پروگرام کی پیش رفت اور بھٹو کے عزائم کی تفصیلات بھٹو مرحوم کے ایک قریبی اہل کار دانشور سے حاصل کی ہیں جو شراب پی کر ایسا بہکا کہ سب کچھ اگلتا چلا گیا۔'' اس لئے یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ حکومتی کارندوں سے لیکر قلمکاروں اور دانشوروں کے اس قبیلے تک سی آئی اے نے اپنے ایجنٹوں کا جال بچھا دیا ہو جیسا عراق میں بچھایا تھا۔

محسن پاکستان کی کردارکشی کی مہم میں جس کا محسن پاکستان کو بڑا دکھ ہے' ایک بڑے اخباری گروپ کے بعض صحافیوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ کردارکشی کے حوالے سے شائع کی جانے والی ان خبروں میں ڈاکٹر خان کے لئے ایسے غیر مناسب الفاظ استعمال کئے گئے کہ خدا کی پناہ. بعض قلمکاروں

نے ''باخبر حلقوں'' کے حوالے سے ڈاکٹر خان پر جو الزامات لگائے وہ اس طرح ہیں۔

o-ڈاکٹر خان اپنی شہرت کے جنون میں مبتلا اور خود پرست شخص ہیں۔ انتہائی گھمنڈی اور خرچیلے ہیں۔ انہوں نے 1988 سے اب تک اپنی شہرت اور شخصیت کو بالا کرنے کے لئے ملکی اور غیر ملکی میڈیا کے لوگوں پر پچاس ملین روپے خرچ کئے۔

o-ڈاکٹر خان نے اپنی بیٹیوں کی شادی پر آرائشی سامان (ٹیفلون ٹینٹ وغیرہ) فلوریڈا سے منگوایا۔ چالیس لاکھ ڈالر خرچ ہوئے۔ دونوں بیٹیوں کو BMW گاڑیاں اور مکانات تحفے میں دیئے۔

o-ڈاکٹر خان نے اپنے ڈرائیور اور ایک پامسٹ سمیت بہت سے لوگوں کو مکانات بنوا کر دیئے۔

o-ڈاکٹر خان کا قبضہ مافیا سے تعلق ہے اسلام آباد میں ان کی 22 جائیدادیں ہیں' بیرون ملک بھی بھاری پراپرٹی بنائی ہوئی ہے۔

o-ڈاکٹر خان رشوت خور ہیں۔ آئی ایس آئی کے ایک ریٹائرڈ افسر کے مطابق 80 کے عشرے میں جب جنرل حمید گل آئی ایس آئی کے سربراہ تھے۔ پہلی دفعہ نشاندہی ہوئی۔ جنرل کلو نے باقاعدہ ایک رپورٹ وزیراعظم کو دی مگر کوئی ایکشن نہ ہوا' پھر جنرل محمود احمد سے جھڑپ ہوئی اور ان کی تجویز پر ہی انہیں کہوٹہ سے فارغ کیا گیا۔

o- کہوٹہ پروجیکٹ پر دس بلین ڈالر خرچ ہوئے ان کا کوئی حساب نہ رکھا گیا۔ زیادہ تر خریداریاں دبئی میں قائم اپنے بھائی عبدالقیوم خاں اور داماد نعمان شاہ کی فرم کے ذریعے ہوئیں اس فرم کو پرکشش ٹھیکے دیئے گئے اور یوں بالواسطہ طور پر بھاری رقوم وصول کیں۔

o-ڈاکٹر خان نے ٹمبکٹو میں کروڑوں روپے کے خرچ سے بیوی کے نام پر ہوٹل بنایا اس کے لئے فرنیچر اور دیگر سامان C-130 سے بھیجا گیا سینئر سائنسدان ڈاکٹر فاروق ساتھ گئے وہاں چونکہ C-130 طیارہ اترنے کی سہولت نہ تھی اس لئے طیارہ ٹریپولی میں اتارا گیا۔ اس کا کچھ سامان امریکہ کے ہاتھ لگ گیا۔

o-انڈر ورلڈ مافیا سے تعلق ہے دبئی میں سونے کے پاکستانی تاجر سے قریبی تعلق ہے روزانہ ٹیلی فون پر بات ہوتی ہے۔

o-لیبیا اور ایران کو ایٹمی ٹیکنالوجی بیچی' شام و عراق کو پیش کش کی' ایران کو معلومات اور بلیو پرنٹس دینے کے علاوہ سنٹری فیوج بنانے میں مدد دی' جنرل بیگ اور آئی ایس آئی کے ایک سابق ڈی جی جنرل اسد درانی کو علم ہے کیونکہ دونوں ایران کی مدد کے حامی تھے۔

o-ڈاکٹر خان کے بیرون ملک کئی بنک اکاؤنٹس میں کروڑوں جمع ہیں۔ ایران سے ملنے والا پیسہ دبئی کے بنک میں رکھا گیا۔ ایرانی حکومت نے اس کی تصدیق کردی آئی اے ای اے اور امریکہ کو تفصیلات مل گئی ہیں۔





o-انیس سے زائد مرتبہ شمالی کوریا کے خفیہ دورے کئے وغیرہ وغیرہ

مزید تفصیلات میں جائے بغیر مختصر طور پر کہنا مناسب ہوگا کہ ایک ایسی ہستی کے خلاف اس قدر بے بنیاد مضحکہ خیز ناقابل یقین اور دل آزار الزامات کی بوچھاڑ کردی گئی جو کہ ایک فرشتہ صفت شخصیت ہیں جس کے محیرالعقول کارنامے کی بنا پر آج ہر پاکستانی سینہ تان کر چلتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر خان پر اس قسم کے الزامات پہلی مرتبہ نہیں لگے' بلکہ 2001 میں جب انھیں خان لیبارٹریز سے فارغ کیا گیا تھا اور اس پر عوام نے شدید ردعمل کا اظہار کیا کیونکہ وہ انہیں تاحیات خان لیبارٹریز کا چیئرمین رکھنے کے حق میں تھے' تو اس وقت بھی عوامی ردعمل کی شدت کم کرنے اور ڈاکٹر خان کے قد کو گھٹانے کیلئے "باخبر ذرائع" نے اسی قسم کی بعض خبریں شائع کروائی تھیں۔ اس وقت بھی کہا گیا تھا کہ کے آر ایل کے حسابات کا کبھی آڈٹ نہیں ہوا تھا' پہلی بار کے آر ایل کا آڈٹ ہوا تو یہ بات سامنے آئی کہ سات ارب روپے کا کوئی حساب موجود نہیں ہے کہ یہ رقم کہاں خرچ ہوئی؟ اسوقت کسی بدبخت نے یہ خبر بھی شائع کروا دی تھی کہ ڈاکٹر خان اسلام آباد میں ساشے کے نام سے جو فلاحی تنظیم چلا رہے ہیں انہوں نے اس کی خاتون سربراہ کے ساتھ خفیہ شادی رچالی ہے اس وقت جو دوسرے الزامات تراشے گئے وہ کچھ یوں تھے۔

o-یہ وہ ڈاکٹر خان نہیں ہیں جنہوں نے کہوٹہ پروجیکٹ کا آغاز کیا تھا' وہ ڈاکٹر خان کوئی اور تھے اور یہ ڈمی کے طور پر آگے لائے گئے تھے تاکہ پاکستان کے دشمنوں کو مغالطہ میں رکھا جائے۔

o- ڈاکٹر عبدالقدیر خان ایک بدمزاج اکھڑ اور خود پسند آدمی ہیں۔

o-صوابدیدی فنڈز کو ذاتی اخراجات کے لئے بھی استعمال کرتے تھے۔

o-سی ڈی اے میں ایک قبضہ گروپ کو ان کی آشیرباد حاصل رہی اور انہوں نے کئی پلاٹوں پر قبضہ کیا۔

o-ایٹم بم بنانے میں ان کا کوئی کردار نہیں ہے۔

o-انہوں نے مالی بے ضابطگیاں کیں جو ثابت ہوگئیں لہذا انھیں باعزت گھر بھیجنے کے لیے مشیر بنایا گیا ہے۔

اس وقت بھی کچھ کالم نویسوں نے چاند کی عظمت کو گہنانے کی کوشش کی اور براہ راست یا بالواسطہ ملک کے محسن ایٹمی سائنسدان پر کیچڑ اچھالا۔ حالیہ بحران کے دوران بھی جن قلمکاروں نے اپنے دلی بغض کا اظہار کیا ہے' ان میں ایک نے ایک انگریزی اخبار میں کئی کالم لکھے' سب کی تان اس پر ٹوٹی کہ ایٹمی سائنسدان ایٹمی ٹیکنالوجی کے پھیلاؤ میں انفرادی طور پر ملوث ہیں' اسلئے ''قابل گردن زدنی'' ہیں۔ لیکن جیسے ہی ''معافی'' کا اشارہ ملا انہوں نے بھی انگلی کٹا کر شہیدوں میں شامل ہونے کے لئے اپنے کالم میں سفارش کی کہ چونکہ ڈاکٹر خان اور ان کے ساتھیوں نے پاکستان کو ایٹمی صلاحیت دی ہے اسلئے ان کی سزا

برائے نام ہونی چاہیے۔

"The fact that AQK and his scientist colleagues had developed the Nuclear potential for Pakistan makes a case for mitigating their punishment."

ان صاحب کے بارے میں اتنا جان لیجئے کہ 1971 میں موصوف فوج میں تھے اور مشرقی پاکستان میں تعینات تھے' سقوط ڈھاکہ کے فوراً بعد واحد فوجی تھے جو بھارت کے راستے بخیریت پاکستان پہنچ گئے تھے. یہ کیوں کر ممکن ہوا وہ فی الحال ہمارا موضوع نہیں ہے لیکن اس حوالے سے ہمارے پاس مصدقہ معلومات اور دستاویزات ہیں۔ان صاحب نے ڈاکٹر خان پر یہ الزام لگایا ہے کہ وزیر اعظم بھٹو اور جنرل ضیاء الحق نے انہیں اپنے کام کے لئے ''فری ہینڈ'' دیا تو ڈاکٹر خان نے نہایت چالاکی سے اپنے کلی اختیارات کو ''برآمدی'' سرگرمیوں کے لئے استعمال کیا۔

ان صاحب نے اپنے کالم میں سری لنکن طاہر کے اس بیان کو حرف بحرف چھاپا ہے جو اس نے مبینہ طور پر ملائیشیا کی پولیس کو دیا۔ حالانکہ اپنے کالم ہی میں یہ اعتراف بھی کرتے ہیں کہ دنیا جانتی ہے کہ 1975/76 میں کہوٹہ پروجیکٹ شروع ہوا اس کیلئے زیادہ تر خریداری انڈر ورلڈ سے ہوئی ایسے میں متعلقہ بروکرز یا لوگوں سے ڈاکٹر خان کا رابطہ یقیناً ہوا ہوگا۔ جو وقت کے ساتھ شناسائی میں تبدیل ہو گیا' لیکن آج محض ان لوگوں سے تعلق کو بہانہ بنا کر محسن ملک وملت کی کردار کشی کی جا رہی ہے.''اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی---'' لیکن اس حوالے سے انہوں نے جو دلائل دیئے ان میں ذوالفقار علی بھٹو' جنرل ضیاء الحق' نصیر اللہ بابر' جنرل جاوید اشرف قاضی ڈاکٹر خان سمیت تمام ایٹمی سائنسدانوں یا ان کے دوستوں پر کیچڑ اچھالا گیا' اور بالواسطہ طور پر دشمنوں کے الزامات کی تائید اور ڈاکٹر خان کی عظمت وخدمت سے انکار کی طرف رجحان ہے اس کے باوجود وہ اس اعتراف پر مجبور نظر آتے ہیں کہ ڈاکٹر خان پر بدعنوانیوں کے جو الزامات لگائے جا رہے ہیں قوم کے سامنے ان کا کوئی دستاویزی ثبوت نہیں لایا گیا۔ البتہ ان کا یہ ''ابہام'' ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ کہ قوم ڈاکٹر خان کو ہیرو کیوں تسلیم کرتی ہے اور گذشتہ پانچ سال کی کوششوں کے باوجود جن لوگوں کو حاکمان وقت کی تائید بھی حاصل رہی ان کو آج بھی عوام کوئی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ حالانکہ انہوں نے خود یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ پاکستان کو ایٹمی طاقت بنانے میں ڈاکٹر خان کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ پھر بھی وہ لکھتے ہیں ''ڈاکٹر خان نے ساری شہرت میڈیا کے لوگوں کو بھاری رقوم دے کر حاصل کی۔''





ایک بڑے اردو اخبار کے سینئر صحافی نے جو ''اندر کی خبر'' لانے میں مشہور ہیں اپنے کالموں کے ذریعہ ایٹمی سائنسدانوں کی بھد اڑانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ ہمارے یہ محترم اپنی تحریروں میں دوسروں کو اکثر دلیل' منطق' تدبر اور حقیقت شناسی کا سبق دیتے نہیں تھکتے اور اپنے کالموں کو قرآن وحدیث سے مزین کرنے میں بہت آگے ہیں' خود پٹڑی سے ایسے اترے کہ قرآن وحدیث کی تمام تعلیمات کو بھلا کر غیروں کی باتوں پر اعتماد کر بیٹھے اور پاکستان کے محسن ڈاکٹر خان کے بارے میں بے اختیار شکسپیر کے الفاظ میں چلا اٹھے Et you Brutes (بروٹس تم بھی ایسی حرکت کر سکتے ہو)

پاکستان میں اخبارات کے دوسرے بڑے گروپ کے انگریزی روزنامہ میں ایک خاتون کالم نویس مسلسل اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑتی رہیں اسی اخبار کے ایک مستقل ملازم اپنے ابتدائی کالموں میں خاصے متوازن رہے' پھر جانے انہیں کس کی نظر لگ گئی کہ ڈاکٹر خان کی عظمت کا اعتراف کرنے والا یہ دانشور ڈاکٹر خان کو پاکستان کی ایٹمی قوت بنانے میں 1/24 واں کردار دینے پر بھی آمادہ نہ تھا اور یہ خبر لایا کہ ڈاکٹر خان کی آمد سے پہلے بلکہ 1960 کی دہائی میں پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن کا ایک نوجوان سائنسدان یورینیم انرچمنٹ پر کامیاب تجربہ کر چکا تھا۔ ماشااللہ۔ اگر ایسا تھا تو اس نوجوان نے 74 تک کتنی پیش رفت کی تھی؟ آج تک کسی نے روشنی نہیں ڈالی۔

آیئے! اب الزامات کے کچھ حقائق ملاحظہ فرمایئے' تاکہ اندازہ ہو سکے کہ ڈاکٹر خان کی کردار کشی کرنے والوں کے الزامات میں کتنا سچ اور کتنا جھوٹ ہے؟ کہا گیا کہ کہوٹہ پروجیکٹ پر 10 بلین ڈالر خرچ ہوئے' اور ڈاکٹر خان نے سات ارب روپے اڑا لئے۔ اس بارے میں پاکستان کے سابق آرمی چیف جنرل مرزا اسلم بیگ کا 23 اپریل 1994 کو ''دی نیوز'' میں ایک مضمون چھپا تھا' اس کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

> "1986'1987'1988 میں کہوٹہ پروجیکٹ جب انتہائی عروج پر تھا تو اس کا سالانہ بجٹ ایک ایف16 طیارے کی قیمت سے بھی کم تھا ہم نے ایک طیارہ کے لئے 18 ملین ڈالر کی بجائے 28 ملین ڈالر فی طیارہ ادا کئے کیونکہ ہم اپنی باری سے پہلے طیارے لینا چاہتے تھے۔ اس لئے ہمیں ہر طیارے کے لئے ۱۰ ملین ڈالرز زیادہ ادا کرنے پڑے۔ اشارہ 28 ملین ڈالر کی طرف نہیں بلکہ 18 ملین فی طیارے کی طرف ہے میں پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ کہوٹہ پروجیکٹ کا سالانہ بجٹ ایک ایف16 طیارے کی قیمت سے بھی کم تھا جبکہ ان 38 طیاروں میں سے چار پانچ جلد ہی تباہ ہو گئے اسلئے جو کہوٹہ کا متبادل روایتی جہازوں کو قرار دیتے ہیں وہ اس پہلو سے ناآشنا ہیں۔''

پھر انہی جنرل اسلم بیگ نے روزنامہ ''خبریں'' میں 2 مارچ 2004 کو چھپنے والے انٹرویو میں پھر کہا کہ

''کیا آپ میرا یقین کریں گے کہ 1976 سے 1990 تک پروگرام پر صرف ہونے والی رقم 250 ملین ڈالر سے کم تھی' ان میں غیر ملکی ادائیگیاں بھی شامل تھیں' کوئی بھی یقین نہیں کرے گا کہ ایٹمی ہتھیار اتنے سستے بنائے جاسکتے ہیں۔ فرانس سے ہم نے ایک آبدوز 350 ملین میں خریدی تھی۔ جولوگ کہتے ہیں ہم نیوکلیئر ڈیٹرنس کے حصول کی عیاشی میں لگے ہوئے تھے غلطی پر ہیں۔''

میں نے جنرل بیگ ان اقتباسات کا اس لئے ذکر کیا ہے کہ جنرل بیگ آرمی چیف کی حیثیت سے کہوٹہ پروجیکٹ کے ہر پہلو سے بخوبی واقف تھے اور پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر ایک قابل اعتبار اتھارٹی کا مقام رکھتے ہیں قارئین خود ہی فیصلہ کیجئے ننگی نہائے گی کیا اور نچوڑے گی کیا۔؟ آسمان پر تھوکا اپنے منہ پر۔ سات ارب کہاں سے کھائے گئے؟ ڈاکٹر خان کو پیسے سے پیار ہوتا تو وہ 1974 میں ہالینڈ کی تیس ہزار روپے ماہانہ کی پرسکون اور باعزت ملازمت چھوڑ کر تین ہزار ماہانہ پر پاکستان کی ملازمت میں نہ آتے۔ وہ جوایک سرکاری ذریعہ نے اپنے ''الزام'' کوتقویت دینے کے لئے کہا ہے کہ ہم نے گذشتہ 26 سال میں اپنے ایٹمی پروگرام پر 184 بلین روپے خرچ کئے ہیں اس نے اول تو تفصیل نہیں بتائی کہ اس میں سے ایٹمی توانائی کمیشن پر کتنا خرچ ہوا اور کے آر ایل پر کتنا اور دیگر دفاعی ضروریات پر کتنا خرچ ہوا' دوسرے یہ کہ کہوٹہ پر اٹھنے والے اخراجات کا بھاری حصہ یقیناً اسّی کے عشرے اور نوّے کے عشرے کے ابتدائی سالوں میں خرچ ہوا ہوگا۔ کہ جب ہم یورینیم کوہتھیار سازی کی سطح تک افزودہ اور اپنے بم کو ریفائن کرر ہے تھے' اس کے بعد ہم نے اپنے زیادہ تر مالی وسائل ڈلیوری سسٹم کی تیاری اور دوسرے ہلکے ایٹمی آلات کی ایجاد اور تیاری پر خرچ کئے گئے اس ذریعہ کا یہ کہنا کہ 184 بلین روپے (جو بقول اس کے 80 کے عشرے کی شرح کے حساب سے دس بلین ڈالر بنتے ہیں) باقاعدہ ڈیفنس بجٹ سے خرچ کئے گئے ان اعداد وشمار کے حقیقی ہونے کو مشکوک بنا دیتا ہے کیونکہ ہمارے ظاہری دفاعی بجٹ کا بڑا حصہ تنخواہوں پر خرچ ہوتا ہے جبکہ عام روایتی ہتھیار بھی خفیہ دفاعی بجٹ سے خریدے گئے۔ یوں بھی دفاعی بجٹ کبھی عام نہیں کیا گیا۔ جنرل اسلم بیگ نے اس بات کی بھی تردید کی ہے کہ کہوٹہ کی آمد وخرچ کا کوئی حساب نہیں ہوتا تھا' وہ کہتے ہیں:

''معاملے کو جس طرح بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا وہ محکموں کے درمیان رقابت حسد اور دشمنی کا نتیجہ ہے۔ کے آر ایل اور اٹامک انرجی کمیشن کے نام سے دو مختلف ادارے ہیں. کے آر ایل کو جو فنڈ ملتے تھے ان کا آڈٹ نہیں ہوتا تھا اٹامک انرجی کمیشن کا آڈٹ ہوتا تھا.اس نے دونوں میں عناد پیدا کر دیا ایٹمی کمیشن والے نہیں چاہتے تھے کہ کے آر ایل والوں کو کیک ملیں جسے وہ کھائیں





بھی جب تک جنرل ضیاء انچارج رہے اس رقابت کو کنٹرول میں رکھا گیا' اس کے بعد لوگ پھٹ پڑے اور الزام تراشی کرنے لگے۔ قدیر خان کیخلاف فرضی کہانیاں گھڑ لیں' جن میں بڑی جاذبیت نظر آتی تھی جب جنرل پرویز مشرف اقتدار میں آئے یہ کہانیاں پھیلی ہوئی تھیں کہ ڈاکٹر قدیر اور ان کے ساتھی سائنسدانوں نے اس رقم سے جو انھیں دی گئی تھی ایمپائرز بنالیں۔ ان میں سے بعض کہانیاں اخبارات میں بھی آئیں اور کہا گیا جنرل پرویز مشرف کو یہ سب کچھ بتایا گیا تو وہ پریشان ہو گئے۔ شاید حکومت سمجھتی ہے کہ ڈاکٹر خان نے فنڈز کا غلط استعمال کیا یہ کیسے ہوسکتا تھا' ڈاکٹر قدیر کو بھاری رقوم کام کرنے کے لئے دی گئی تھیں۔ انہوں نے کام کر کے دکھایا۔ آپ ہر پائی کا حساب تو نہیں دے سکتے۔''

''میں نیوکلیئر کمان اتھارٹی کا رکن تھا' اور اس کے سالانہ اجلاس میں شریک تھا جہاں بجٹ پر غور ہوا' اس میں اے کیو خان کو دیئے گئے بجٹ کی بیلنس شیٹ کی چیف ایگزیکٹو نے منظوری دی' ہر چیز کا حساب ہوا' اتنی رقم دی گئی اتنا افزودہ یورینیم تیار ہوا۔ ڈاکٹر قدیر اور انکے ساتھی سائنسدانوں نے معمولی رقم کے عوض ملک کو قابل اعتماد ڈیٹرنٹ دیا ہیان کے اکاؤنٹس میں جو کچھ ہے' میں اسے سونے کا برادہ قرار دیتا ہوں انہوں نے حکومت کا پیسہ نہیں لیا۔ اگر کسی سائنسدان کو دس ملین ڈالر سامان کی خریداری کے لئے دیئے گئے وہ اس رقم کو اپنے بیگ میں نہیں رکھے گا۔ کچھ عرصہ یہ رقم اس کے اکاؤنٹ میں پڑی رہے گی تو جتنا عرصہ یہ رقم اس کے اکاؤنٹ میں پڑی رہی گی اس کا مارک اپ بھی اس کے اکاؤنٹ میں جائے گا۔ ہوسکتا ہے اور یہ منطقی بات ہے کہ کوئی شخص اس سائنسدان سے رابطہ کر کے کہے کہ اے آر وائی گولڈ والے علاقے میں سونے کی قیمتوں پر نظر رکھتے ہیں۔ آپ کیوں ان ملین ڈالروں کی سرمایہ کاری نہیں کرتے ضرورت ہو اپنی رقم لے لیجئے۔ ہوسکتا ہو ایسا ہوا ہو کیا ایسا کرنا جرم ہے؟ بالکل نہیں۔ حکومت بڑے غلط طریقے سے معاملے کو لے رہی ہے اور محکموں کی آویزش میں وہ فریق بن گئی ہے اور سمجھتی ہے کہ سائنسدانوں نے راز بیچے ہیں۔'' (روزنامہ اوصاف 27 جنوری 2004)

اس کا اعتراف تو صدر پرویز مشرف نے بھی کیا ہے کہ کہوٹہ کے معاملات کو جن لوگوں نے ڈیل کیا ہے ان میں غلام اسحٰق خان کا عرصہ بہت طویل ہے بھٹو' ضیاء الحق' فاروق لغاری' اور رفیق تارڑ' کو چھوڑ یئے۔ غلام اسحٰق خان کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ وہ کتنے جزرس اور مالی معاملات میں کیا شہرت رکھتے ہیں۔ 74 سے 92/93 تک انہی نے ڈیل کیا۔

بنک اکاؤنٹس کے بارے میں ''خبریں'' کے ایک صاحب نے 20 مارچ 2004 کے شمارہ میں ''باخبر ذرائع'' کے حوالے سے یہ خبر دی ہے کہ پاکستان کے حالیہ دورے کے دوران میں امریکی وزیر خارجہ

کولن پاول کوڈاکٹر خان کے اکاؤنٹس کی تفصیلات سے آگاہ کیا گیا۔ یہ اکاؤنٹس لکسمبرگ، کیمن آئی لینڈ، امریکہ، فرانس، اور برطانیہ میں ہیں۔ (کیا کسی کو اب بھی شبہ ہے کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کیلئے تین بڑے ملکوں سے بھی انڈر ورلڈ کے ذریعہ خریداری ہوئی) جبکہ 7 فیصد اکاؤنٹس متحدہ عرب امارات میں ہیں۔ بقول خبر نگار کیمن آئی لینڈ وہ جگہ ہے جہاں اکثر فراڈ کمپنیاں اپنی رجسٹریشن کراتی ہیں، آغا حسن عابدی کا بند ہونے والا بنک بی سی سی آئی بھی اسی جزیرے میں رجسٹرڈ تھا (گویا اسے امریکیوں نے تباہ نہیں کیا بلکہ فراڈ بنک تھا) ذرائع کے مطابق لکسمبرگ اور کیمن آئی لینڈ میں اکاؤنٹس نمبروں پر ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر خان کے غیر ملکی بنک اکاؤنٹس کے بارے میں میاں شہباز شریف اور جنرل بیگ اپنے بیانات میں وضاحت کر چکے ہیں کہ یہ اکاؤنٹس حکومت کے اشارے پر کھلوائے گئے تھے کیونکہ انڈر ورلڈ سے لین دین سرکاری سطح پر اور کھلے عام نہیں ہو سکتا تھا اگر ایسا کیا جاتا تو پاکستان کا ایٹمی پروگرام کبھی آگے نہ بڑھتا۔ پھر جب حکومتی ذرائع خود یہ کہہ چکے ہیں کہ ان اکاؤنٹس کی حیثیت Open and Shut کی رہی. کھلے اور بند کر دیئے گئے پھر اس الزام کو بار بار دہرانا اور کولن پاول کو تفصیلات دینا چہ معنی دارد؟

2001 میں جب ڈاکٹر خان پر اسی قسم کے الزامات لگے تھے تو معروف صحافی اور برطانیہ میں پاکستان کے سابق ہائی کمشنر واجد شمس الحسن نے اورینٹ میگزین میں لکھا تھا کہ ''ایجنسیوں کے ایجنٹ ان قلمکاروں کا کوئی یقین نہیں کہ ایجنسیوں کے اشارہ پر وہ ایک دن ڈاکٹر خان کو ''را'' کا ایجنٹ قرار دیدیں۔'' انہوں نے مزید لکھا تھا کہ جن دو اخبارات نے ڈاکٹر خان کی کردار کشی کی مہم چلا رکھی ہے۔ ان کے خفیہ ایجنسیوں سے تعلقات کا سب کو علم ہے۔''

قارئین کرام۔ یہاں یہ بات بھی جان لیجئے کہ ڈاکٹر خان کی کے آر ایل سے ریٹائرمنٹ سے قبل نیب سے بھی تحقیقات کرائی گئی تھی۔ واجد شمس الحسن کے مطابق ان دنوں ڈاکٹر خان کی مالی بدعنوانیوں کی جتنی بھی کہانیاں شائع ہوئیں وہ سب Planted ہیں واجد شمس الحسن کا کہنا تھا کہ ''ڈاکٹر خان کو دراصل بھٹو کی طرح پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے کے گناہ کی سزا دی جا رہی ہے۔ اور ''سزا دینے والوں'' کے پیچھے وہی طاقتیں ہیں جنہوں نے بھٹو کو ''عبرتناک مثال'' بنا دیا اور اب وہ کسی بھی وقت کسی بھی دن ڈاکٹر خان کے ساتھ یہ سلوک کر سکتی ہیں۔''

1990 میں ڈاکٹر خان نے انسٹی ٹیوٹ آف نیشنل افیئر ز میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ

''بعض ایٹمی پرزہ جات کی خریداری دنیا کی مختلف منڈیوں میں جا کر کرنا پڑی''

یہ وہی دور ہے جب دبئی کے بنکوں میں ان کے نام اکاؤنٹ تھے ان میں بھاری رقم جمع تھی ان کی مدد سے وہ دنیا کی منڈی سے مطلوبہ سامان خرید سکتے تھے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ بھٹو مرحوم نے





جب کہوٹہ پروجیکٹ شروع کیا' اس کی نگرانی تین رکنی کمیٹی کے سپرد تھی جو ڈیفنس سیکرٹری غلام اسحٰق خان اس وقت کے فنانس سیکرٹری اے جی این قاضی اور سیکرٹری خارجہ آغا شاہی پر مشتمل تھی جنرل ضیاء کے دور میں آغا شاہی کی جگہ جنرل خالد محمود عارف نے لے لی۔ اور کچھ عرصہ بعد صاحبزادہ یعقوب علی خان کو بھی اس کمیٹی میں شامل کر لیا گیا۔ یہ ایسے لوگ تھے. کہ جنہیں کوئی شخص بھی خواہ کتنا ہی بااثر ہوتا دھوکہ نہیں دے سکتا تھا۔ ویسے بھی کہوٹہ کے اکاؤنٹس کی نگرانی کے لئے ایک ایڈیشنل سیکرٹری یا جائنٹ سیکرٹری کے عہدے کا ماہر مالیات ہمیشہ متعین رہا ہے۔ جس کا تعلق وزارت خارجہ سے ہوتا تھا۔ جنرل پرویز مشرف نے خود بھی اپنی پانچ فروری 2004 کی پریس کانفرنس میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ'' 1998 تک ہمارا ایٹمی پروگرام خفیہ تھا' اور اس کے لئے خفیہ طریقے سے خریداری ہوتی رہی۔'' انہوں نے یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ ''اسوقت اندرونی آڈٹ ہوتا تھا۔ میں بتا رہا ہوں یہ صحیح طریقہ تھا' ورنہ ہم آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔''

عام آدمی بھی اتنا شعور رکھتا ہے کہ جو چیز آپ کو کھلے بازار سے نہ ملے' بلکہ یوں کہئے جس چیز کی کھلے بازار میں آپ کے ہاتھوں فروخت پر پابندی ہو' اسے آپ ایسے شخص سے خریدیں گے جو اس پابندی کی خلاف ورزی پر آمادہ ہو اور ہر قسم کا خطرہ مول لے رہا ہو' وہ شخص آپ سے شاید دام بھی زیادہ لے دوسرے وہ آپ سے چیک نہیں لے گا۔ کیش لے گا۔ وہ نہ بل دے گا اور نہ ہی کوئی رسید جاری کرے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے لین دین میں کوئی لاپرواہی ہوئی ہو جسے کہ اب لاپرواہی کہا جا سکتا ہے. لیکن یہ کہنا کہ چونکہ حساب کتاب نہیں رکھا' اسلئے وہ مال کھا گئے۔ بدد یانتی ہے بلکہ واہیات اور بے بنیاد بات ہے۔ ایک صاحب کو یہ دکھ ہوا ----- کہ ایک میٹالرجسٹ ''محسن پاکستان'' کیسے بن گیا؟ وہ کہتے ہیں:-

I recognize Dr. Khan as a person who is polluting the fresh water of Rawal Lake.The sewerage pipelines of his bangalow discharge into the fresh water of the lake.It is allleged that Dr. Khan's house is the gross violation of the building rules of the CDA.

گویا موصوف خدائی فوجدار ہیں اور جو بات سی ڈی اے کو نظر نہیں آئی۔ انہیں دکھائی دے گئی کچھ یہی حال اس الزام کا ہے کہ ڈاکٹر خان کا سی ڈی اے کے قبضہ گروپ سے تعلق ہے اور انہوں نے کئی پلاٹوں پر قبضہ کیا۔ تو جان لیجئے ای سیون کا گھر انہوں نے 80 کی دہائی کے آغاز میں باقاعدہ سی ڈی اے سے پلاٹ خرید کر تعمیر کرایا تھا اس وقت زمین کی قیمت دو لاکھ روپے تھی' بنی گالہ کی ''اسٹیٹ'' کے

سکینڈل کا پس منظر یہ ہے کہ 1993 میں جب غلام اسحٰق خاں اور نواز شریف کے درمیان ٹھنی تو کسی نے نواز شریف کے کان میں یہ بات ڈال دی کہ غلام اسحٰق خاں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو نگران وزیراعظم بنانا چاہتے ہیں تاکہ ان کی مضبوط شخصیت کو نواز شریف کی مقبولیت ختم کرنے کا ذریعہ بنایا جائے۔ بعض حلقوں کے مطابق ڈاکٹر خان نے غلام اسحٰق خاں کی خواہش کے باوجود اس دلدل میں اترنے سے انکار کر دیا' لیکن جب نواز شریف کی حکومت چالیس روز کے بعد بحال ہوئی تو چند مخصوص افراد نے نواز شریف کے دل میں جو گرہ پڑ چکی تھی اس سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا اور ان کو ڈاکٹر صاحب کے خلاف خوب بھرا۔ انہی دنوں نواز شریف بیرون ملک گئے تو سی ڈی اے نے آپریشن بنی گالہ کی آڑ میں ڈاکٹر خان کے خلاف انتقامی کاروائی شروع کر دی۔

بنی گالہ میں ڈاکٹر خان نے اپنی کمائی سے اپنی شریک حیات کے لئے چھوٹا سا ایسا گھر تعمیر کیا تھا' جو بقول ڈاکٹر خان زندگی میں پہلی بار اپنی بیگم کی خواہش پر انہیں پہلے تحفہ کے طور پر دیا تھا کیونکہ وہ اس گھر کے سوا بیگم کو کچھ نہیں دے سکے' جبکہ اس خاتون نے ان کے اور ان کے ملک کے لئے اپنے جذبات حقوق اور مال کی قربانیاں دی تھیں۔ اس گھر کی تعمیر میں ڈاکٹر خان اسی طرح جذباتی تھے جس طرح انہوں نے کے آر ایل کی بنیاد رکھی تھی۔ راول ڈیم کے قریب گھر بنانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ جگہ اسلام آباد شہر سے ہٹ کر تھی اور وہاں زمین بہت سستی تھی۔ چند ہزار روپے کنال سے زیادہ نہ تھی لیکن راول ڈیم کے قریب تھی۔ بیگم ہینی کو یہاں ایک ایسا منظر دیکھنے کو ملتا تھا جو کبھی ہالینڈ میں دریائے رائن کے کنارے اپنے آبائی گھر میں دیکھتی تھیں۔

آپریشن بنی گالہ کا مقصد ڈاکٹر خان کو ذہنی و مالی طور پر پریشان کرنا اور لوگوں کو یہ بتانا تھا کہ انہوں نے زمین پر ناجائز قبضہ کیا ہوا ہے۔ آپریشن بنی گالہ کی نگرانی روئیداد خاں اور سی ڈی اے کی نمائندگی اس وقت کے ڈائریکٹر لینڈ خالد خاں طور نے کی تھی۔ ایک روز انور سیف اللہ' نواز کھوکھر' ملک نعیم' اور سی ڈی اے کے چیئرمین میاں فرید ایک وفد کی صورت میں اسلام آباد میں کے آر ایل کے گیسٹ ہاؤس گئے اور ڈاکٹر خان سے بنی گالہ کی رہائش ختم کرنے کو کہا۔ اس کا جواز یہ پیش کیا گیا کہ ''راول ڈیم کی جھیل آلودہ ہو رہی ہے اس سے اسلام آباد کی فضا زہریلی ہونے کا خدشہ ہے' اسلئے سی ڈی اے نے فیصلہ کیا ہے کہ بستی بنی گالہ کو ہموار کر کے جھیل کو کشادہ کر دیا جائے'' ڈاکٹر خان نے اس جواز کو تسلیم نہ کیا تو انھیں پیشکش کی گئی کہ ''آپ کو اسلام آباد میں بہترین جگہ پر کمرشل اور رہائشی پلاٹ دیئے جا سکتے ہیں۔ آپ پلازہ لے لیں' مگر آپ راستے سے ہٹ جائیں'' ''یہ غیر قانونی اور انتقامی حرکت ہوگی۔ اگر اس جگہ پر ناجائز قبضہ کیا گیا ہے تو آپ کو پہلے کیوں خبر نہ ہوئی جب میں نے یہ جگہ خریدی تھی'' ڈاکٹر خان بولے





پھر چیئرمین سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''آپ نے میرے پلاٹ اور گھر کے کاغذات دیکھے ہیں یہ جعلی دستاویزات ہیں؟ میں نے یہ جگہ اوپن مارکیٹ سے خریدی ہے۔ ضلع کونسل اسلام آباد سے نقشہ منظور کرایا۔ تحصیلدار فرخ نے میرے استفسار پر مجھے بتایا تھا کہ اس جگہ کا کوئی جھگڑا ہے اور نہ یہاں گھر بنانا غیر قانونی ہے تحصیل دار نے یہ بھی بتایا کہ یہ جگہ سی ڈی اے کی حدود سے باہر ہے اور میں نے یہ جگہ اس لئے خریدی کہ غیر آباد اور سنسنا علاقہ ہے۔ جگہ بہت سستی تھی اور میری قوت خرید میں تھی۔ پھر میں نے انتقال کرایا' واپڈا نے کنکشن دیا' ٹیلی فون لگے' یہ سب ناجائز نہیں تھا بلکہ قانونی عمل ہوا۔ آپ لوگ مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔ میں عدالت میں جاؤں گا'' نواز کھوکھر نے کہا ''آپ جب تک عدالت کے دروازے تک پہنچیں گے آپ کا گھر اور سارا بنی گالہ مسمار ہو چکا ہوگا'' ڈاکٹر خان نے راتوں رات ایس ایم ظفر سے رابطہ کیا اور عدالت چلے گئے۔ جس پر عدالت نے حکومتی اقدام کو غلط قرار دیتے ہوئے پوری بستی بنی گالہ کو قانونی قرار دیا اور لکھا ''ڈاکٹر عبدالقدیر خان جیسے محسنوں کے لیے ایک گھر تو کیا پوری بستیاں اور شہر حاضر ہیں۔ زندہ قومیں اپنے محسنوں کو اذیت نہیں دیا کرتیں۔''

لیکن آپریشن بنی گالہ میں مکینوں کا لہو بہہ چکا تھا اور ہلاکتیں بھی ہوئیں۔ بعد ازاں نواز شریف نے ڈاکٹر صاحب کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ انہوں نے آپریشن بنی گالہ کا حکم نہیں دیا تھا دوسری طرف محسن پاکستان کا ظرف دیکھیئے۔ باخبر ذرائع کے مطابق جس طرح ڈاکٹر خان نے بھٹو کو پھانسی نہ دیئے جانے کی ضیاء الحق سے سفارش کی تھی اسی طرح نواز شریف کے کڑے دنوں میں انہیں سعودی عرب بھجوانے کے پیچھے ان کی کوششوں کا بھی دخل تھا۔

میری مصدقہ معلومات کے مطابق اسلام آباد میں ان دو رہائشی مکانوں کے علاوہ محسن پاکستان کی کوئی اور جائیداد نہیں ہے۔ ڈاکٹر خان کو بد دماغ اور اکھڑ قرار دینے والے شاید ان سے کبھی نہیں ملے یا پھر کبھی ان کی ہر بات منہ پر کہہ دینے کی عادت سے پریشان ہوئے ہوں۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ کھرے بھوپالی پٹھان ہیں' اور کسی کی کوئی بات ناپسند آئے تو اس کے اظہار سے نہیں چوکتے. چنانچہ مشہور ہے کہ ایک یونیورسٹی کی تقریب میں حکمران وقت پر نہ پہنچ سکے تو ڈاکٹر خان نے منہ پر کہہ دیا کہ جس نے یونیورسٹی کا مفید زمانہ طالب علمی نہ دیکھا ہوا سے یونیورسٹی کی عظمت کا کیسے علم ہو. ڈاکٹر صاحب کے رفقاء اور ماتحت ڈاکٹر صاحب کا جو نقشہ کھینچتے ہیں وہ کے آر ایل کے موجودہ چیئرمین ڈاکٹر جاوید ارشد مرزا کے الفاظ میں کچھ اس طرح ہے:-

> ''ڈاکٹر خان کو لوگوں کا دل اور اعتماد جیتنے کا فن آتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ لوگوں میں کس طرح اعتماد پید کیا جاتا ہے۔ وہ رحم دل' مشکل میں دستگیری کرنے والے شخص ہیں۔ وہ تعلقات نبھانا

جانتے ہیں۔اتنے بڑے پروجیکٹ کی تکمیل میں انہوں نے اندرون اور بیرون ملک دوستوں سے بڑا کام لیا ہے۔البتہ کبھی کبھار بہت سخت ہو جاتے ہیں۔لیکن کسی کی عدم موجودگی میں اس کی برائی نہیں کرتے بلکہ اس کے منہ پر کھری کھری سنانے کے عادی ہیں' جس کی وجہ سے کچھ لوگوں کو شکایات ہو جاتی ہیں''

ٹمبکٹو کے ہوٹل کا پس منظر یہ ہے کہ فروری 2000 میں ڈاکٹر خان ٹمبکٹو کی سیر کے دوران انکا عبدالرحمٰن نامی جو گائیڈ تھا وہ مسلمان تھا جبکہ وہ علاقہ عیسائی آبادی پر مشتمل تھا۔عبدالرحمٰن کے دوسرے تمام ساتھی بھی عیسائی تھے۔ڈاکٹر خان نے اپنے رفقاء سے کہا کہ اس مسلمان شخص کے ہاتھ مضبوط کرنے چاہیں۔ڈاکٹر صاحب سیاہ فام عبدالرحمٰن سے اتنے مانوس ہو گئے کہ کچھ عرصہ بعد اپنے خرچے پر پاکستان بلا کر کے آر ایل ہسپتال میں اس کا بواسیر کا علاج کروایا ایک مرتبہ مجھے محسن پاکستان نے بتایا کہ مجھے اس سیاہ فام شخص میں حضرت بلال حبشی کی جھلک نظر آتی ہے۔پھر انہوں نے اسے چند مخیرّ دوستوں کی مدد سے ایک سرائے نما ہوٹل جسے آپ ایک بہتر حالت کا چھپر ہوٹل کہہ سکتے ہیں ٹمبکٹو میں بنوا دیا اور دوستوں کی مدد سے فرنیچر اور کچھ سامان بھی یہاں سے بھجوایا اس طرح کے ہوٹل جی ٹی روڈ پر بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ان کی بیگم کا تعلق اس ہوٹل سے صرف اتنا ہے کہ اس کا نام عبدالرحمٰن نے ازراہ تشکر ڈاکٹر خان کی بیگم ہینڈرینا خان کے نام پر رکھا ہے۔اس پس منظر کا ذکر ایک سائنسدان ڈاکٹر نذیر احمد نے اپنے ایک مضمون میں 2001 میں کیا ہے جو ٹمبکٹو کے سفر میں اور یوں بھی ڈاکٹر خان کے شریک سفر ہیں۔رہی فرنیچر C-130 کے ذریعے بھجوانے کی بات تو اس بارے میں صحافی معروف سینئر نذیر ناجی کا یہ تبصرہ کافی ہے ''ڈاکٹر قدیر پر ایک الزام میں کہا گیا ہے کہ سینئر سائنسدان ڈاکٹر فاروق ان کے ہوٹل کے لیے قیمتی لکڑی کا فرنیچر C-130 طیارے میں لیکر گئے لیکن اس شہر میں طیارہ اترنے کی سہولت نہیں تھی لہذا اسے ٹریپولی لے جایا گیا۔یہ الزام تراشنے والوں کو کون بتائے کہ ایسی احمقانہ بات کوئی نہیں مان سکتا' اول تو فرنیچر کے ساتھ ایک سینئر سائنسدان کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ دوسرے ڈاکٹر خان کے پاس کونسا C-130 طیارہ تھا؟ تیسرے جو سامان لیبیا سے ملا اور جو امریکہ پہنچایا جا چکا ہے کیا وہ بذریعہ ڈاک گیا تھا؟''

محسن پاکستان پر ''ہوس زر'' الزام لگانے سے پہلے یہ ضرور سوچنا چاہیے کہ وہ 1975 میں جب پاکستان آئے اس وقت وہ ہالینڈ میں 1974ء کے کرنسی ریٹ کے حساب سے تیس ہزار روپے ماہانہ لیتے تھے' یہاں انہیں صرف تین ہزار روپے ماہانہ دیئے گئے۔انہوں نے ہالینڈ میں ملازمت سے جو کچھ کمایا' اس سے پس انداز کی ہوئی رقم لاکھوں روپے میں تھی۔پھر ان کی اہلیہ کی ہالینڈ میں پراپرٹی سے بھی





لاکھوں روپے ماہانہ وصول ہوتے ہیں۔ڈاکٹر خان ہوس زر میں مبتلا ہوتے تو وہ درجنوں رفاہی ادارے اور مساجد نہ بناتے' جن پر انہوں نے لاکھوں خرچ کئے۔جن لوگوں نے ان کا طرز بود و باش دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ ڈاکٹر خان ایک سادہ زندگی کے عادی ہیں درویش منش شخصیت ہیں اور اپنی ذات پر خرچ نہیں کرتے۔

ان کی شخصیت کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ پاکستان کے عوام ان سے پیار ہی نہیں کرتے ان پر اعتماد بھی کرتے ہیں' برا ہو وقتی مصلحتوں کا' جس نے ایک ایسے شخص کے دامن کو داغدار کیا' جو معاملات میں امانت و دیانت کے ضابطوں کا پورا خیال رکھتا ہے اور جو ہر وقت باوضو رہتا ہے۔میں ذاتی حوالے سے بات کرونگا' یہ ان دنوں کی بات ہے' کہ جب انہوں نے بہادر مسلمان بادشاہ سلطان شہاب الدین غوری کی یاد میں ایک میموریل کی تعمیر کا اعلان کیا۔ایک ملاقات میں ان سے اس کی تعمیر پر اٹھنے والے اخراجات کا ذکر ہوا' تو کہنے لگے۔سب اللہ کے توکل پر شروع کرتا ہوں' اعلان کرنا تھا کہ لوگوں کی طرف عطیات آنا شروع ہو گئے۔کوئی سو روپے کا منی آرڈر بھیج رہا ہے تو کہیں سے پانچ ہزار روپے کا۔فیکٹو سیمنٹ والوں نے سیمنٹ کی ذمہ داری اٹھالی ہے۔راولپنڈی ناز سینما کے چوک میں ایک صاحب ہیں (انہوں نے نام بتایا تھا لیکن ذہن سے نکل گیا) سریا ڈیلر ہیں' انہوں نے اسکی تعمیر کے لئے درکار سریا بطور عطیہ دینے کی پیشکش کی ہے۔اللہ قوم کے اس جذبے کو وسعت بخشے۔میرے فلاحی پروجیکٹ اسی طرح پورے ہوتے ہیں۔اسی طرح ماڈل ٹاؤن ہمک میں کہوٹہ پلانٹ کا خاصا سٹاف رہتا ہے۔وہاں کی مسجد قباء کے لئے خلیجی ریاست کے شیخ نے جو پیسہ دیا تھا' وہ تو سی ڈی اے اڑا گئی۔مسجد کی تعمیر کا مسئلہ درپیش تھا۔سٹاف نے ایک رمضان میں ختم قرآن کی محفل میں ڈاکٹر صاحب کو بلایا اور اپنا مسئلہ بیان کیا۔ تو ڈاکٹر صاحب نے اس مسجد کی تعمیر کی ذمہ داری اٹھالی مسجد کمیٹی کے ارکان اس امر کے گواہ ہیں کہ سیمنٹ' سریا' اینٹیں کہاں کہاں سے آئیں ڈاکٹر خان کو اللہ نے جو عزت دی ہے' اس کا نتیجہ ہے کہ وہ جس سے بھی کسی نیک کام میں حصہ لینے کو کہتے ہیں وہ اپنی استطاعت سے بڑھ کر حصہ لیتا ہے۔

کراچی میں سپیشل بچوں کے لئے چھوٹا سا ہسپتال بنانے کا مرحلہ تھا' اخراجات کا تخمیہ 50 لاکھ روپے تھا چند دوستوں نے وعدہ کرلیا دس لاکھ مزید درکار تھے' کہ اے آر وائی والے حاجی عبدالرزاق آ گئے ڈاکٹر صاحب نے ان سے کہا کہ چالیس لاکھ ہو گئے ہیں دس لاکھ آپ دیجئے گا۔وہ بولے کیا باقی رقم وصول ہو گئی؟ کہنے لگے وعدے ہوئے ہیں رقم نہیں آئی۔عبدالرزاق نے کہا۔ان دوستوں سے نہ کہیں یہ سارے اخراجات میں ادا کروں گا۔ چنانچہ سپیشل بچوں کا ہسپتال تعمیر ہو گیا۔

جی آئی کے انسٹی ٹیوٹ کے تعمیری اخراجات کا بڑا حصہ انہوں نے اسی طرح عطیات سے جمع

کیا۔ یہ وہ چند واقعات ہیں جو میرے علم میں ہیں' باقی فلاحی اداروں کے لئے بھی بھیجا گیا فنڈز انہوں نے اسی طرح جمع کیا۔ پاکستان کے ایک وزیر اعظم حسین شہید سہروردی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے ورکرز کا بڑا خیال رکھتے تھے' کوئی اپنی ضرورت کا اظہار کرتا تو جیب میں جو کچھ ہوتا' نکال کر اسے تھما دیتے' اپنے پاس کچھ نہ ہوتا تو کسی دوست صنعتکار یا صاحب حیثیت کو فون کرتے' اس سے اتنی ہی رقم منگواتے جتنی ورکر کے لئے درکار ہوتی۔ وہ اپنے دور کے مہنگے ترین وکیل تھے' کلائنٹ سے فیس لیتے' تو کوئی ضرورت مند ورکر آ جاتا تو جو کچھ لیا ہوتا اسے دے دیتے' کئی مرتبہ خود فاقہ کرتے۔ یہی حال ڈاکٹر خان کا ہے ان کے ساتھی اور کے آر ایل کے موجودہ چیئر مین ڈاکٹر جاوید ارشد مرزا نے ایک مضمون میں لکھا تھا۔

''ڈاکٹر خان بڑی خاموشی اور رازداری سے پریشان حال لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ ان کا دور پار کا رشتہ دار یا دوست پریشانیوں سے دوچار ہے' تو وہ خود اسکی مدد کے لئے اس کے دروازے پر پہنچ جاتے ہیں۔ وطن عزیز کے طول و عرض سے انہیں بے شمار خطوط اور درخواستیں موصول ہوتی ہیں۔ ایک بشر ہونے کے ناطے ان کی بھی کچھ مجبوریاں ہیں لیکن اس کے باوجود ڈاکٹر خان اپنی بساط کے مطابق ان کی مدد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے دوستوں کا بہت بڑا حلقہ ہے۔''

قومی ہیرو' ہیرو ہی رہتا ہے محمد بن قاسم' موسیٰ بن نصیر کی تذلیل کرنے والوں کو کوئی نہیں جانتا' کوئی یاد نہیں کرتا لیکن محمد بن قاسم اور موسیٰ بن نصیر آج بھی ہیرو کہلاتے ہیں اور مانے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر خان کی تذلیل پر خوشیاں منانے والے سائنسدان' بیوروکریٹس' دانشور یہ کیوں بھول گئے کہ لوگ جس سے محبت کرتے ہیں اس کی خامیوں پر کبھی توجہ نہیں دیتے' نہ پاکستان جیسے معاشرے میں کوئی اپنے ہیرو کی کوئی خامی تسلیم کرتا ہے محبت میں حساب کتاب نہیں ہوا کرتا' عظیم دوست چین کے ڈپٹی چیف آف مشن کا یہ فقرہ ہیرو کی کردار کشی کرنے والوں کے منہ پر زوردار طمانچہ ہے ''ڈاکٹر خان کو ہیرو سے ولن بنانا افسوسناک اور باعث ندامت ہے۔''

یہ ایک قومی المیہ ہے کہ وہ لوگ بھی جو ایٹمی سائنس کی 'ا' 'ب' نہیں جانتے ڈاکٹر خان کی صلاحیتوں پر انگلی اٹھائیں۔ انہوں نے قوم اور ملک کو وہ کچھ دیا جو اس کے پاس اس سے پہلے نہیں تھا۔ جو قوم اپنا پیٹ کاٹ کر اور گھاس کھا کر ایٹمی پروگرام کے لئے پاکستان کے عزووقار کے لئے وسائل فراہم کرتی رہی ہے وہ اتنی بے وقوف نہیں کہ دفاع کی یقینی ضمانت فراہم کرنے والے کی کردار کشی پر یقین کر لے۔ گھٹیا پروپیگنڈہ کو درست مان لے وہ بھی ایسے لوگوں کی طرف سے جن کی کوئی ساکھ ہے اور نہ





لکھے پڑھے کا کوئی اعتبار۔ البتہ وہ ان بدبختوں کے کردار کے باعث اپنے ہیرو کے سامنے شرمندہ ہے اور ان سے معذرت خواہ ہے میری یہ بات یاد رکھیں وہ قوم بدبخت ہوتی ہے جو اپنے ہیرو کا اعزاز و احترام نہیں کرتی۔

جنرل اسلم بیگ جو واقف راز ہیں انہوں نے ڈاکٹر خان کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے روزنامہ اوصاف سے ایک انٹرویو میں کہا تھا: (27 جنوری 2004)

''ڈاکٹر خان عجیب و غریب شخص ہیں' ان سے جو کہو وہ بنا دیتے ہیں۔ انہوں نے عنزہ میزائل سے لیکر ٹینک کے گولے اور وہ ہر چیز بنا دی' جس نے پاکستان کو کئی ہتھیاروں سے بے نیاز کر دیا۔''

حسد کے مارے سارے عناصر ان سے ''پاکستان کے ایٹم بم کا خالق'' ہونے کا اعزاز چھیننے کی جتنی بھی کوشش کریں' کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ 1998 سے 2004 تک ڈاکٹر ثمر مبارک مند کے نام سے پاکستان کے زیادہ تر لوگ متعارف نہ تھے۔ حالیہ سانحہ کے دوران انہوں نے جیو ٹی وی پر ممتاز صحافی حامد میر کو دیئے گئے ایک انٹرویو میں کہا ''28 مئی 1998 کو چاغی میں ایٹمی دھماکوں کے موقعہ پر ڈاکٹر خان کو بطور مہمان بلایا گیا تھا۔ ایٹمی دھماکوں میں ڈاکٹر خان کا کوئی کردار نہ تھا!! جبکہ اس سے پہلے چاغی دھماکوں کے فوراً بعد ان کا یہ بیان ریکارڈ پر ہے کہ ایٹمی دھماکے میں ڈاکٹر خان کا پانچ فیصد حصہ ہے' اور لیکن اب انہوں نے فرمایا ہے کہ وہ چاغی میں صرف ایک مہمان کی حیثیت سے مدعو تھے۔ ایک اعلیٰ عہدیدار کی خواہش پر ''جیو'' کے اس انٹرویو کو دوسرے روز پی ٹی وی پر چلایا گیا۔ یہ پی ٹی وی کی تاریخ میں پہلا موقعہ تھا کہ کسی نجی چینل کے پروگرام کو یوں ری ٹیلی کاسٹ کیا گیا۔ تاکہ پی ٹی وی کے ناظرین بھی ڈاکٹر ثمر مبارک مند کے ''ارشادات'' سے مستفیض ہوں' اس کے علاوہ پاکستان ایٹمی کمیشن کے مرحوم چیئر مین منیر احمد خان کو بھی ہوا دینے کی کوشش کی جا رہی ہے اور انکے سائنس کی ترقی میں کردار کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ چنانچہ اس مرتبہ ان کی برسی پر بعض اخبارات میں خصوصی مضمون چھپوائے گئے اور محترمہ بے نظیر کے نام سے شائع ہونے والے ایک مضمون میں یہ بھی کہلوا دیا گیا کہ وہی ایٹم بم کے بابا ہیں۔ اس بارے میں واقعاتی اور دستاویزی شہادتوں کے حوالے سے علیحدہ باب میں بات ہو گی۔ یہاں اتنا کہنا چاہوں گا کہ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے' جیسے کوئی ٹٹ پونجیا یہ کہے کہ پاکستان حضرت قائداعظمؒ نے نہیں بلکہ اس کے ماموں نے بنایا تھا۔

# ایٹمی پھیلاؤ کے الزامات۔۔ حقیقت کیا ہے؟

پاکستان کا ایٹمی پروگرام جو تین عشروں سے بڑی خاموشی اور رازداری سے آگے بڑھتا رہا 1998 کے ایٹمی دھماکوں کے بعد عالمی اجارہ داروں کو بری طرح چبھنے لگا ہے۔ مئی 1998 کے فوراً بعد ہی سے عالمی میڈیا نے پاکستان پر تواتر سے ایٹمی پھیلاؤ کے الزامات کی بوچھاڑ کردی تھی' اور 9/11 کے بعد تو ان الزامات کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ لیکن اکتوبر 2003 میں تو یہ سلسلہ انتہا کو پہنچ گیا۔ جس کے نتیجے میں محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو امریکہ اور ان کے ہم نواؤں کی طرف سے ایٹمی پھیلاؤ کا ''ملزم'' قرار دینے پر پاکستان نے بھی اس الزام کی توثیق اور ڈاکٹر خان کو ایران' لیبیا' اور شمالی کوریا' کو ایٹمی ٹیکنالوجی کی منتقلی کا مرتکب قرار دیا مگر حقائق کچھ اور کہتے ہیں تفصیل آگے آرہی ہے۔

اس افتاد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا آغاز توانائی کے عالمی ادارہ (IAEA) کی ایک رسمی شکایت سے ہوا جو نومبر 2003 کے اوائل میں موصول ہوئی اور جس میں مبینہ طور پر بتایا گیا تھا' کہ پاکستان نے ایران اور لیبیا کو ایٹمی ٹیکنالوجی منتقل کی ہے۔ اس پر تحقیقات کی گئی۔ صدر مشرف نے بھی 5 فروری 2004 کی پریس کانفرنس میں ایران اور لیبیا کے رویے پر دکھ کا اظہار کیا کہ دونوں مسلمان برادر ملکوں نے ہمارے خلاف بھر بھر کر باتیں کیں۔ لیکن اس سارے ڈرامے کا یہ پہلو انتہائی پراسرار ہے کہ ایٹمی توانائی کے عالمی ادارے کی طرف سے موصول ہونے والی شکایت کے مندرجات نہ صرف قوم کے سامنے نہیں آئے بلکہ پارلیمنٹ کے بند کمرے میں بھی ان کی تفصیلات بیان نہیں ہوئیں۔ ادھر ایران' لیبیا' اور شمالی کوریا نے سرکاری طور پر تردید کی ہے کہ انہوں نے پاکستان کے خلاف کوئی ثبوت دیئے ہیں' خود ایٹمی توانائی کے عالمی ادارہ کے سربراہ البرادی کا اس حوالے سے ایک تردیدی بیان ریکارڈ پر ہے کہ ''پاکستان کے سائنسدانوں کی طرف سے دوسرے ممالک کو ایٹمی ٹیکنالوجی منتقل کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ دنیا کی بلیک مارکیٹ میں بعض جوہری ڈیزائن موجود ہیں۔ جن کے بارے میں تحقیقات کررہے ہیں'' (23 جنوری 2004) اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ صدر جنرل پرویز مشرف نے برطانوی اخبار فنانشل ٹائمز سے 19 فروری 2004 کے انٹرویو میں کہا ہے کہ

''ڈاکٹر خان کے خلاف تحقیقات کے دوران کوئی ایسا ثبوت نہیں ملا کہ انہوں نے ایران کے علاوہ کسی دوسرے ملک کو ایٹمی راز دیئے ہوں ڈاکٹر خان نے صرف ایران کو ایٹمی ٹیکنالوجی دی ہے۔ وہ بھی صرف سینٹری فیوجز کے ڈیزائن کی صورت میں تھی۔ انہوں نے جوہری ہتھیاروں کے





ڈیزائن نہیں دیئے''

کیا اس کے بعد بھی اس بارے میں شک رہ جاتا ہے کہ محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو محض حاسدین یا مغربی میڈیا کے پروپیگنڈہ کے باعث قربانی کا بکرا بنایا دیا گیا ہے۔ کیونکہ صدر پرویز مشرف کے بیان کے برعکس ''معافی'' سے ایک روز قبل 4 فروری کو دوڈھائی گھنٹے تک اسلام آباد میں 20 منتخب صحافیوں کو جو بریفنگ دی گئی اس میں ہمارے اخبار پاکستان آبزرور کی معروف سینئر رپورٹر عروسہ عالم بھی موجود تھیں۔ انکے مطابق اس آف دی ریکارڈ بریفنگ میں بتایا گیا کہ

'' ڈاکٹر خان نے ایک گیارہ صفحاتی اعترافی بیان پر دستخط کردیئے ہیں کہ انہوں نے گذشتہ پندرہ سال کے دوران ایران' شمالی کوریا' اور لیبیا کو ایٹمی ہتھیاروں کی ٹیکنالوجی اور ڈیزائن دیئے ہیں انہوں نے لیبیا کے سائنسدانوں سے کیسا بلانکا اور استنبول اور ایرانی سائنسدانوں سے کراچی میں ملاقاتیں کرنے کا اعتراف کیا ہے۔''

اور کہا گیا کہ

''ڈاکٹر خان نے سب سے پہلے 1989 تا 1991 کے درمیانی عرصے میں ایران کو ڈیزائن 'ڈرائنگز اور پرزہ جات دیئے پھر 1991 سے 1998 کے دوران یہی ٹیکنالوجی لیبیا اور شمالی کوریا کو دی۔ (یہ دراصل ملائیشیا کی پولیس کو سری لنکن طاہر کے بیان کا اعادہ ہے) یہ سلسلہ 2002 میں نیوکلیئر نیشنل کمانڈ اتھارٹی کی تشکیل کے بعد ختم ہوا۔''

اس بیان کے داخلی تضادات سے قطع نظر آیئے' ذرا حالات وواقعات پر نظر ڈالتے ہیں کہ کس طرح ہمارے نابغہ روزگار سرکاری کارندوں نے اپنے محسنوں اور اپنی مادر وطن کے خلاف استغاثہ تیار کرنے میں ''محنت'' اور ''دانشمندی'' سے کام لیا ہے۔

## ایران

سب سے پہلے ایران کا معاملہ لیتے ہیں ایران کا ایٹمی پروگرام 1960 کے عشرے سے جاری ہے اور اس کی ابتداء ایران نے امریکہ' جرمنی' اور فرانس سے حاصل کردہ ایٹمی ری ایکٹروں سے کی تھی بلکہ امریکی نیشنل سیکورٹی کونسل کی جو خفیہ دستاویزات سامنے آئی ہیں' ان کے مطابق امریکہ نے خفیہ طور پر ایران کو اس راستے پر ڈالا تھا لیکن 1979 کے خمینی انقلاب کے بعد امریکہ ''شیطان کبیر'' قرار پایا اسلئے پچھلے چند سالوں سے امریکہ اور مغربی ممالک نے یہ پروپیگنڈہ شروع کررکھا تھا کہ ایران انتہائی رازداری کے ساتھ ایٹمی ہتھیار بنانے کے پروگرام پر عمل پیرا ہے۔ حالانکہ ایران نے NPT پر دستخط کررکھے

ہیں۔اس کے علاوہ اس نے 1974 میں ایٹمی توانائی کے عالمی ادارہ IAEA کے ساتھ تحفظات کا انفرادی معاہدہ بھی کیا تھا۔البتہ 1998 اور 1999 میں جب پاکستان نے غوری اور شاہین میزائل کے تجربے کئے تو ایران بھی ''شہاب'' اور ''سیدون'' نامی میزائل داغ کر میزائل دوڑ میں شامل ہوگیا۔شہاب پاکستان کے غوری اور بھارت کے پرتھوی کا ہم پلہ ہے اس سے یہ اشارہ ملا کہ ایران میزائل ٹیکنالوجی کے میدان میں خاصی پیشرفت کر چکا ہے۔

9/11 کے بعد عالمی حالات میں انقلابی تبدیلی آئی تو امریکہ نے مشرق وسطیٰ اور خلیج کے علاقے میں بھی اپنی مرضی کا منظر نامہ تشکیل دینا چاہا' اور افغانستان کے بعد عراق کا نمبر آیا۔صدام حکومت کے ختم ہوتے ہی شام اور ایران پر بھی دباؤ بڑھ گیا۔اور اس سلسلے میں IAEA کو بھی استعمال کیا گیا۔مغربی میڈیا کئی سالوں سے ایران کے خلاف پروپیگنڈہ میں مصروف تھا مگر اس نے ایران کے ایٹمی پروگرام میں پاکستان کی معاونت کا الزام بہت کم لگایا تھا۔لیکن عراق کے سانحہ کے بعد بتدریج پاکستان کے ساتھ ایران کے ایٹمی تعلقات کا ذکر زیادہ ہونے لگا۔

جب 9/11 کے واقعہ کے بعد ایران پر دباؤ بڑھا' اور اکتوبر 2003 کے تیسرے ہفتے تین مغربی ممالک (جرمنی' فرانس اور برطانیہ) کے وزرائے خارجہ نے دورہ ایران کے دوران ایرانی قیادت کو دھمکی دی کہ اس نے عالمی ایٹمی ایجنسی سے تعاون نہ کیا اور اضافی پروٹوکول پر دستخط نہ کئے تو عراق جیسے حشر کے لئے تیار ہو جائے تو ایران کے ہاتھ پاؤں پھول گئے انہی دنوں اتفاق سے مجھے وزیر اعظم میر ظفر اللہ خان جمالی کے ہمراہ انکے تین روزہ دورہ ایران کے موقع پر تہران میں ٹھہرنے کا موقع ملا میں نے دیکھا کہ ان تین مغربی وزرائے خارجہ کی تہران میں آمد سے ایک قسم کا زلزلہ آ گیا تھا۔ایرانی میڈیا نے وزیر اعظم پاکستان کے دورے کے بجائے یورپی ممالک کے ان تین وزرائے خارجہ کو زیادہ اہمیت دی۔ ایرانی مزاحمت دم توڑ گئی ایران نے 18 دسمبر 2003 کو اضافی پروٹوکول پر دستخط کر دیئے اور یوں عالمی ادارے کو ایران کی کسی بھی ایٹمی تنصیب کا کسی وقت بھی معائنہ کرنے کا اختیار مل گیا۔پھر ایران نے بعض خفیہ معلومات اور دستاویزات عالمی ادارے کے حوالے کیں جن مین ایٹمی پروگرام کے حوالے سے کچھ انکشافات تھے۔

IAEA نے نومبر 2003 کے آخری دنوں میں ایران کے خفیہ ایٹمی پروگرام کے بارے میں 2500 الفاظ پر مشتمل جو رپورٹ جاری کی وہ میری معلومات کے مطابق زیادہ تر واشنگٹن کے انسٹی ٹیوٹ آف سائنس اور انٹرنیشنل سیکورٹی کے ڈیوڈ البرائٹ کی فراہم کردہ معلومات پر مشتمل تھی۔ڈیوڈ البرائٹ عراق میں اقوام متحدہ کے اسلحہ انسپکٹر بھی رہے ہیں رپورٹ کے مطابق ایران نے جو معلومات دی





ہیں' ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایران نے ایٹم بم کا ڈیزائن سنٹری فیوجز اور انرچمنٹ پلانٹ وغیرہ کے بلیو پرنٹس' ڈرائنگز اور ڈیزائن ''ایجنٹوں'' کے ذریعہ حاصل کئے ہیں۔اور اس بارے میں کسی ملک کا نام نہیں لیا۔البتہ اس کامیابی کی بدولت ایران ایٹمی ہتھیار تیار کرنے کے کئی مراحل طے کر گیا۔لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان مراحل کو ایٹمی پروگرام کے ابتدائی مراحل قرار دیا جائے گا۔''واشنگٹن پوسٹ'' نے اپنی 21 دسمبر 2004 کی اشاعت میں اس حوالے سے پاکستان کو ملوث کیا' لیکن وہ بھی اس مفروضے کی بنا پر کہ جو استعمال شدہ سنٹری فیوجز ملے ہیں وہ اسی ڈیزائن کے ہیں جو پاکستان نے استعمال کئے تھے۔واشنگٹن پوسٹ کی رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا کہ ''ایران نے بلیو پرنٹس فنی راہنمائی اور پائلٹ پروجیکٹ کے کچھ پرزوں کی سپلائی میں چند پاکستانیوں کو انفرادی طور پر ملوث کیا ہے تاہم کسی کا نام نہیں دیا گیا'' مگر پاکستان کے تفتیش کاروں کا یہ دعویٰ ہے کہ ڈاکٹر فاروق کو اس لئے زیر حراست لیا گیا کہ ایران نے ان کا نام دیا تھا۔

اس حوالے سے ایک دن میری اسلام آباد میں ایرانی سفارت خانہ کے منسٹر قونصلر اور ڈپٹی چیف آف دی مشن جناب رضا علی (RazaAllaei) سے اتفاقاً ملاقات ہوگئی تو میں نے ان سے گلہ کیا کہ آپ نے خواہ مخواہ پاکستان کو مشکل میں ڈال دیا۔یہ 9 اگست 2004 کا دن تھا اور اسلام آباد میں میں عرب ممالک کے چار (مصر۔قطر۔یمن اور کویت) سفرا حضرات کو عرب سفرا کونسل کی طرف الوداعی عشائیہ دیا جا رہا تھا جو پاکستان میں اپنی مدت ملازمت پوری کرنے کے بعد اپنے اپنے ممالک کو واپس جانے والے تھے۔جناب رضا علی نے فرمایا کہ ملک صاحب آپ کل ہمارے سفارت خانہ میں میرے ساتھ لنچ کریں تو ہم اس موضوع پر تبادلہ خیال کریں گے۔ہم نے سفارت خانہ میں امام خمینی کی تصویر کے نیچے لگی میز پر پر تکلف لنچ کیا۔میرے ایک دن قبل کے گلے شکوے کے جواب میں جناب رضا علی نے بھی کچھ گلے شکوے کئے۔جناب رضا علی بڑی سلجھی ہوئی شخصیت ہیں۔ایک موقعہ پر انہوں نے ایک نئی اور حیران کن بات کی۔فرمانے لگے ''ہمارے پاس خود بیس ڈاکٹر عبدالقدیر خان ہیں''۔اس موقعہ پر سفارت خانہ کے تھرڈ سیکرٹری جناب ایچ عمیدی بھی موجود تھے۔

IAEA کے مطابق ایران یورینیم انرچمنٹ کی ٹیکنالوجی پر پچھلے اٹھارہ سال سے کام کر رہا ہے اور سنٹری فیوج کے حوالے سے پاکستان پر الزام ڈیوڈ البرائٹ نے لگایا ہے' اس کے مطابق وہ سنٹری فیوج کا ڈیزائن اس ڈیزائن کی ترمیم شدہ صورت ہے جو یورنیکو میں استعمال ہوتا تھا اور پاکستان نے اسے اپنایا تھا۔یاد رہے کہ ڈاکٹر خان یورنیکو سے وابستہ رہے ہیں اس رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا کہ ایران کو بعض آلات مسٹر سلیبوس نے فراہم کئے جو ہالینڈ میں ڈاکٹر خان کے ہم جماعت رہے ہیں اور پاکستان کو بھی

ایٹمی پرزہ جات سپلائی کرتے رہے ہیں۔تاہم لندن کے انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف سٹرٹیجک سٹڈیز کے ڈائریکٹر گیری سمور کے مطابق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ''ایران پاکستانی مشینیں استعمال کر رہا ہے ہوسکتا ہے کہ پاکستان نے فاضل سنٹری فیوجز فروخت کردی ہوں' اور وہ انڈر ورلڈ کے ذریعہ ایران پہنچ گئی ہوں لیکن یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ایران نے یورنیکو یا کہیں اور سے حاصل کی ہوں۔''

امریکی پروفیسر روڈنی جونز اگرچہ پاکستان پر الزام تراشی کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہے لیکن انہوں نے یہ اعتراف کیا ہے کہ ''اس قسم کے ڈیزائن کہیں سے بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔کیونکہ سنٹری فیوج کی ٹیکنالوجی کم یاب ہونے کے باوجود جرمنی' روس' فرانس' اور کئی دوسرے ممالک میں دستیاب ہے۔اور اس کا بنیادی ڈیزائن ZIPP کی 1960 کی رپورٹ میں چھپا تھا'' یوں بھی کسی پلانٹ کے اندر یورینیم کی افزودگی کے لئے دو چار مشینیں کافی نہیں ہوتیں بلکہ ڈیڑھ دو سو مشینیں تو لازمی ہوتی ہیں اور یہ مشینیں جیب میں ڈال کر نہیں لیجائی جاسکتیں بلکہ ٹرکوں اور جہازوں کی ضرورت ہوتی ہے اور پاکستان سے ان کی برآمد کسی اکیلے شخص کے بس کا روگ نہیں۔یہ یقیناً کسی اور ملک سے ایران پہنچیں اور الزام پاکستان کو دیا جارہا ہے۔امریکی انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز کے لندنی ایسوسی ایٹ سائمن ہینڈرسن کے خیال میں استعمال شدہ سنٹری فیوجز ایران کو سپلائی کرنے کے سکینڈل کو محض اسلئے ہوا دی گئی کہ ''واشنگٹن اس بہانے جنرل پرویز مشرف سے پاکستان کا کم از کم نصف پراجیکٹ بند کرانے کی توقع رکھتا ہے۔''

امریکی سی آئی اے کے سربراہ جارج ٹینٹ نے ایران کے ایٹمی پروگرام کی دریافت کا کریڈٹ اپنی ایجنسی کو دینے کی کوشش کی ہے لیکن یہ محض دعویٰ ہے واشنگٹن پوسٹ اور نیویارک ٹائمنر دونوں کے مطابق ایران کے ایٹمی پروگرام کی نشاندہی اٹھارہ ماہ قبل مجاہدین خلق کے سیاسی بازو ''مزاحمت کی قومی کونسل'' نے کی تھی۔کونسل کے نمائندوں نے اگست 2002 میں واشنگٹن میں ایک نیوز کانفرنس میں اس کا انکشاف کیا تھا مجاہدین خلق ایرانی انقلاب کے منحرفین کا گروپ ہے۔جسے امریکہ مسلسل مالی امداد فراہم کرتا رہا ہے۔بعدازاں اسرائیل نے ایران میں اپنے رابطوں کے ذریعے اس امر کی تصدیق کرائی۔آخر ایرانی حکومت نے نو ماہ کی لکن میٹی کے بعد IAEA کے سامنے سرنڈر کردیا کہ اس نے کچھ افزودہ یورینیم اور پلوٹونیم چوری چوری تیار کرلیا ہے اور کچھ ایٹمی مواد اور تنصیبات کو چھپائے رکھا ہے۔مارچ 2003 میں IAEA کے انسپکٹر ایٹمی تنصیبات کے معائنہ کے لئے ایران گئے تو کچھ نئی تنصیبات کا انکشاف ہوا۔بعض حلقوں کی خوش فہمی کے مطابق ایران اب بھی اس پوزیشن میں ہے کہ کسی وقت بھی دھماکہ کرسکتا ہے اور یہ کہ اب بھی اس نے تمام ایٹمی تنصیبات اور مواد کی تفصیلات مہیا نہیں کیں۔یہی وجہ ہے کہ امریکہ اب بھی





ایران پر مسلسل دباؤ ڈال رہا ہے اور اپنے اتحادیوں کے ساتھ ملکر اس کا ایٹمی ہتھیاروں کا مبینہ پروگرام بند کرانے کے لئے کوششیں جاری رکھے ہوئے ہے۔

کچھ عرصہ قبل امریکی میڈیا اور حکومت دعوے کرچکے ہیں کہ ایران نے وسط ایشیا کی ریاستوں سے ایٹم بم کا کچھ مواد اور کیریئر سسٹم خرید لئے ہیں اور افزودہ یورینیم سے ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری کی مختلف ٹیکنالوجیز بشمول سنٹری فیوج اور لیزر ٹیکنالوجی حاصل کرچکا ہے لیکن اس کے پاس ایٹمی دھماکہ کرنے کا کوئی ماہر نہیں۔ایسے میں یہ کہنا کہ ڈاکٹر خان یا ان کے رفقائے کار نے ایران کو ایٹمی ٹیکنالوجی اور آلات منتقل کئے ہیں' محض پروپیگنڈہ ہے جس کا مقصد پاکستان کو دباؤ میں لانا تھا' اگر سنڈے ٹیلیگراف لندن کی 24 اپریل 2004 کی اس خبر کو صحیح بھی مان لیا جائے کہ ایک پاکستانی سائنسدان نے اعتراف کیا ہے کہ اس نے ایران کو ایٹمی ہتھیار بنانے کے لئے درکار مواد اور ضروری آلات فراہم کرنے والی کمپنیوں کے بارے میں رہنمائی کی ہے کہ وہ کہاں سے اور کیسے خرید سکتے ہیں تو تب بھی ایٹمی ٹیکنالوجی کی عملی منتقلی کا الزام نہیں لگ سکتا۔7 جنوری 2004 کو امریکی وزیر خارجہ کولن پاول نے بھی اعتراف کیا تھا کہ پاکستان سے لیبیا اور دیگر ممالک کو ایٹمی ٹیکنالوجی کی منتقلی کی خبریں محض قیاس آرائی ہیں۔ادھر خود بھارتی پریس اس امر کا اعتراف کرچکا ہے کہ بھارت کے ایٹمی ہتھیاروں کے پروگرام سے وابستہ کئی سائنسدان ایران کے پروگرام میں کام کرتے رہے ہیں۔ڈاکٹر وائی ایس آر پرشاد نے پائلٹ ایٹمی پلانٹ کی تنصیب میں ایران کی مدد کی۔جو یورینیم کی افزودگی کی ٹیکنالوجی کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ بھارت ایران کو مئی 2000 کے معاہدہ کے تحت ابتک 26.5 ملین ڈالر کا جوہری مواد مہیا کرچکا ہے اس میں یورینیم 238 جوہری ایندھن کے پائپ اور شافٹیں یورینیم اور پائپوں کے لئے استعمال ہونے والا پاؤڈر اور دیگر ایٹمی مواد شامل ہے۔

اکنامک ٹائمنر دہلی نے اے بی سی (یکم جنوری 93) کے حوالے سے خبر دی تھی کہ پاکستان اور ایران ایٹمی اسلحہ بنانے میں تعاون کر رہے ہیں۔اور ایک اطلاع کے مطابق جب جنرل مرزا اسلم بیگ پاکستان کے آرمی چیف تھے تو انکے دورہ ایران کے موقع پر ایران نے ان سے 12 ارب ڈالر کے عوض ایٹمی معاونت کی درخواست کی تھی بلکہ ایک بنا بنایا یعنی مکمل ایٹم بم دینے کا سودا کیا تھا مگر حکومت پاکستان نے یہ پیشکش قبول نہیں کی اور ایک اطلاع کے مطابق ایران نے 1997 میں اپنی پیشکش دوبارہ دہرائی لیکن وزیراعظم نواز شریف اور آرمی چیف نے اسے بھی قبول نہ کیا۔اس کے بعد بھارت اور روس سے رابطہ کیا گیا بھارت نے تربیت اور دوسرے آلات فراہم کرنا شروع کردیئے۔

جنرل بیگ والی بات سے قطع نظر حقیقت یہ ہے کہ انقلاب کے بعد سے پاکستان اور ایران

کے باہمی تعلقات کبھی اتنے قریبی نہیں رہے کہ اس حساس معاملے میں پاکستان ایران سے تعاون کرتا بالخصوص اسّی کے عشرے کے یہی وہ ماہ وسال ہیں جب پاکستان اور ایران کے تعلقات میں روایتی برادارنہ گرم جوشی میں کمی آ چکی تھی۔ 1988 میں ایران نے روسی انخلا کے بعد افغان حکومت کی تشکیل کے لئے پاکستان کی طرف سے کی جانے والی کوششوں کی زبردست مخالفت کی تھی نوے کے پورے عشرہ میں یہی صورتحال برقرار رہی۔ پھر بقول بعض حلقوں کے 80 اور 90 کے عشرے ایسے ہیں کہ پاکستان، ایران اور سعودی عرب کی پراکسی وار کا ہدف بنا ان دنوں ایران بھارت کے بہت قریب چلا گیا بلکہ تہران اور زاہدان میں ''را'' کے دفتر کھل گئے اور پاکستان کے خلاف سازشیں شروع ہوگئیں۔ اس کے علاوہ پاکستان میں ایران کے طرفدار لوگوں کو اقتدار میں لانے کے منصوبے بھی بنتے رہے۔ سوویت روس کے ٹکڑے ہوجانے کے بعد ایران نے وسطی ایشیا میں سیاسی واقتصادی اثر ورسوخ حاصل کرنے میں پاکستان سے مقابلہ شروع کردیا۔ اور ایرانی میڈیا سے وابستہ کچھ اداروں نے گذشتہ بیس سالوں میں پاکستان کی تنقیص کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ اسی طرح طالبان کے معاملے میں شمالی اتحاد کی پشت پناہی بقول بعض حلقوں کے محض ''پاکستان دشمنی'' میں کی۔ کیونکہ ایرانی قیادت طالبان کو پاکستانی قیادت بالخصوص فوج کی تخلیق سمجھتی تھی۔ ایسے میں پاکستان یا پاکستانی سائنسدان کس طرح ایران کی مدد کرسکتے تھے اور وہ بھی ایٹمی میدان میں!

ایک اور اہم بات جسے الزام تراشنے والے نظر انداز کر گئے وہ پاکستان کی اسلامی ممالک کے باہمی تنازعات میں غیر جانبداری کی پالیسی ہے پھر یہ کہ ضیاء الحق اگر ایران کے خلاف امریکہ کو اس کے یرغمالیوں کی رہائی میں مدد دینے پر آمادہ نہ ہوئے تو پاکستانی قیادت ایران وعرب تنازعہ کے باعث ایران کے ایٹمی ہتھیاروں کے پروگرام میں عربوں کی رضامندی کے بغیر ملوث ہوکر عربوں کو کیسے ناراض کرسکتی تھی تیسرے یہ کہ سعودی عرب سے پاکستان کے تعلقات ہمیشہ ہی سے برادارنہ رہے ہیں اور سعودی عرب ماضی میں ایران کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں ہمیشہ مشکوک اور مضطرب رہا ہے کیونکہ ایران اور سعودی عرب کے تعلقات انقلاب کے بعد مخالفانہ بلکہ ''متشددانہ'' رہے ہیں۔ ادھر مغرب چونکہ عراق کے بعد ایران کو اسرائیل کا مضبوط ترین دشمن تصور کرتا رہا اور اسے کسی طور پر اتنا طاقتور نہیں دیکھنا چاہتا کہ وہ اسرائیل کے لئے چیلنج بن جائے۔ اور پاکستان کا ایران سے مبینہ تعاون اس کے ذہن پر اکاس بیل کی طرح چھا گیا ہے۔

رائٹر کے مطابق وی آنا کے IAEA کے ہیڈکوارٹر میں مغربی سفارت کاروں کا کہنا ہے کہ ایران نے IAEA کو پانچ دلالوں اور تقریباً 3 پاکستانی سائنسدانوں کے نام دیئے تھے جنہوں نے





ایران کو ایٹمی ٹیکنالوجی کے حصول میں مدد دی لیکن 23 فروری 2004 کو ایران کی وزارت خارجہ کے ترجمان حامد رضا آصفی نے ایک بار پھر کہا کہ

> ''ہم نے جو کچھ لیا ہے ڈیلرز سے لیا ہے ہم یہ نہیں جانتے کہ ان کا ذریعہ کیا تھا یا وہ سامان انہوں نے کہاں سے حاصل کیا یہ محض اتفاق ہے کہ بعض ڈیلرز کا تعلق اس برصغیر کے ممالک سے تھا''

اس سے قبل ایرانی نائب وزیر خارجہ اور وزیر خارجہ بھی یہ کہہ چکے تھے کہ ایران نے کسی پاکستانی سائنسدان کا نام نہیں دیا البتہ بروکرز کے نام دیئے ہیں۔ جبکہ بعض ذمہ دار حلقوں کا خیال ہے کہ ایران نے ایٹمی پروگرام سے وابستہ بھارتی ماہرین کے کہنے پر ہوسکتا ہے کہ پاکستان کی طرف بھی اشارہ کردیا ہو لیکن اس نے نام واقعی کسی کا نہیں دیا۔ جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے انقلاب ایران کے بعد پاکستان اور ایران کے تعلقات میں جو نشیب وفراز آئے اسکے باعث پاکستان کی طرف سے ایٹمی ٹیکنالوجی کی ''منتقلی'' کا امکان نہیں ہے لیکن بھارت جس کے چوٹی کے سائنسدان پروگرام سے عملاً وابستہ رہے ہیں۔ اس کی طرف امریکہ اور عالمی ایٹمی ایجنسی نے کوئی قدم کیوں نہیں اٹھایا ادھر ایٹمی توانائی کے عالمی اداروں نے مئی 2004 میں یکے بعد دیگرے اس قسم کی بھی خبریں دی ہیں کہ ایران کو سنٹری فیوج مشینیں ترکی اور یورینیم شمالی کوریا سے برآمد کیا گیا اس کے بعد پاکستانی سائنسدانوں اور خاص طور پر محسن پاکستان پر الزامات کی حیثیت مزید مشکوک بلکہ بے بنیاد ہوجاتی ہے آہستہ آہستہ پرتیں کھل رہی ہیں۔ اور اب تو ڈیوڈ البرائٹ نے بھی کہہ دیا ہے کہ امریکی حکومت ایران کے ایٹمی ہتھیاروں کے پروگرام کے بارے میں مبالغہ آرائی کر رہی ہے۔

## لیبیا

اب آیئے لیبیا کی طرف جو مغربی بالخصوص امریکی پریس کے مطابق پاکستان کے خلاف سب سے زیادہ معلومات دینے والا ملک ہے۔ امریکی سی آئی اے کے سربراہ جارج ٹینٹ نے 5 فروری 2004 کو جارج ٹاؤن یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے لیبیا کے ایٹمی ہتھیاروں کے پروگرام سے دستبرداری کو امریکی خفیہ ایجنسیوں کی انقلابی کامیابی قرار دیا ہے لیکن معروف امریکی صحافی اور دانشور سیمور ہرش کی 4 فروری 2004 کو نیویارک ٹائمز میں جو رپورٹ شائع ہوئی ہے اس کے مطابق کرنل معمر قذافی خود کئی سالوں سے امریکہ اور مغرب سے مصالحت کے لئے کوشاں تھے لیکن برائے نام کامیابی سے زیادہ کچھ نہ حاصل ہوا اس پر لیبیا کی خفیہ ایجنسی کے سربراہ موسیٰ کوسیٰ نے انہیں مغرب کے خفیہ اداروں سے براہ راست رابطے کی ترغیب دی اور 9/11 کے سانحے کے بعد یہ کہا ''سرنڈر کرنے کا یہی

موقع ہے امید ہے وہ سرنڈر کو قبول کرلیں گے۔''

اس حوالے سے یہاں سرراہے اس امر کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ لیبیا کے سرنڈر میں کرنل قذافی کے صاحبزادے سیف الاسلام قذافی جو اکثر لندن میں مقیم رہتے ہیں' نے بھی کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ سیف الاسلام گذشتہ کچھ عرصہ سے مختلف ایجنسیوں کے ہتھے چڑھ چکا تھا کرنل قذافی کو جو بدقسمتی سے ایک غیر سنجیدہ اور کوتاہ بین سربراہ کے طور پر سامنے آئے ہیں اپنے اقتدار کی فکر تھی' وہ یقین دہانی چاہتے تھے کہ سرنڈر کے بعد ان کا اقتدار قائم رہے گا۔ چنانچہ برطانوی وزارت خارجہ کے مائیک اوبرائن 9/11 کے بعد ترپیولی گئے تو انہیں ایک طرف لے جا کر موسیٰ کوسیٰ نے ان سے اس امر کی ضمانت حاصل کرلی۔ بعدازاں موسیٰ نے برطانیہ کا دورہ کیا اور طویل مذاکرات کے بعد 19 دسمبر 2003 کو لیبیا نے سب کچھ امریکہ و برطانیہ کے سامنے سرنڈر کردیا۔

لیبیا اور امریکہ و برطانیہ کے درمیان بڑے پیمانے پر خفیہ بات چیت کا آغاز مارچ 2003 میں اسوقت ہوا جب عراق کے خلاف فوجی کاروائی ہوئی۔ یہ بات چیت 1988 میں لاکربی حادثے کے متاثرین کو معاوضہ دینے کے لئے شروع کی گئی۔ کیونکہ پین ایم کے اس جہاز 103 کو لیبیا کے خفیہ ایجنٹوں نے مار گرایا تھا' کرنل قذافی نے اس حادثے میں 270 ہلاک شدگان کے لواحقین کو ایک کروڑ ڈالر فی کس ادائیگی کرنے کی پیشکش کی جبکہ قذافی نے 1989 میں صحارا میں تباہ ہونے والے فرانسیسی طیارہ کی ذمہ داری بھی قبول کرلی حالانکہ فرانس نے اس کا الزام بھی نہیں لگایا تھا' لیبیا نے اس حادثہ کے 170 ہلاک شدگان کے لواحقین کو 10 لاکھ ڈالر روپے فی کس دینے سے اتفاق کیا۔ بعض حلقوں کا کہنا ہے کہ کرنل قذافی 15 سال سے عائد اقتصادی پابندیوں کے باعث پریشان تھے' جبکہ اصل سبب یہ ہے کہ انہیں اپنے اقتدار اور اپنے بیٹے سیف السلام قذافی کی جانشینی کی فکر تھی۔ لیکن مجھے اسلام آباد میں مقیم لیبیا کے ایک سفارت کار نے بتایا کہ جب کرنل قذافی نے ٹیلی وژن پر دیکھا کہ امریکہ نے عراق کے مرد آہن صدام حسین کو دبوچ لیا ہے. انکی داڑھی بڑھی ہوئی ہے اور ایک امریکی ڈاکٹر انکے دانتوں کا معائنہ کررہا ہے تو کرنل قذافی صدام حسین کو یوں بے بس دیکھ کر پریشان ہوگئے اور انہوں نے ''زمینی حقائق'' سے مزید سمجھوتے کا فیصلہ کرلیا!!

بہرحال مذاکرات ستمبر 2003 کو اس نتیجے پر پہنچے کہ امریکہ و برطانیہ کے ایجنٹوں کے لئے لیبیا کی ایٹمی تنصیبات کھول دی گیئں اور ان کو ایسی دستاویزات دکھائی گئیں جن سے انکشاف ہوا کہ لیبیا ایٹمی ہتھیاروں اور میزائلوں کے منصوبے پر عمل کررہا ہے۔ پھر 19 دسمبر 2003 کو کرنل قذافی نے ایٹمی حیاتیاتی اور کیمیائی ہتھیاروں کے تمام منصوبے ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا اور 20 دسمبر کو صدر بش اور برطانوی





وزیراعظم ٹونی بلیئر نے مشترکہ طور پر اعلان کیا کہ لیبیا اپنی ایٹمی تنصیبات IAEA کے انسپکٹروں کے لئے کھول دے گا۔ اسی طرح حیاتیاتی اور کیمیائی ہتھیار تیار کرنے والی تنصیبات کو ختم کردے گا۔ اس کے بدلے امریکہ تمام پابندیاں اٹھالے گا۔ اس کے ساتھ ہی امریکہ نے ''Axis of Evil'' کے ایک اور رکن کا شکار کرلیا جو کبھی اپنی بڑھکوں اور عرب دنیا کی جہادی بلکہ زیرزمین مسلح سرگرمیوں میں مصروف تنظیموں کی سرپرستی میں مشہور تھا اور مغرب کے نزدیک وہ عراق کے صدام حسین سے کم خطرناک نہ تھا کرنل قذافی نے یکم جنوری 1975 میں اعلان کیا تھا کہ

> ''وقت آنے والا ہے جب ایٹم بم کسی کے لئے راز نہیں رہے گا چند برس قبل ہم اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ اپنے لئے چندلڑا کا سکواڈرن خرید لیں' اب وہ وقت آنے والا ہے کہ ایٹم بم خرید سکیں گے ایٹم بم پر اب اجارہ داری ختم ہونے والی ہے''

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ لیبیا نے بھی بہت سے ملکوں کی طرح NPT پر دستخط کرر کھے ہیں۔ اور اضافی پروٹوکول پر بھی دستخط کردیئے ہیں۔ کرنل قذافی کے بیٹے سیف الاسلام کے مطابق ایٹمی پروگرام ترک کردینے کے بدلے لیبیا نے ایک پیکج ڈیل کی ہے اس کے تحت امریکہ و برطانیہ تباہ یا ختم کی جانے والی تنصیبات اور مواد کا معاوضہ دیں گے اور لیبیا کو اقتصادی امداد بھی دیں گے۔ اس کے علاوہ برطانیہ لیبیا کے فوجیوں کو تربیت دے گا اور روایتی ہتھیار فراہم کرے گا۔ کرسمس سے پہلے اس منصوبے کا اعلان ہوتے ہی IAEA کے سربراہ البرادی اپنی ٹیم کے ساتھ لیبیا کے چھ روزہ دورے پر پہنچ گئے اور کئی تنصیبات کھنگال ڈالیں یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ لیبیا کی بہت سی تنصیبات اس ڈینٹ (Dent) پڑے ٹین کے کنستر کی طرح ہوگئی ہیں جس میں کچھ بھی نہ ہو۔

لیبیا کے ایٹمی پروگرام کے حوالے سے برطانوی اخبار سنڈے ٹائمز نے سیف الاسلام قذافی کا ایک انٹرویو 4 فروری 2004 کو شائع کیا تھا' جس میں مبینہ طور پر سیف الاسلام قذافی نے الزام لگایا کہ پاکستانی سائنسدانوں نے ایٹمی ٹیکنالوجی کی منتقلی کے بدلے لیبیا کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا اور تقریباً 400 ملین ڈالر لوٹ لئے۔ پورے بم کا ''ڈوزیئر'' ایک سو ملین ڈالر میں پاکستان سے خریدا' اس انٹرویو کو مغربی میڈیا نے بہت اچھالا لیکن اس انٹرویو کے سنسنی خیز اثرات سمندر کے جھاگ کی طرح بیٹھ گئے جب موصوف نے خود ہی اس خبر اور انٹرویو کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ

> ''انہوں نے پاکستان یا پاکستانی سائنسدانوں پر کوئی الزام نہیں لگایا البتہ یہ کہا تھا کہ انڈر ورلڈ سے خریداری میں ہوسکتا ہے کسی پاکستانی سے بھی رابطہ ہوا ہو''

8 جنوری 2004 کے اس تردیدی بیان میں سیف الاسلام قذافی نے مزید کہا کہ:

”لیبیا کے قائد معمر قذافی ہمیشہ کہتے رہے ہیں کہ پاکستان کا ایٹمی پروگرام تمام مسلمانوں کے لئے باعث فخر ہے۔اسلئے یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ لیبیا پاکستان کے ایٹمی پروگرام یا ایٹمی سائنسدانوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے۔ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ کئی ممالک پاکستان کو گھیرے میں لئے ہوئے ہیں اور اسے ایٹمی ٹیکنالوجی سے محروم کرنے کے موقع کی تلاش میں ہیں جسکی دلیل کسنجر کی وہ بات ہے جس میں انہوں نے مسٹر بھٹو سے کہا تھا کہ ہم تمہیں دوسرے مسلمانوں کے لئے عبرت بنادیں گے تاکہ کوئی بھی ایٹم بم بنانے کا نہ سوچے۔“

اس بیان کے الفاظ اور لہجہ تو یہ بتا رہا ہے کہ ایران اور لیبیا کی جاسوسی سے سراغ لگانے کا دعویٰ کرنے والے دراصل پاکستان‘لیبیا‘اور ایران کے درمیان کشیدگی پیدا کرنے کے لئے کہانیاں گھڑ رہے ہیں۔سنڈے ٹائمز کے مطابق برطانیہ اور امریکہ کے نمائندوں جنہوں نے IAEA کے ماہرین کی حیثیت سے کئی ہفتے قبل لیبیا کی ایٹمی تنصیبات کا دورہ کیا تھا ان کے مطابق لیبیا ایٹمی ہتھیار بنانے کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا اور انہوں نے وہاں یورینیم کو افزودہ کرتے ہوئے دیکھا تھا لیکن البرادی کا کہنا ہے کہ لیبیا کا ایٹمی پروگرام ابھی پالنے میں ہے‘بہت سی درآمد کردہ مشینری اور دیگر مواد بکسوں میں بند پڑا ہے اور ادھر ادھر بکھرا ہوا ہے۔اسے ہتھیار سازی کے لئے کئی سال درکار ہیں۔پائلٹ پروجیکٹ لیبارٹری کی سطح کا ہے اور ملک میں افزودہ یورینیم سے ہتھیار سازی کا کوئی صنعتی انفراسٹرکچر بھی نہیں۔لیکن لیبیا نے جو کچھ خرید رکھا ہے اسے دیکھ کر سب حیران رہ گئے‘پورا اسلحہ خانہ خرید رکھا ہے یہ خریداری گذشتہ 24 سال سے جاری تھی۔

IAEA کے ترجمان کے مطابق لیبیا نے خفیہ طور پر افزودہ یورینیم اور پلوٹونیم بھی درآمد کئے۔لیبیا کا پروگرام کچھ عرصہ معطل رہا‘1990 میں اسے دوبارہ شروع کیا گیا۔اے پی کی خبر کے مطابق لیبیا کو یورینیم کنورشن پلانٹ 1984 میں جاپان کی ایک فرم نے سپلائی کیا تھا لیکن لیبیا نے یورینیم کی اعلیٰ سطح پر افزودگی ابھی تک خود شروع نہیں کی۔

سفارت کاروں کے مطابق لیبیا نے 1980 کی دہائی میں بلیک مارکیٹ کی وساطت سے یورپ‘امریکہ‘جنوبی افریقہ اور مغربی ایشیا سے خریداری کی۔امریکی دانشور ایرک ای مارگولس نے ایٹمی توانائی کے عالمی ادارے اور امریکی برطانوی ماہرین کی رپورٹوں کا جو خلاصہ بیان کیا ہے اس کے مطابق لیبیا کے پاس ایٹمی اور حیاتیاتی وجراثیمی ہتھیار نہیں ہیں صرف سکڈ بی ٹائپ کے میزائل ہیں جن کی مار 180 میل تک ہے یا پھر پہلی جنگ عظیم کے زمانے کے مسٹرڈ گیس کے بم ہیں‘مارگولس کے مطابق جس ملک میں ایلیویٹر (لفٹ اور خودکار زینہ ) کا مکینک بھی موجود نہ ہو وہ ایٹم بم کیسے بنا سکتا ہے‘اس کا





70 فیصد ملٹری سازوسامان ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے مارگولس نے لکھا ہے کہ ”لیبیا کا ڈرامہ دراصل پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو بند کرنے یا اس پر دباؤ بڑھانے کے لئے رچایا گیا اس کا کہنا ہے کہ لیبیا کے بارے میں پاکستان نے پریشانی کے عالم میں عجلت میں اعتراف کیا ہے۔“

ادھر واشنگٹن پوسٹ نے 15 فروری 2004 کو لیبیا کے حوالے سے یہ خبر دی کہ ”پاکستان کے ایٹمی پروگرام میں چین کی شرکت ثابت ہوگئی ہے کیونکہ لیبیا میں حاصل ہونے والے جوہری ہتھیاروں کے ڈیزائن چین سے آئے تھے۔بعض ایسی دستاویزات ملی ہیں جن میں سے کچھ چینی زبان میں ہیں ان میں Implosion ٹائپ کے ایٹم بم کی تیاری کے لئے مرحلہ وار ہدایات درج ہیں۔ہتھیاروں کے یہ ڈیزائن بہت زیادہ پرانے لیکن انجینئرنگ کا بہترین نمونہ ہیں۔“

پاکستان کو لیبیا کے معاملے میں ملوث کرنے کے لئے مغربی میڈیا میں کرنل قذافی کے بھٹو مرحوم سے قریبی تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ عرب ممالک بالخصوص لیبیا اور سعودی عرب نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام میں بڑی معاونت کی ہے‘لیبیا نے بھاری رقوم کے علاوہ پاکستان کی مغربی یورپ سے ٹیکنالوجی اور مواد کی خریداری میں معاونت کی۔سعودی عرب کے ذریعہ پاکستان کو رقم کے علاوہ امریکی ساختہ سپر کمپیوٹرز تک رسائی حاصل ہوئی۔مغربی میڈیا نے اس بارے میں یہ کہانی بھی تراش رکھی ہے کہ صدر قذافی نے جب یہ دیکھا کہ یہودی لابی انھیں اپنے ملک میں ایٹم بم نہیں بنانے دے گی تو انہوں نے پاکستان کو اس پر آمادہ کیا اور پانچ سو ملین سے زیادہ کی امداد دی تھی اس سلسلے میں بھٹو اور قذافی کے درمیان 1974 میں ایٹمی تعاون کا معاہدہ ہوا تھا۔

مغربی اخبارات کے مطابق 1974 میں اسلامی سربراہی کانفرنس کے موقع پر ہی کرنل قذافی نے بھٹو کی طرف سے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے لئے وسائل کی فراہمی کی اپیل کے جواب میں کہا تھا کہ وہ لیبیا کی دیرینہ خواہش پوری کرنے پر آمادہ ہوں‘ تو لیبیا ان کی مدد کرے گا۔قذافی کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ایٹم بم خریدنے کی قوت رکھتے ہیں یہودی پریس کے مطابق صدر قذافی نے چین کے عظیم لیڈر چواین لائی سے ایٹم بم مانگے تھے مگر انہوں نے معذرت کرلی تاہم چین نے لیبیا کو ایٹمی تحقیقات میں مدد دینے کا وعدہ کیا۔ایک رپورٹ کے مطابق لیبیا کے نائب صدر عبدالسلام جلود مارچ 1978 میں بھٹو مرحوم کے خلاف مقدمہ پر لیبیا کی طرف سے اظہار ناراضگی اور بھٹو کی رہائی کے بدلے پاکستان کی ہر قسم کی مدد کرنے کا وعدہ لیکر آئے تھے۔تو انہوں نے بھی صدر ضیاء الحق سے ایٹم بم خریدنا چاہا تھا۔

پاکستان کو پھانسنے کیلئے سی آئی اے نے اکتوبر 2003 میں ”بی بی سی چائنا“ نامی جرمن جہاز کا

جو ڈراما رچایا وہ اتنی جلدی اور بے ڈھنگے انداز میں رچایا گیا کہ اس کا انداز ہی سب کچھ کہے دیتا ہے۔ اس ڈرامے کی کہانی کے مطابق امریکی سمندری جہازوں نے اکتوبر 2003 لیبیا جاتے ہوئے مذکورہ بحری جہاز کا راستہ روک کر اس کی تلاشی لی تو اس میں سے لیبیا کے ایٹمی پروگرام سے متعلق کچھ ساز وسامان ملا جو پاکستانی ایجنٹوں نے لیبیا روانہ کیا تھا۔ دراصل اسی ڈرامے سے پاکستان پر شدید دباؤ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے لیکن ہفت روزہ نیویارکر کے سیمور ہرش نے ایک عرب خفیہ ایجنسی کے حوالے سے انکشاف کیا ہے کہ امریکہ و برطانیہ سے مذاکرات کی کامیابی کے بعد لیبیا کی خفیہ ایجنسی نے کرنل قذافی کی منظوری سے امریکی اور برطانوی خفیہ اداروں کو ایک سودے کے بارے میں بتایا کہ جو ابھی زیر تکمیل تھا' چنانچہ اس کی اطلاع پر اکتوبر 2003 میں ''بی بی سی چائنا'' کو گھیر لیا گیا اور ممنوعہ سنٹری فیوجز کے پرزے اور دوسرا ایٹمی مواد برآمد کر کے اسے امریکی و برطانوی ایجنسیوں کی بہت بڑی کامیابی قرار دیا گیا۔ ہرش کے مطابق اس عرب ایجنٹ کے الفاظ میں ''یہ دراصل خفیہ والوں کا کام ہے جنہوں نے پاکستان کو آگ میں جھونکا اور ڈاکٹر خان پر بلیک مارکیٹ کا الزام دھر دیا۔'' اس عرب ایجنٹ کا کہنا ہے کہ لیبیا نے دراصل پاکستان سے بدلہ لیا ہے کیونکہ اس نے بھاری رقوم لیکر دوسرے درجہ کا منصوبہ دیا۔

کہانی کے مطابق بی بی سی چائنا جہاز سے جو ایٹمی مواد پکڑا گیا وہ ملائیشیا کی کمپنی سکومی پری سائزنگ انجینئرنگ (سکوپ) کا تیار کردہ تھا۔ اسلئے امریکہ نے ملائیشیا کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا اور کہا گیا کہ ملائیشیا بھی ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے نیٹ ورک کا حصہ ہے۔ ملائیشیا کا ایٹمی پروگرام پرامن مقاصد کے لئے ہے اور اس نے این پی ٹی پر دستخط کردیئے ہیں لیکن امریکہ کو ملائیشیا اسلئے چبھتا ہے کہ وہ اپنی اقتصادی ترقی کے باعث جنوب مشرقی ایشیاء کا اہم ملک بن گیا ہے اور امریکی کوششوں اور سازشوں کے باوجود اس کے سابق وزیراعظم مہاتیر محمد کی قیادت میں آگے ہی آگے بڑھتا رہا دوسرے یہ کہ مہاتیر محمد امریکہ اور مغرب کے زبردست نقاد اور تیسری دنیا کے جرات مند رہنما کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ مہاتیر محمد 2003 میں ملائیشیا میں ہونے والی اسلامی سربراہی کانفرنس کے بعد ریٹائر ہو گئے ہیں اور ان کی جگہ عبداللہ بداوی آگئے ہیں۔ سکوپ کے مالک ان کے بیٹے کمال الدین احمد بداوی ہیں۔ کہانی کے مطابق ایٹمی مواد سری لنکا کے ایک شہری بی ایس اے طاہر کے ذریعہ لیبیا بھجوایا جا رہا تھا۔ جسے بقول اس کے ڈاکٹر خان نے ہدایت کی تھی۔ یہ وہی طاہر ہے جو دبئی سے پاکستان کو بھی ''ایٹمی مواد' بلیک مارکیٹ سے خرید کر بھجواتا رہا اور بقول پاکستانی تفتیش کاروں کے دبئی کے بنکوں میں ڈاکٹر خان کے ساتھ ایک مشترکہ اکاؤنٹ چلاتا رہا ہے یہ غالباً ان دنوں کی بات ہے جب پاکستان خفیہ ذرائع سے کہوٹہ کے لئے خریداری کیا کرتا تھا اور جائنٹ اکاؤنٹ اسلئے کھولا گیا تھا کہ طاہر اور اس کے سپلائرز کو ادائیگی کے





بارے میں اطمینان رہے اور اکاؤنٹ میں کوئی ہیرا پھیری بھی نہ ہو۔

لیکن یہ سارا ڈرامہ اسلئے کامیاب نہ ہو سکا کہ ملائیشی پولیس نے ابتدائی تحقیقات کے بعد کمال الدین احمد بداوی اور طاہر دونوں کو بری قرار دیدیا' پولیس کے مطابق طاہر نے چونکہ ملائیشیا کی سرزمین پر کوئی جرم نہیں کیا اسلئے اس کے خلاف کوئی مقدمہ نہیں بنتا اور کمال الدین احمد نے ان پرزوں کی تیاری کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ اسے بتایا گیا تھا کہ یہ پرزے آئل اور گیس انڈسٹری کے لئے ہیں اور اس سے امریکیوں اور عالمی اداروں نے بھی انکار نہیں کیا کہ یہ دوہرے استعمال کے پرزے ہیں طاہر نیویارک ٹائمز کے مطابق انوسٹمنٹ ہولڈنگ کمپنی Kuspada کا ڈائریکٹر ہے اس کے ایک حصہ دار کمال الدین احمد بھی ہیں۔ البتہ مئی 2004 کے آخری ہفتے ملائیشیا کے ڈپٹی منسٹر برائے داخلی سلامتی نوح عمر نے ایک بیان میں انکشاف کیا ہے کہ طاہر کو دوبارہ گرفتار کرلیا گیا ہے کیونکہ اس نے ''سکوپ'' کو دھوکہ دیا۔ طاہر دسمبر 2001ء سے لیبیا سے کچھ لین دین کر رہا تھا' اور اس نے لیبیا کے ٹیکنیشنز کے لئے ملائیشیا میں خفیہ تربیت کا اہتمام بھی کیا تاکہ کوالٹی کنٹرول مشینوں کو وہ بہتر طور پر سنبھال سکیں۔ اس سے قبل مغربی میڈیا نے طاہر کے حوالے ہی سے ڈاکٹر خان پر الزام لگایا تھا کہ انہوں نے تین سو ملین ڈالر کے بدلے ایران کو ایٹمی ٹیکنالوجی فراہم کی تھی۔

طاہر نے ملائیشی پولیس کو انڈر ورلڈ کے یورپی ڈیلروں کے جو نام دیئے ہیں ان میں ایک سوئس شہری فریڈرک ٹنر بھی ہے جو کہ ''سکوپ'' کے مینوفیکچرنگ آپریشنز کا نگران رہا ہے اس کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ پرزہ جات کے جو ڈیزائن دیتا تھا وہ واپس لے لیتا تھا بی بی سی چائنا سے برآمد ہونے والے پرزے بھی اسی کی نگرانی میں تیار ہوئے تھے۔ اس لئے ملائیشی پولیس کے سربراہ نے IAEA سے کہا کہ وہ ادھر ادھر ٹامک ٹوئیاں مارنے کے بجائے یورپی بروکرز کے خلاف تفتیش کرائے۔

دوسری طرف لیبیا نے 500 ٹن وزنی جو ڈیٹا اور دیگر ساز وسامان اور آلات امریکہ کے حوالے کئے ان میں سے ایک چھوٹا سا بکس برآمد ہوا جو جنوری 2004 کے آخری ہفتے میں ایک خصوصی چارٹرڈ طیارے کے ذریعہ واشنگٹن لایا گیا۔ اس بکس میں وہ ڈیزائن ہیں جو نیوز ویک کی رپورٹ کے مطابق امریکی حکام کے نزدیک ڈاکٹر عبدالقدیر خان سے تعلق رکھنے والی انڈر ورلڈ نے خفیہ طور پر فروخت کیا اور یہ وہی ڈیزائن ہیں جو بقول ان کے ایران اور کوریا کو بھی دیئے گئے۔

امریکی حکام کا کہنا ہے کہ لیبیا کے حکام نے بتایا کہ انہوں نے پچاس ملین ڈالر کے عوض خفیہ نیٹ ورک کے ڈیلروں سے ایٹمی ہتھیاروں کے بلیو پرنٹس حاصل کئے۔ اور یوں لیبیا کے ہاتھ وہ تمام عناصر آ گئے جن کی مدد سے وہ ایٹمی ہتھیار بنا سکتا تھا۔ ایک امریکی ماہر کے مطابق لیبیا نے پچن ہی نہیں

بلکہ اس میں تیار کی جانے والی ہر شے کا طریقہ اور ترکیب بھی خرید لی تھی۔

ادھر 24 جنوری کو IAEA کے ترجمان Gorez Decky نے جو بیان دیا ہے' اس کے مطابق ایٹمی ڈیزائن اور ڈرائنگز کو سربمہر کر دیا گیا ہے اور ''یہ محفوظ ہاتھوں میں ہے''، لیکن ایجنسی کے سربراہ البرادی اور ترجمان دونوں نے اس بارے میں اظہار خیال سے گریز کیا کہ یہ کہاں سے آئے؟ مگر وی آنا کے بعض سفارتی حلقوں نے کہا کہ ان ڈیزائنوں اور ڈرائنگز سے صرف اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کسی جنگی ہتھیار کے ہیں یہ واضح طور پر ایٹم بم کے ڈیزائن نہیں ہیں۔ ان ذرائع کے مطابق لیبیا نے یہ پاکستان سے نہیں بیرونی ذریعہ سے خریدے تھے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ امریکی حکام 5 فروری سے قبل بار بار زور دیکر کہتے رہے ہیں کہ ایسے شواہد نہیں ملے کہ پاکستان ایٹمی ڈیزائنوں کی خفیہ فروخت میں ملوث ہے۔ امریکی وزارت خارجہ کے ترجمان رچرڈ باؤچر کا یہ بیان ریکارڈ پر ہے کہ امریکہ نے پاکستان پر ایٹمی ٹیکنالوجی لیبیا کو منتقل کرنے کا الزام نہیں لگایا (8 جنوری 2004) اور سیف الاسلام قذافی اور اسلام آباد میں لیبیا کے سفارتخانے کے علاوہ لیبیا کے وزیر خارجہ ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن شلغام نے لندن میں برطانوی وزیر خارجہ جیک سٹرا کے ساتھ ایک مشترکہ پریس کانفرنس کے دوران (25 فروری 2004) اس بات کی تردید کی کہ لیبیا نے ڈاکٹر خان کا نام دیا ہے۔

بھارتی اخبار انڈین ایکسپریس نے جہاں لیبیا کو ایٹمی ٹیکنالوجی فراہم کرنے کے سلسلے میں پاکستان کے خلاف مغربی میڈیا کے الزامات کو دہرایا ہے وہاں یہ خبر بھی دی ہے کہ کئی بھارتی سائنسدان لیبیا کے ایٹمی ہتھیاروں کے پروگرام سے وابستہ رہے ہیں اور خبر کے مطابق بھارتی سفارتخانہ ٹریپولی نے بھی اس کی تصدیق کر دی ہے۔ مئی کے مہینے میں تو خود IAEA کے حوالے سے ایسی خبریں آئی ہیں کہ لیبیا کو زیادہ تر ایٹمی مواد شمالی کوریا سے ملا تھا' اور سینٹری فیوجز ترکی سے بھی آئیں۔ اس طرح دو ٹن یورینیم جو لیبیا نے امریکہ کے حوالے کی ہے شمالی کوریا سے آئی تھی اس سے ایک ایٹم بم بن سکتا تھا۔

اب ذرا پاکستان اور لیبیا کے تعلقات پر نظر ڈال لیجئے تاکہ یہ بات سمجھنے میں آسانی رہے کہ آیا پاکستان لیبیا کی ایٹمی مدد کر سکتا ہے۔ کرنل قذافی بھٹو مرحوم کے ذاتی دوستوں میں شمار ہوتے تھے بعض حلقوں کے مطابق 1974 میں انہوں نے بھٹو مرحوم کو بھاری رقوم بھی بھیجی تھیں جو سرکاری سطح پر نہیں بلکہ ذاتی سطح پر بھیجی گئیں۔ اور یہ بھٹو مرحوم کے اکاؤنٹس میں جمع ہوئیں۔ فرانس میں شاہنواز بھٹو کا قتل دراصل اسی رقم کی تقسیم پر خاندانی لڑائی کا نتیجہ تھا. پچھلے دنوں بیگ نامی کسی شخص نے بیان دیا کہ لیبیا نے ایٹمی پروگرام کے لئے بھٹو کی مالی اعانت کی تھی' محترمہ بے نظیر بھٹو نے اس کی سختی سے تردید کرتے ہوئے کہا کہ





پاکستان کا ایٹمی پروگرام خالصتاً پاکستان کے اخراجات سے چلایا گیا اس میں کسی بیرونی ملک کا سرمایہ نہیں لگا۔

1977 میں جب جنرل ضیاء الحق نے بھٹو کا تختہ الٹا اور اس کے بعد ان کے خلاف مقدمہ چلایا گیا تو کرنل قذافی نے کوشش کی تھی کہ ضیاء الحق بھٹو مرحوم کو لیبیا بھجوا دیں' ان کے انکار پر قذافی نے مبینہ طور پر بھٹو کو جیل سے اڑا لیجانے کی دھمکی بھی دی تھی' بعد ازاں الذوالفقار کی تنظیم کے لئے سرمایہ کاری بھی کی' بلکہ مارچ 1981 میں پی آئی اے کا جو طیارہ اغوا کر کے دمشق لیجایا گیا بعض حلقوں کے مطابق اس کے پیچھے بھی قذافی کی تائید تھی۔ اسی طرح بعض حلقوں کے مطابق ضیاء الحق کے دور میں راولپنڈی میں ہتھوڑا گروپ کے ہاتھوں قتل کی خوفناک وارداتوں کے پیچھے بھی کرنل علی نامی شخص کا انکشاف ہوا جس کے پاس لیبیا کے سفارتی نمائندوں کا پاسپورٹ تھا. اسے واپس بھیج دیا گیا تھا اور کابل میں پی آئی اے کے طیاروں کے ہائی جیکروں سے سب سے پہلے اسی نے ملاقات کی تھی. پھر ایک مرحلہ ایسا بھی آیا کہ لیبیا میں موجود سابق پاکستانی فوجیوں سے ''نامناسب رویے'' کے حوالے سے آغا شاہی کو ٹریپولی جانا پڑا۔ اس کے نتیجے میں لیبیا کے اخراجات پر ان سابق فوجیوں کو پاکستان لایا گیا۔ بعض حلقوں کے مطابق لیبیا نے ایک مرحلہ پر صدر ضیاء الحق کو لیبیا کے دورے کی دعوت دی' تو پاکستان نے یہ ضمانت مانگی کہ ان کا استقبال صدر پاکستان کی حیثیت سے اور پورے پروٹوکول کے ساتھ کیا جائے گا تو لیبیا نے خاموشی اختیار کر لی' دراصل قذافی ان کی بے عزتی کرنا چاہتے تھے. ایسے میں پاکستان یا اس کے سائنسدان لیبیا سے کیسے تعاون کر سکتے تھے۔ مختصر یہ کہ 80ء کی دہائی میں پاکستان اور لیبیا کے تعلقات کشیدہ ہی رہے البتہ بے نظیر بھٹو کے برسر اقتدار آنے کے بعد کسی حد تک معمول پر آئے اور بے نظیر نے لیبیا کا دورہ بھی کیا مگر امریکی دباؤ کے باعث محترمہ بے نظیر چاہتے ہوئے بھی لیبیا سے معمول کے تعلقات قائم نہ کر سکیں. پھر 2000 میں صدر پرویز مشرف بھی لیبیا گئے۔

میں نے لیبیا کے ایٹمی پروگرام بلکہ ایٹمی خواہشات کے حوالے سے اور اس ضمن میں محسن پاکستان کو ملوث کرنے یا ان پر کیچڑ اچھالنے کی جو بھی کوشش کی گئی ہے اسے یہاں درج کر دیا ہے اگر ان تمام الزامات اور بیانات کا تجزیہ کیا جائے تو انکے اندر ہی طرح طرح کے تضادات موجود ہیں جن سے ان الزامات کے بے بنیاد ہونے کا پہلو نکلتا ہے۔ ویسے بھی لیبیا کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں محسن پاکستان کے ملوث ہونے کے بارے میں ہماری اطلاع کے مطابق IAEA یا امریکی شکایت میں براہ راست کوئی ذکر نہیں تمام تر کہانی امریکی میڈیا اور ایجنسیوں نے گھڑی ہے اور اسکا اعتراف تو امریکی انٹیلی جنس نے بھی کیا ہے کہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ وار ہیڈ ڈیزائن کس کس کے پاس ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ نقول اور لوگوں کے پاس بھی ہیں اور وار ہیڈ ڈیزائن کے حصول کی نسبت یورینیم اور پلوٹونیم کو

پراسس کر کے ایٹمی ہتھیار بنانا کہیں مشکل ہے لیکن لیبیا نے وار ہیڈ کے علاوہ دونوں ٹیکنالوجیز یورینیم و پلوٹونیم بھی خریدی ہیں اور انڈر ورلڈ سے خریدی ہیں امریکی حکام نے کم و بیش دس مقامات پر ایٹمی تنصیبات اور مواد کا معائنہ کیا ہے۔

لیبیا نے 27 فروری 2004 سے کیمیائی ہتھیاروں تلف کرنے شروع کر دیئے ہیں پہلے مرحلے میں کیمیائی بموں کے 3300 خول تباہ کئے جائیں گے اور اس کام کی نگرانی کیمیائی ہتھیاروں کی تنظیم کر رہی ہے جہاں تک ایٹمی تنصیبات اور مواد کی تلفی کا تعلق ہے اس بارے میں سیف الاسلام قذافی کا یہ موقف ہے کہ عالمی تنظیم یا امریکہ و برطانیہ جو چاہیں کریں' تاہم لیبیا کی خواہش ہے کہ یہ کام عالمی ادارہ کی نگرانی میں ہو' البرادی جس کو چاہیں اپنے ساتھ شامل کر سکتے ہیں۔

## شمالی کوریا

شمالی کوریا کے حوالے سے مغربی میڈیا نے یہ الزام لگایا ہے کہ شمالی کوریا سے جوہری مواد و ٹیکنالوجی کے لئے سودے بازی کا آغاز 1980 کی دہائی کے آخری سالوں میں ہوا۔ جبکہ یورینیم کی افزودگی کے آلات 1990 کی دہائی میں اسوقت دیئے گئے جب امریکہ سے ہونے والے معاہدہ کے تحت شمالی کوریا نے پلوٹونیم پروگرام روک دیا تھا' نیویارک ٹائمنر کے مطابق کوریا کو صرف یورینیم سنٹری فیوجز کے ڈیزائن اور تھوڑے سے سنٹری فیوجز دیئے گئے ''ساؤتھ چائنا مورننگ نیوز'' کے مطابق اس بارے میں شمالی کوریا اور پاکستان میں معاہدہ 1996 میں پیونگ یانگ میں ہوا تھا' پاکستان کی طرف سے اس کے سفیر نے دستخط کئے تھے' یورینیم کی افزودگی کا آغاز 1997ء میں پاکستان سے حاصل کردہ ٹیکنالوجی سے کیا گیا۔ اور کولڈ ٹیسٹ 2001 میں ہوا۔ پاکستان اور شمالی کوریا کے درمیان ایٹمی تعاون کا انکشاف شمالی کوریا کی ورکرز پارٹی کے سابق سیکرٹری بین الاقوامی امور وانگ ژنگ یوپ نے ایک جاپانی اخبار سے انٹرویو میں کیا' اس سال یوپ 1997 میں شمالی کوریا سے بھاگ کر جنوبی کوریا چلے گئے۔ جبکہ بعض منحرفین نے برطانوی اخبار انڈی پنڈنٹ کو بتایا کہ شمالی کوریا نے 1980 میں ایٹم بم بنانے کی صلاحیت حاصل کر لی تھی جس کا اعلان نو برس بعد 1989 میں کیا گیا۔ ایٹمی ٹیکنالوجی اور آلات چین سے ایک ماہی گیر کشتی میں سمگل کر کے لائے گئے تھے۔

1994 میں امریکہ اور شمالی کوریا کے درمیان تیل کی مفت فراہمی اور ہلکے پانی کے دوری ایکٹروں کے بدلے میں ایٹمی پروگرام منجمد کرنے کی ڈیل ہوئی' لیکن بقول امریکہ تیل آتا رہا' اور ایٹمی پروگرام منجمد نہ ہوا۔ بلکہ 1994 کے بعد تیز کر دیا گیا اور IAEA کے انسپکٹروں کو ملک سے نکال دیا





گیا۔ 2002 کے موسم خزاں میں شمالی کوریا نے پہلی بار سی آئی اے اور آئی اے ای اے کے الزامات کی تصدیق کر دی تاہم یہ واضح کر دیا کہ ایٹمی ٹیکنالوجی پاکستان سے نہیں لی گئی بلکہ امریکہ کی طرف سے اس پر اصرار اور ڈاکٹر خان کے ''اعتراف'' کے بعد شمالی کوریا نے دھمکی دی کہ امریکہ شمالی کوریا کے خلاف سازشوں سے باز رہے ورنہ امریکہ کو تباہ کر دیا جائے گا شمالی کوریا نے ڈاکٹر خان کے اعتراف کو امریکی سازش اور دباؤ قرار دیا ہے۔ شمالی کوریا نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کا ایٹمی ہتھیار سازی کا پروگرام پلوٹونیم کا ہے۔ یورینیم کا نہیں' منحرفین کے مطابق شمالی کوریا نے اپنی تنصیبات پر حملے کے خوف سے ایٹمی تنصیبات کو قلعہ بندیوں میں رکھا ہوا ہے اور 1991 کی خلیجی جنگ کے بعد سے شمالی کوریا کچھ زیادہ ہی چوکس ہو گیا ہے۔ منحرفین کے بیان کے مطابق شمالی کوریا نے روسی اور چینی ٹیکنالوجی اور سوویت روس ٹوٹنے کے بعد سوویت اور مشرقی جرمنی کے ماہرین کی مدد سے ایٹمی ہتھیار بنائے ہیں لیکن مغربی میڈیا نے الزام لگایا کہ پاکستان کی شمالی کوریا کو ایٹمی ٹیکنالوجی کی منتقلی خزاں 2002 تک جاری رہی جبکہ پاکستان کے عسکری ترجمان نے اپنی معلومات کے مطابق اسے 1997 تک محدود بتایا ہے۔ شمالی کوریا کے ایٹمی پروگرام کو محدود کرنے کے لئے گذشتہ چند ماہ سے چھ ملکی مذاکرات چل رہے ہیں لیکن کوئی پیش رفت نہیں ہو رہی' شمالی کوریا امریکی دھمکیوں کو خاطر میں لائے بغیر اس شرط پر اڑا ہوا ہے کہ امریکہ پروگرام بند کرنے کا معقول معاوضہ دے۔

امریکہ اور امریکی میڈیا کا کہنا ہے کہ پاکستان نے شمالی کوریا سے میزائل نوم ڈنگ کی ٹیکنالوجی لی اور اس کے بدلے میں ایٹمی ٹیکنالوجی دی' ان کے مطابق پاکستان کا غوری میزائل شمالی کوریا کی ٹیکنالوجی پر بنا ہے جبکہ بے نظیر بھٹو نے کہا ہے کہ انہوں نے اپنی وزارت عظمیٰ کے زمانے یعنی دس سال قبل 1993 میں ڈاکٹر خان اور نیوکلیر اتھارٹی کے مشورے پر شمالی کوریا سے میزائل ٹیکنالوجی نقد ادائیگی پر خریدی تھی۔ یعنی میزائل کے بلیو پرنٹس لئے تھے۔ یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ امریکی میڈیا ایک طرف تو میزائل ٹیکنالوجی کے بدلے ایٹمی ٹیکنالوجی شمالی کوریا کو دینے کا پروپیگنڈہ کر رہا ہے اور دوسری طرف نیویارک ٹائمنر نے 27 فروری 2004 کو یہ دلچسپ انکشاف کیا ہے کہ مئی 1998 کے ایٹمی تجربات کے لئے شمالی کوریا نے پاکستان کو پلوٹونیم فراہم کیا تھا۔ یہ ان خدمات کے بدلے دیا گیا جو ڈاکٹر خان نے شمالی کوریا کے لئے انجام دی تھیں۔ خبر کے مطابق ایٹمی دھماکوں کے فوراً بعد امریکہ نے تابکاری مواد کے نمونے حاصل کرنے کے لئے چاغی کی فضاؤں میں ایک ملٹری جٹ طیارہ بھیجا' فضا کے اندر پایا جانے والا مواد پلوٹونیم تھا' جبکہ پاکستان کا دعویٰ تھا کہ وہ یورینیم افزودہ کر رہا ہے اخبار کے مطابق سی آئی اے حکام نے ''لاس ایلموس'' لیبارٹریز کے حوالے سے دعویٰ کیا ہے کہ شمالی کوریا اور پاکستان نے مل کر

ایٹمی دھماکے کئے ہیں' ( گویا شمالی کوریا کے پاس ایٹم بم کی موجودگی کو ثابت کرنا مطلوب ہے ) اسی طرح نیویارک ٹائمز نے مئی کے اوائل میں یہ خبر دی تھی کہ ڈاکٹر خان نے تفتیش کاروں کو بتایا کہ انہوں نے تقریباً 5 سال قبل شمالی کوریا کے دورے میں ایک خفیہ جوہری مرکز میں 3 ایٹم بم دیکھے تھے۔ یوں لگتا ہے کہ یہ کہانی کوریا کے خلاف کاروائی کے لئے شہادت حاصل کرنے کی خاطر گھڑی گئی ہے۔

جاغی کی فضاؤں میں پلوٹونیم کے ذرات کی جان کاری کا انکشاف ایسا ہی ہے جیسا لندن آبزرور نے 18 جنوری 2004 کی رپورٹ میں کہا تھا کہ سیمرس ڈورف نے ایران کے نیوکلیائی مراکز کے قریب کاشتہ کپاس کی گرد کے کچھ نمونے حاصل کئے اور ان کا تجزیہ کرایا گیا تو اس میں انتہائی افزودہ یورینیم کے اثرات پائے گئے یہ سب کہانیاں من گھڑت ہیں اسی طرح مغربی میڈیا کی دیگر تضاد بیانیاں بھی قابل غور ہے۔

مثلاً بی بی سی چائنا کی مذکورہ نشاندہی کو اگر ایک ذریعہ لیبیائی ایجنٹوں کی کارگزاری بتاتا ہے تو دوسرا یعنی نیویارک ٹائمز (12 فروری 2004) اسے امریکی جاسوس طیارے کی کاروائی گردانتا ہے بعض حلقوں کے مطابق شمالی کوریا کے حوالے سے یہ منفی پروپیگنڈہ اسلئے کیا جارہا ہے کہ چھ ملکی مذاکرات میں چین کو اس پر رضامند کرلیا جائے کہ وہ شمالی کوریا پر دباؤ بڑھائے اور دوسری طرف پاکستان میں ایک طرف ڈاکٹر خان کے عظیم کارنامے کے بارے میں منفی تاثر پیدا کرنا اور کہوٹہ کے ایٹمی پروگرام کو بند کرانا ہے۔

یہاں اس طرف بھی اشارہ ضروری ہے کہ سرکاری طور پر تو نہیں البتہ بعض خبروں میں ''شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار'' عناصر نے یہ الزام بھی لگایا ہے کہ ڈاکٹر خان یا ان کے کسی نمائندہ نے عراق اور شام کو بھی 1990 کے لگ بھگ ایٹم بم بنانے میں تعاون کی پیشکش کی تھی۔ حالیہ دنوں میں تو اس پیشکش کے بارے میں کوئی زیادہ تفصیل سامنے نہیں آئی۔ لیکن 1998 میں جب اس پیشکش کی پہلی مرتبہ ہوائی اڑائی گئی تھی تو اس میں کہا گیا تھا کہ یہ پیشکش 1990 میں عراقی صدر صدام حسین کے داماد جنرل حسین کامل کو کسی نے کی تھی جو بعد ازاں عراق سے فرار ہوگئے تھے۔ یہ خبر سب سے پہلے ''نیوز ویک'' نے جوہری توانائی کے عالمی ادارہ کے حوالے سے شائع کی تھی لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ دروغ گو کا حافظہ نہیں ہوتا' اس خبر سب سے بڑا سقم یہ تھا کہ اگست 1990ء میں کویت عراق بحران پیدا ہوا اور اکتوبر 1990ء میں یہ بحران اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا' اور اس کے خلاف عالمی محاذ بن چکا تھا' جس میں پاکستان بھی شامل تھا اور امریکی حملے کے لئے تیاریاں انتہا پر تھی۔ ایسے عالم میں ڈاکٹر خان یا ان کے کسی نمائندہ کا صدام حسین یا عراق کے کسی ذمہ دار سے اس حوالے سے رابطہ پیدا کرنا حماقت کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ یوں بھی ڈاکٹر خان کبھی عراق نہیں گئے تھے۔ اور نہ ہی انکی طرف سے انکا کوئی نمائندہ عراق گیا۔





بہرحال جوں جوں وقت گزر رہا ہے ''جھوٹ کی کہانیوں'' سے پرتیں اتر رہی ہیں' ایران نے جرمنی کے تین اور جنوبی ایشیا کے دو افراد کے نام دیئے تھے۔ جرمنی کی طرف سے اس بارے میں مکمل خاموشی رہی ہے' البتہ ہالینڈ نے تسلیم کیا ہے ہوسکتا ہے کہ ہالینڈ کی کمپنی کی تیار کردہ حساس ٹیکنالوجی شمالی کوریا' لیبیا اور ایران کو منتقل کی گئی ہو (19 جنوری 2004) پھر یہ کہ نیویارک ٹائمز نے 19 فروری 2004 کو ایک سٹوری شائع کی' جس میں اعتراف کیا گیا کہ ایٹمی انڈرورلڈ کا آغاز یورپ سے ہوا' اسلام آباد سے نہیں اور ایٹمی دنیا سے متعلق ماہرین اور مختلف عدالتوں میں موجود دستاویزات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ انڈرورلڈ گذشتہ کئی عشروں سے سرگرم عمل ہے' اور پاکستان نے بھی اسی انڈرورلڈ کی مدد سے اپنا پروگرام آگے بڑھایا۔ اس رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے' اس انڈرورلڈ میں سرگرم لوگوں کے خلاف کئی بار تحقیقات ہوئیں' مقدمات بھی قائم ہوئے' چند ایک کو سزا بھی ہوئی دلچسپ بات یہ ہے کہ 12 فروری کو رائٹر نے اپنی ایک سٹوری میں اس انڈرورلڈ کی خبر دیتے ہوئے بھی سارا ملبہ ڈاکٹر خان پر ڈالنے کی کوشش کی تھی' اس کے برعکس نیویارک ٹائمز نے انڈرورلڈ کے افراد اور اداروں کے علاوہ ان کے مختلف ممالک سے لین دین کا ذکر بھی کیا ہے' اور اس کی تخلیق کی ساری ذمہ داری یورپ پر ڈالی ہے۔

میرے نزدیک یہ سب کچھ بالکل درست ہے۔ اس باب کو سمیٹتے ہوئے میں کہوں گا کہ حقیقت میں ایٹمی پھیلاؤ کا آغاز یورپ سے ہوا اور یورپ میں ہی ختم ہوتا ہے۔ ان ہی لوگوں نے 1970 اور 1980 کے عشرے میں پاکستان کے ہاتھوں مال بیچا۔ مختصر یہ کہ یہی ہیں' جنہوں نے پاکستان سے کاروبار کیا۔ ویز مین (Weissman) اور کروزنی (Krosney) کی کتاب (The Islamic Bomb) پڑھ لیجئے جو 1980 میں چھپی تھی یا پھر لندن کے جریدہ (Eight Days) کا وہ خصوصی شمارہ ملاحظہ فرمایئے جس میں پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں انکشافات ہوئے۔ نیویارک ٹائمز کی مذکورہ رپورٹ کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس میں ایک اعلیٰ امریکی عہدیدار اور وی آنا میں IAEA کے ایک سفارتکار کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ ''اگر ہم چاہتے تو ہم تیس سال قبل اس ایٹمی پھیلاؤ کو روک سکتے تھے' اس کے ذمہ داروں پر ہاتھ ڈال سکتے تھے' کیونکہ ہم سب کو جانتے تھے اس وقت جو لوگ اس مارکیٹ میں ہیں وہ ان کی دوسری یا تیسری نسل کے ہیں یعنی جب تک کسی مسلمان ملک نے ایٹمی قوت حاصل نہ کی' انڈرورلڈ کی سرگرمیوں پر نہ عالمی اداروں کو تشویش ہوئی نہ ہی امریکہ کو کوئی تکلیف ہوئی۔''

نیویارک ٹائمز کی رپورٹ میں تو یہ تک لکھا ہے کہ جرمن انٹیلی جنس کی تحقیقات کے مطابق عراق اور امکانی طور پر شمالی کوریا اور ایران نے یورینیم انرچمنٹ کی ٹیکنالوجی 1984 کے لگ بھگ یورنیکو سے چرائی ہے اور میگ گراول کے ایٹمی جریدہ نیوکلینکس میں 1989 میں مسٹر ہبس (Hibbs) نے لکھا کہ

یورنیکو کی جرمن سب کنٹریکٹر فرم Mann New Technologue کے دو ایٹمی ماہرین برنو سٹیملر Burno Stemmlre اور کارل ہینز شیب (Karl Heins Schaab) نے عراق کو سینٹری فیوجز کے بلیو پرنٹس دیئے پھر ان پر عملدرآمد کی مشکلات کو دور کرنے کے لئے بغداد بھی گئے۔ شیب کو ایک سال کے لگ بھگ سزا بھی ہوئی۔ ڈیوڈ البرائٹ کا کہنا ہے کہ حالیہ عراق جنگ کے دوران انھیں یورینیم افزودگی کے پلانٹ کے مکمل بلیو پرنٹس ملے ہیں' انہوں نے خدشہ ظاہر کیا ہے' بہت سے ڈیزائن اور بلیو پرنٹس غائب ہو گئے ہیں۔ رائٹر اور نیویارک ٹائمز کی ان رپورٹوں میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ گذشتہ سال یعنی 2003 میں جرمن کسٹم نے یورنیکو ڈیزائن کی انتہائی مضبوط المونیم ٹیوبیں جو سنٹری فیوجز میں استعمال ہوتی ہیں۔ پکڑی ہیں جو شمالی کوریا بھجوائی جارہی تھیں۔ اسی طرح مسٹر ہینک' سلیپوس کا معاملہ ہے ان پر ایران کو ایٹمی سپلائی دینے کا الزام ہے' مسٹر سلیپوس 1985 میں پاکستان کو Oscilloscope بھجوانے پر کچھ عرصہ جیل میں رہ چکے ہیں۔ انہوں نے 1998 میں بھی ہالینڈ' بیلجیئم اور آسٹریا سے پانچ کھیپ سامان پاکستان بھجوانے کی کوشش کی تھی' جسے ہالینڈ حکومت کے اعتراض پر واپس لے لیا تھا۔ مختصر یہ کہ ڈاکٹر خان کا صرف ایک جرم ہے کہ انہوں نے پاکستان کو ایٹمی طاقت کیوں بنا دیا؟ ورنہ وہ تمام ادارے اور افراد جن کا ان سے تعلق ثابت کیا جارہا ہے' وہی ہیں' جو پچاس سال پہلے سے اس میدان میں کاروبار کر رہے ہیں۔

کیا کسی کو اب بھی شک ہے کہ سی آئی اے کی ڈاکٹر خان کے ایٹمی نیٹ ورک کے حوالے سے فراہم کردہ تمام معلومات اسی طرح سے غلط ہیں' جس طرح عراق کے تباہ کن اسلحہ کے بارے میں غلط تھیں۔ عالمی حالات پر نظر رکھنے والے مبصرین کے نزدیک ان سارے مغربی الزامات کا مقصد شمالی کوریا' لیبیا' اور ایران کے خلاف کاروائی اور امریکہ کو پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو رول بیک کرانے کیلئے جواز فراہم کرنا ہے۔ ان کے علاوہ ان تمام ممالک کے پاکستان کے ساتھ تعلقات خراب کرنا ہے' یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ابھی تک عالمی طاقتوں نے پاکستان کو ایٹمی قوت تسلیم نہیں کیا' اور اس امر کی کوئی گارنٹی نہیں کہ وہ پاکستان کو ایٹمی قوت تسلیم کرلیں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ امریکی وزیر خارجہ کولن پاؤل نے پاکستان اور بھارت کو ایٹمی طاقت کہا ہے مگر این پی ٹی کے دائرہ کار میں ایٹمی قوت تسلیم نہ کرنے کے بارے میں امریکہ کا وہی رویہ ہے جو 30 جون 1998 سے قبل تھا۔





# ایٹمی پھیلاؤ کے حقیقی مجرم

2003ء کی آخری سہ ماہی سے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں مغربی میڈیا کی طرف سے طرح طرح کی کہانیاں پھیلائی جارہی ہیں۔ پاکستان بالخصوص ایٹمی سائنسدان محسن پاکستان ڈاکٹر خان پر ایٹمی پھیلاؤ کا الزام لگایا جارہا ہے کیا حقیقت میں ایسا ہی ہے؟ ماضی پر نظر ڈالیں تو کہنا پڑتا ہے کہ اس معاملے میں امریکہ اور یورپ ہی ذمہ دار ہیں۔ صدر جنرل پرویز مشرف نے یہ بات زور دے کر کہی ہے کہ ''یورپی ممالک بھی ایٹمی ہتھیاروں کے پھیلاؤ میں ملوث ہیں۔'' لیکن میری نظر میں صدر مملکت کو اپنے اس بیان میں لفظ بھی کے بجائے لفظ ہی استعمال کرنا چاہیے تھا اور وہ اس لئے کہ حقیقت میں امریکہ اور یورپی ممالک ہی ایٹمی پھیلاؤ میں ملوث رہے ہیں۔ صدر جنرل پرویز مشرف کے اس بیان کی نہ صرف ضرورت تھی بلکہ اس بیان کو مسلسل دہراتے رہنے کی ضرورت ہے اب وقت ہے کہ ہم اپنے آپ کو تازیانے لگانے کی بجائے ایٹمی ہتھیاروں کے پھیلاؤ کے تناظر میں امریکہ اور یورپی ممالک کی طرف سے بین الاقوامی معاہدات کی مسلسل اور بغیر کسی رکاوٹ کے جاری خلاف ورزیوں پر دنیا کی توجہ مرکوز کرائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کہ نیوکلیائی پھیلاؤ کا آغاز امریکہ اور یورپ نے کیا. اس کے باوجود مغربی حکومتوں نے ابھی تک ایٹمی ہتھیاروں کے پھیلاؤ میں ملوث مافیا اور ان کے دلالوں کے ناموں کی تشہیر کی نہ ہی انھیں سزا دی' اس تناظر میں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ امریکی میڈیا کن کے اشاروں پر اور کن مقاصد کے تحت یہ سب کچھ کر رہا ہے اور یہ دعویٰ کرنے والے کہ ان کے خفیہ اداروں نے سالہا سال کی محنت سے ایٹمی پھیلاؤ کے ذمہ داروں کا سراغ لگایا ہے اپنے دعووں میں کتنے سچے ہیں؟ آیئے دیکھتے ہیں کہ عالمی امن کے ٹھیکیدار اور انسانی حقوق اور تہذیب کے بلند بانگ داعی کتنے سچے اور کتنے صاف ستھرے ہیں۔ اور عالمی امن اور ایٹم کی تباہ کاریوں کے خلاف مہم چلانے والے یہ ممالک ''ایٹمی تعاون'' اور ''ایٹمی کاروبار'' کیسے کرتے رہے ہیں؟

## امریکی میڈیا' حکومت کا ایجنٹ

ممتاز برطانوی صحافی رابرٹ فسک نے جو ''دی انڈی پنڈنٹ'' (Independent سے منسلک ہیں' 12 ستمبر 2002 کو ایک امریکی یونیورسٹی میں 9/11 کی پہلی برسی کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے

موثر انداز میں کہا تھا کہ ''خارجہ پالیسی کے بارے میں پاکستانی پریس' امریکی پریس کے مقابلے میں بہت زیادہ آزاد ہے۔ امریکی میڈیا نے 9/11 کے بعد حالات و واقعات کو جس انداز میں پیش کیا اور جس قسم کے تبصرے اور کالم لکھے گئے ان میں سرکاری موقف اور سرکاری تناظر ہی بیان ہوتا رہا' جبکہ فلسطین میں اسرائیل کی دہشت گردی اس ضمن میں امریکی میڈیا کی اخلاقیات کا اندازہ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کوفی عنان کے دفاتر سے خفیہ آلات کے ذریعہ معلومات حاصل کرنے (Bugging) کے سکینڈل سے کر لیجئے' اسی طرح کا ایک واقعہ پاکستان کے ساتھ بھی ہوا کہ جب لندن میں پاکستانی سفارتخانے کو بگنگ کا شکار بنایا گیا' پاکستان کے حوالے سے دوسرا واقعہ اس کے سائنسدانوں کو ذاتی مفادات کے لئے ایٹمی پھیلاؤ کا ملزم گردانے کا ہے۔ بگنگ اتنا سنگین جرم ہے کہ امریکی صدر رچرڈ نکسن کو محض اسلئے ذلت آمیز انداز میں صدارت سے مستعفی ہونا پڑا تھا کہ انہوں نے 1972 کے انتخابات میں ڈیموکریٹک پارٹی کے ہیڈ کوارٹر کی بگنگ کا حکم دیا تھا' پھر اگست 1979 میں اقوام متحدہ میں امریکی سفیر اینڈریو ینگ کو اسی وجہ سے مستعفی ہونا پڑا حالانکہ اینڈریو خود بگنگ کا شکار ہوئے تھے۔ ہوا یوں تھا کہ اینڈریو ینگ کی پی ایل او کے نمائندوں کے ساتھ ایک خفیہ ملاقات کی اسرائیلی ایجنٹوں نے بگنگ کر لی تھی۔ اور اس کی خبر امریکی میڈیا میں دیدی تھی' حالانکہ اسرائیل کی طرف سے امریکی سرزمین پر امریکی عہدیدار کی اس طرح بگنگ قانون کی صریحاً خلاف ورزی تھی' لیکن امریکی انتظامیہ یا میڈیا نے اسے تفتیش یا جانچ پڑتال کا مسئلہ ہی نہ سمجھا بلکہ 2 مارچ 2002 کو ''دی ابزرور'' لندن نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل اور غیر مستقل ارکان کی ایک خفیہ میٹنگ کی امریکہ کی طرف سے بگنگ کے ایک سالہ پرانے واقعہ کی تفصیلات شائع کیں تب بھی امریکہ کے چوٹی کے اخبارات خاموش رہے' اور کوئی خبر دی نہ ہی کوئی تبصرہ کیا' تاکہ امریکی عوام اپنے حکمرانوں کی کرتوتوں سے باخبر نہ ہونے پائیں۔ انہی دنوں واشنگٹن ٹائمز کے رپورٹر وارن سکاربرو کی جنگ عراق پر "Rumsfeld's War" کے نام سے جو کتاب مارکیٹ میں آئی اس میں امریکی ڈیفنس انٹیلی جنس ایجنسی کی ایک دستاویز بھی شامل ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اسرائیل کے پاس 82 ایٹمی ہتھیار ہیں لیکن نہ تو کسی اخبار نے کوئی سٹوری شائع کی نہ ہی کسی امریکی عہدیدار نے اس پر واویلا کیا۔ اسی طرح 23 اکتوبر 2003 کو ایران نے ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری کے پروگرام سے دستبرداری کا اعلان کیا تو اسی روز سرکاری ذرائع کے حوالے سے ہندوستان ٹائمز میں خبر چھپی کہ بھارت کے معروف سائنسدان ڈاکٹر وائی ایس آر پرشاد جو بھارت کی ایٹمی کارپوریشن کے سربراہ رہ چکے ہیں حکومت کی اجازت کے بغیر (لیکن علم میں) ایران کے ایٹمی پروگرام پر خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ کہ بھارت کی معروف فرم این ای سی انجینئرز کے ہنس راج شیو کو امریکہ میں 21 اکتوبر 2003 کو





اسلئے گرفتار کیا گیا کہ وہ عراق کو دوبارہ مسلح کرنے کے عمل میں صدام حسین کی معاونت اور ضروری سامان فراہم کر رہے تھے۔ لیکن ان خبروں کا نہ تو امریکی انتظامیہ نے کوئی نوٹس لیا اور نہ ہی امریکی میڈیا نے الزام لگایا کہ بھارتی سائنسدان اور ادارے ایٹمی پھیلاؤ میں ملوث ہیں۔ کیوں؟ اسلئے کہ ان کا شکار تو پاکستان اور پاکستانی ایٹمی سائنسدان ہیں۔ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں ان کے عزائم ڈھکے چھپے نہیں۔ ورنہ وہ بھی جانتے ہیں کہ کلاس فیوش برطانوی روزن برگ جوڑا اور رابرٹ ہیمز امریکی سائنسدان تھا جنہوں نے سوویت یونین کو چوری چھپے ایٹمی راز دیئے اور یوں ایٹمی انڈر ورلڈ کا آغاز ہوا تھا۔ اسی طرح روایتی ہتھیاروں کی غیر قانونی تجارت میں بھی مغربی اقوام سرفہرست ہیں۔

اٹھارویں صدی کے وسط میں بیلجیئم سے 19 ویں اور 20 ویں صدی روایتی ہتھیاروں کی اینٹی نیشنل ٹریفک کا آغاز ہوا اور آج بھی یہ عمل اسی طرح جاری ہے۔ امریکہ کے ایک تاجر فرانسس بیر نے عیسائیت کے پرچار کے لیے کرسچن سولجرز کے نظریے کو فروغ دیا اور عیسائی مسلح گروپوں کو ہتھیار فروخت کر کے کروڑوں ڈالر کمائے۔ 1936 میں لیگ آف نیشنز میں ایک قرارداد منظور ہوئی تھی کہ نجی شعبے میں ہتھیار سازی پر پابندی لگائی جائے دنیا کو ہلاکت خیز اسلحہ سے ''نجات دلانے کا عزم رکھنے والا'' امریکہ اور مغربی یورپ کے ممالک آج تک اسلحہ کی صنعت کو قومیانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ امریکہ اور یورپ کے ہوس پرست تاجروں نے ہی ہلاکت خیز ہتھیاروں کو بھی عام کیا ہے۔

عالمی جریدہ ''ہیرالڈ ٹربیون'' ہانگ کانگ نے ایک خصوصی رپورٹ میں لکھا ہے (مئی 2004) کہ ''یورپ میں ایٹمی پھیلاؤ کی جڑیں اس لئے مضبوط ہونا شروع ہوئیں کہ یورپ ایٹمی معاملات میں امریکہ سے آزاد ہونا چاہتا تھا۔'' یورپ میں ایٹمی پھیلاؤ کو سرکاری سرپرستی میں چلنے والی جوہری صنعت کے درمیان مقابلے کی فضا پیدا ہونے سے فروغ ملا بیلجیئم سے تعلق رکھنے والے یورپی پارلیمنٹ کے ایک رکن پال سٹیس (Paul Satais) کا کہنا ہے کہ ''ایٹمی پھیلاؤ ایک اقتصادی مسئلہ ہے۔ اس میں کروڑوں بلکہ اربوں کی یافت ہے۔ 1970 اور 1980 کے عشرے میں جرمنی' برطانوی' سوئس اور فرانسیسی کمپنیاں اور ماہرین افزودہ یورینیم ٹیکنالوجی کی بمعہ آلات و خدمات فروخت کیلئے اپنی خفیہ کیٹلاگز کے ساتھ دنیا بھر میں ممکنہ خریداروں کے تعاقب میں لگے رہتے تھے۔'' دنیا جانتی ہے کہ عراق کے سابق صدر صدام حسین کو ایٹمی ٹیکنالوجی اور آلات فراہم کرنے میں 82 مغربی کمپنیاں اور مغربی سائنسدان ملوث تھے کچھ بھارتی سائنسدان اور کمپنیاں بھی تھیں۔ لیکن اس سکینڈل کے بارے میں زیادہ کچھ سننے میں نہیں آیا کہ سلامتی کونسل کے پانچ مستقل ممبران متعلقہ معلومات کو دبانے کے لئے فوری حرکت میں آ گئے مبادا نام نہاد ذمہ دار ملک جو ایٹمی پھیلاؤ کے اس خفیہ کاروبار میں ملوث ہیں بے نقاب ہو جائیں۔

ایٹمی پھیلاؤ کا آغاز امریکہ سے ہوا‘اس نے یہ ٹیکنالوجی دوسری جنگ عظیم کے اتحادیوں برطانیہ اور فرانس کو بطور تحفہ دی جبکہ امریکہ اور برطانیہ کے ہی کچھ ’’بدمعاش‘‘ سوشلسٹ عناصر کے ذریعہ سوویت روس پھر وہاں سے چین اور بھارت پہنچی۔ اس دوران فرانس اور امریکہ نے اسرائیل کو ایٹمی ٹیکنالوجی سے مالا مال کیا اور اسرائیل اور بھارت نے جنوبی افریقہ اور برازیل کو منتقل کرنے میں فراخدلی دکھائی۔ حقیقت میں امریکہ سے ایٹمی پھیلاؤ کا آغاز روز اول ہی ہو گیا تھا کہ جب اس نے مین ہٹن پروجیکٹ یعنی ایٹم بم کی تیاری میں برطانیہ‘ فرانس‘ اور کینیڈا‘ کے ایٹمی سائنسدانوں کو شامل کیا۔ پھر کمیونزم کی یلغار کو روکنے کے بہانے ’’ایٹم برائے امن‘‘ پروگرام کے تحت اس کی تقسیم عام کر دی۔ چنانچہ دنیا آج تک ایٹمی پھیلاؤ کے گرداب سے نہیں نکل سکی۔ اس کا بڑا سبب امریکہ اور مغربی طاقتوں کا دوہرا معیار ہے کہ دوستوں کی غلطیوں بلکہ جارحانہ شرارتوں اور حرکتوں سے تو صرف نظر کر لیتے ہیں اور مخالفوں کی معمولی سی جسارت بھی برداشت نہیں کر پاتے۔

امریکی جاسوس سیارہ جو دن رات چوبیس گھنٹے گردش میں رہتا ہے اس نے 22 ستمبر 1979 کو بحر ہند کی فضاؤں سے گذرتے ہوئے ایک ایٹمی دھماکہ ریکارڈ کیا مگر امریکہ نے اس کی خبر اسلئے نہ دی کہ یہ دھماکہ اس کے اتحادی بلکہ ’’لے پالک‘‘ اسرائیل نے جنوبی افریقہ کی مدد سے کیا تھا۔ ماضی قریب میں امریکہ نے فرانس کو دھماکہ کئے بغیر ایٹمی ہتھیاروں کی صحت جانچنے کے لئے جو Simulation سافٹ ویر دیا‘ اور حال ہی میں برطانیہ کو بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے جو ہتھیار دیئے ہیں‘ نیز بھارت سے دوہرے استعمال کی ایٹمی خلائی اور میزائل ٹیکنالوجی میں تعاون کا جو معاہدہ کیا ہے یہ سب تباہ کن ہتھیاروں کے پھیلاؤ کی تعریف میں آتا ہے بھارت تو ویسے بھی NPT کا پابند نہیں ہے۔ برطانوی پارلیمنٹ میں ایک رکن ایلن سمپسن کے سوال کا جو جواب دیا گیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امریکہ اور برطانیہ WMD کے وسیع پھیلاؤ کے عمل میں شریک ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ خود امریکہ نے ایٹمی طاقت جرمنی سے اغوا کئے ہوئے سائنسدانوں کی وساطت سے حاصل کی تھی۔ صرف جرمنی نے یہ ٹیکنالوجی خود پیدا کی۔

ملاحظہ فرمایئے۔ عالمی سطح پر ایٹمی ہتھیاروں کا پھیلاؤ کس طرح عمل میں آیا اور اس عمل میں کون کون ملوث ہوا اور کس نے فائدہ اٹھایا

## سوویت روس

روس اور مغربی ممالک جرمنی کے خلاف جنگ عظیم دوم میں اتحادی ہونے کے باوجود ایک





دوسرے پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔ مغرب کو خدشہ تھا کہ کمیونسٹ روس کل کو ان کے مقابل دشمن کی حیثیت سے کھڑا ہوگا اس لئے امریکہ اور روس دونوں ہی ایک دوسرے سے چوری چھپے ایٹمی ہتھیار سازی کی دوڑ میں شامل تھے۔ مگر امریکہ نے اس میں پہل کر دی۔ روس کے اپنے سائنسدان یعقوب زیالدوچ اور یونی خیریتون اس میدان میں خاصے عرصے سے کام کر رہے تھے‘ لیکن جنگ عظیم دوم کے بعد جب یہ محسوس ہوا کہ ایٹمی دھماکہ کرنے کے لئے ابھی خاصا سفر کرنا ہوگا تو روس نے امریکی لیبارٹریز میں کام کرنے والے کلاس فیوش اور روزنبرگ جوڑے جیسے ’’ایٹمی جاسوسوں‘‘ سے ایٹم بم کا مکمل ڈیزائن حاصل کیا اور 29 اگست 1949 کو ایٹمی دھماکہ کر کے دنیا کی دوسری ایٹمی قوت بن گیا۔

## برطانیہ

برطانیہ کے ایٹمی پروگرام کو امریکہ کے ایٹمی پروگرام کا مثنّیٰ یا تتمّہ کہا جا سکتا ہے کہ برطانیہ کو براہ راست امریکی مین ہٹن پروجیکٹ سے مدد ملی‘ جب 1943 کے کیوبک معاہدہ کے تحت جیوفری آئی ٹیلر اور ولیم پینی جیسے صف اول کے برطانوی سائنسدانوں کو تربیت اور کام کے لئے الموس بھیجا گیا ان امریکی تربیت یافتہ سائنسدانوں نے برطانیہ کو ایٹمی قوت بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ کینیڈا نے کیوبک معاہدہ کے تحت برطانیہ کو ایٹمی دھماکوں کیلئے درکار پلوٹونیم مہیا کیا۔ چنانچہ 15 ستمبر 1952 کو ایٹمی دھماکہ کر کے برطانیہ ایٹمی قوت بن گیا۔ برطانیہ نے ایٹمی دھماکے کے پروجیکٹ کو ’’ہری کین‘‘ کا نام دیا۔

## فرانس

برطانیہ کی طرح ڈاکٹر برٹرنیڈ گولڈشمٹ جیسے سینئر فرانسیسی سائنسدانوں نے بھی برطانوی اور کینیڈین سائنسدانوں کی ٹیم کے ساتھ مین ہٹن پروجیکٹ پر کام کیا تھا لیکن امریکہ اور برطانیہ کو خدشہ تھا کہ جنگ کے بعد فرانس نیوکلیئر انرجی کے حوالے سے ان کا مدمقابل بن سکتا ہے ادھر فرانس نے خود اپنے منصوبے بنائے اور گولڈشمٹ نے جنگ عظیم دوم کے بعد ہتھیار سازی کے میدان میں پیش رفت جاری رکھی‘ فرانس کے لیے یورینیم کا حصول کوئی مسئلہ نہ تھا کیونکہ اسکی افریقی نوآبادیوں میں یورینیم کی کانیں تھیں۔ چنانچہ فرانس نے پہلا ایٹمی تجربہ 13 فروری 1960 کو الجزائر کے علاقہ رگین صحارا میں کیا اور یوں چوتھی ایٹمی قوت بن گیا۔

## چین

چین نے سوویت یونین سے خوب فائدہ اٹھایا۔ چین اور روس کے درمیان 1951 میں ایک

خفیہ معاہدہ طے پایا جس کے تحت روس نے چین سے خام یورینیم حاصل کیا اور چین کو بڑے پیمانے پر ایٹمی ٹیکنالوجی اور آلات مہیا کیے۔ 1957 میں دونوں ملکوں نے ''ٹیکنالوجی برائے قومی دفاع'' کے معاہدے پر دستخط کئے۔ سوویت یونین نے چین کو یورینیم کی افزودگی کے لئے ایک بڑے گیس فیوژن پلانٹ کی تنصیب میں بھی مدد دی اور دیگر آلات بھی فراہم کئے۔ آخر چین 16 اکتوبر 1964 کو لوپ نور کے علاقہ میں ایٹمی دھماکہ کرکے ایٹمی قوت بن گیا۔

## بھارت

بھارت کا ایٹمی پروگرام امریکہ کے ''ایٹم برائے امن'' کے تحت ایٹمی پھیلاؤ کی ایک ابتدائی مثال ہے۔ 1950 اور 1960 کے عشرے میں امریکہ اور کینیڈا نے بھارت کو ایٹمی ہتھیاروں کی ٹیکنالوجی کی بنیاد رکھنے میں مدد دی۔ 1956 میں کینیڈا نے 40 میگاواٹ کا ایک ری ایکٹر لگایا امریکہ نے اس کے لئے ہیوی واٹر مہیا کیا اور یہی ری ایکٹر 1974 کے ''پرامن ایٹمی دھماکہ'' (Smiling Buddah) کے لئے پلوٹونیم کی فراہمی کا سبب بنا۔ 1963 میں بھارت نے جنرل الیکٹرک سے تاراپور کے ایٹمی بجلی گھر کے لئے 210 میگاواٹ کے دو بوائلنگ واٹر ری ایکٹر حاصل کئے .1962 میں ہیوی واٹر کے پروڈکشن کا پہلا پلانٹ مغربی جرمنی سے اور اس کے بعد مزید سات ہیوی واٹر پلانٹ فرانس اور سوئٹزر لینڈ کی مدد سے لگائے ادھر امریکہ بھارت کے ایٹمی ہتھیاروں کے پھیلاؤ کے پروگرام سے مسلسل صرف نظر کرتا رہا۔ بلکہ 1964 میں امریکہ کے نائب وزیردفاع برائے عالمی سلامتی جان میکناٹن نے حکومت بھارت کو تجویز دی کہ بھارتی افواج کو ایٹمی ہتھیاروں سے لیس کرنے اور ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کی تربیت کا پروگرام شروع کیا جائے، نیز ایٹمی ہتھیاروں کا سٹاک رکھنے اور بوقت ضرورت پورے بھارت میں منتقل کرنے کے طریق کار کی تربیت کا پروگرام بھی بنایا گیا۔ 1980 کے عشرے میں بھارت نے خفیہ طور پر روس سے یورینیم انرچمنٹ کی ٹیکنالوجی اور آلات حاصل کرکے ٹرامبے اور میسور میں یورینیم کی افزودگی کے پلانٹ لگائے۔ اسی عشرے میں سابق نازی اور جرمن ایکسپورٹر الفریڈ ہمپل (Alfred Hampel) نے بھارت کو دوبئی کے راستے کئی ٹن ہیوی واٹر مہیا کیا۔ اس خفیہ ترسیل ہی کی بدولت بھارت دھروا کے ری ایکٹر کو چلانے اور اس سے ہتھیار سازی کے لئے پلوٹونیم حاصل کرنے کے قابل ہوسکا جبکہ چین، ناروے اور روس سے بھی ہیوی واٹر سپلائی ہوتا رہا۔ 1996 میں نیوکلیئر سپلائرز گروپ کی پابندیوں کو توڑتے ہوئے روس اور بھارت کے درمیان ایک کھلے عام معاہدہ ہوا جس کے تحت روس تامل ناڈو میں کنڈان کالم کے مقام پر دو ہلکے پانی کے ری





ایکٹر تعمیر کرے گا بڑی طاقتوں کی طرف سے بھارت کی ''جسارتوں'' کی سرپرستی کا نتیجہ 1974 کے پلوٹونیم سے ایٹمی دھماکے اور پھر مئی 1998 کے پانچ ایٹمی دھماکوں کی صورت میں نکلا اور آج بھارت خود کو ذمہ دار ''ایٹمی طاقت'' قرار دیتے ہوئے امریکہ سے سٹرٹیجک تعاون کے لئے معاہدہ کررہا ہے جس کا اعلان جنوری 2004 میں ہوا اور اس کے تحت دونوں ممالک خلائی، ایٹمی ہائی ٹیک اور بین البراعظمی فوجی میزائلوں کے میدان میں ایک دوسرے سے تعاون کریں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ بھارت نے ایٹمی ہتھیار سازی کا پروگرام منافقت اور دھوکہ سے آگے بڑھایا ہے اور 1974 کے دھماکے کے بعد ایٹمی ہتھیار سازی کے میدان مین تیزی سے پیش رفت کی ہے امریکہ نے دنیا کو دکھانے کے لئے 1974 کے دھماکے کے بعد بھارت کو افزودہ یورینیم کی سپلائی معطل کردی تھی، لیکن امریکی حکومت کی جو دستاویزات سامنے آئی ہیں ان کے مطابق امریکہ نے 1974 تا 1980 چھ برسوں کے دوران بھارت کو 15 ٹن فی سال کے حساب سے 90 ٹن افزودہ یورینیم دیا۔ 1980 میں امریکہ نے اس مقصد کے لئے فرانس کو آگے کردیا۔ جو تیرہ سال یعنی 1993 تک مسلسل افزودہ یورینیم دیتا رہا۔ فرانس کا بھارت سے ایٹمی تعاون 1951 سے جاری ہے فرانس نے بھارتی سائنسدانوں کو استعمال شدہ ایٹمی فیول سے پلوٹونیم حاصل کرنے کی عملی ٹریننگ دی، اور بھارتی انجینئروں کو اتنا مشاق کردیا کہ فرانسیسی ایٹمی ادارہ کے سربراہ کے مطابق ہندوستان 1968 میں ہی ایٹمی دھماکہ کرسکتا تھا۔

1980 میں مسز اندرا گاندھی دوبارہ وزیراعظم بنی تو اس نے بم ڈیزائن کو بہتر بنانے اور ایٹمی آلات کی فیبریکیشن (Fabrication) کے کام کو آگے بڑھانے کی ہدایت جاری کی۔ پانچ ایٹمی تنصیبات جو بین الاقوامی ایٹمی ادارے کی نگرانی اور ہر قسم کی بیرونی پابندیوں سے آزاد ہیں، ہتھیار سازی کے لئے درکار پلوٹونیم کی تیاری میں مصروف رہیں ان میں مدراس 1 اور مدراس 2 سالانہ بارہ بموں کے لئے پلوٹونیم تیار کرسکتی ہیں۔ جبکہ دو ریسرچ ری ایکٹر سائرس اور دھروا بمبئی کے بھابھا اٹامک ریسرچ سنٹر میں لگائے گئے ہیں اور سالانہ سات ایٹم بموں کے لئے درکار پلوٹونیم تیار کرسکتے ہیں۔ ایک پلوٹونیم ایکسٹریکشن پلانٹ تاراپور میں کام کررہا ہے۔ اس دوران میں نرورا میں 235 میگاواٹ کا ایک نیا ری ایکٹر لگایا جو بین الاقوامی تحفظات اور پابندیوں سے آزاد ہے اور سالانہ 60 کلوگرام پلوٹونیم تیار کرسکتا ہے۔ گویا بھارت کی عالمی تحفظات سے آزاد ایٹمی تنصیبات سالانہ 40 بموں کی تیاری کے لئے درکار پلوٹونیم تیار کرسکتی ہیں۔ اس کے باوجود آج تک عالمی امن کے کسی ٹھیکیدار، اور مغربی میڈیا نے بھارت کی سرزنش نہیں کی حالانکہ 1987 سے 1990 تک بھارتی ایٹمی کمیشن کے چیئرمین ایم آر سری

نو اس نے بار بار اعلان کیا کہ نئی صدی کے لئے بھارت کا منصوبہ یہ ہے کہ وہ عالمی ادارے کی پابندیوں سے آزاد ٹنوں ایٹمی مواد تیار کرنے لگے جسے ترقی یافتہ بریڈر ریکٹروں میں ایندھن کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ سرد جنگ کے دوران بھارت' سوویت بلاک میں ہونے کے باوجود ایٹمی ری ایکٹروں کے فاضل پرزہ جات ایندھن' ہیوی واٹر اور دیگر متعلقہ ضروریات امریکہ ہی سے پوری کرتا رہا۔ عبدالکلام اور کئی دوسرے سائنسدانوں نے ایٹمی ہتھیاروں اور میزائلوں کی تربیت امریکہ سے ہی حاصل کی۔ پرتھوی اور اگنی میزائلوں اور ہائیڈروجن بم کی ٹیکنالوجی امریکہ سے لی امریکہ میں تیار کئے جانے والے ہائیڈروجن بم کے اجزاء امریکی حکام نے سیل بند پیکٹوں میں جرمنی کے راستے بھارت پہنچائے پھر امریکہ نے بھارت کو ایٹم بم کے لئے درکار سپر کمپیوٹر فراہم کیا تو بھارت نے اس کمپیوٹر کی نقول تیار کر کے دوسرے ممالک کو بھی دیں' مگر امریکہ خاموش رہا۔

ایک طرف تو بھارت پاکستان کو ایٹمی دوڑ میں مصروف ہونے کا الزام دیتا ہے' دوسری طرف عالمی بلیک مارکیٹ اور سمگلروں کے ذریعہ اپنے ایٹمی پروگرام کو فروغ اور پھیلاؤ دے رہا ہے اور اس کی کئی شہادتیں موجود ہیں مثلاً بھارت نے 1983 سے 1989 کے درمیان قائم ہونے والے مدراس 1 اور مدراس 2 اور دھررا ایٹمی پلانٹوں کو چلانے کے لئے درکار ہیوی واٹر بلیک مارکیٹ سے مہیا کرنے کا انتظام کیا۔ 1988 میں ناروے نے انکشاف کیا کہ 1983 میں ناروے کا تیار کردہ 15 ٹن ہیوی واٹر غیر قانونی طور پر بھارت بھیجا گیا اسی طرح 1988 میں ناروے سے رومانیہ کے لئے خرید کردہ 12.50 ٹن ہیوی واٹر بھارت کو بھجوایا گیا۔ 1988 اور 1989 میں مغربی جرمنی کے تفتیش کاروں نے سراغ لگایا کہ بھارت کے بین الاقوامی پابندیوں سے آزاد ایٹمی پلانٹس کا انحصار سمگل شدہ آلات اور مواد پر ہے۔ اور ایک جرمن نژاد الفریڈ ہمپل کو ہیوی واٹر کے علاوہ سینکڑوں ٹن دوسرا ایٹمی مواد بھارت کو سپلائی کر چکا ہے۔ ناروے اور سوویت روس سے ہیوی واٹر سمگل کرنے کے لئے ایک مصنوعی گروہ تشکیل دیا گیا تھا۔ جو یہ تاثر دیتا تھا کہ ہیوی واٹر مغربی جرمنی یا کسی دوسرے یورپی ملک کو سپلائی کرنے کے لئے درکار ہے اسلئے ہیوی واٹر کی کھیپ پہلے باسل یا زیورخ کے لئے بک کرائی جاتی وہاں سے شارجہ یا دبئی پہنچتی پھر بمبئی کا رخ کر لیتی۔ سوویت روس سے سالہا سال تک جو ہیوی واٹر غیر قانونی طور پر بھارت پہنچتا رہا [illegible] حکام کی [illegible] شامل [illegible] ثابت ہو چکا ہے کہ 1984 میں بھارت [illegible]



بھارت کے ایٹمی پھیلاؤ کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ اس نے عراق' لیبیا اور ایران کے ایٹمی پروگراموں میں خفیہ طور پر مدد دی اور بھارت کی تجارتی انجینئرنگ فرم این ای سی نے صدام حسین کی کلورین پر مبنی کیمیائی ہتھیاروں اور دور مار میزائلوں کی تیاری میں خفیہ طور پر مدد کی۔ این ای سی انجینئرنگ پرائیویٹ لمیٹڈ دہلی نے تین ملکوں سے جعلی کمپنیوں کے نام اور جعلی دستاویزات پر ممنوعہ مواد کی دس کھیپ بھجوائیں۔ اس کے علاوہ ایک فرم پروٹیک کنسلٹنٹ پرائیوٹ لمیٹڈ نے بھی کیمیاوی اور حیاتیاتی ہتھیاروں کے لئے ضروری مواد فراہم کیا۔ اس معاملے میں بھارتی حکومت بھی ملوث رہی ہے۔ جس نے تمام پابندیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے این ای سی کو اس کا موقع فراہم کیا۔ اور ستمبر 1998 سے فروری 2001 تک نوے لاکھ ڈالر کی مالیت کا ایٹمی مواد عراق بھجوایا گیا۔ یہ بات بھی سامنے آ چکی ہے کہ بھارتی سائنسدان ایران کے ایٹمی پروگرام سے وابستہ رہے ہیں۔ بھارت کے اہم اداروں' ایٹمی توانائی کمیشن بھارت ڈائنامیک لمیٹڈ' ڈیفنس ریسرچ ڈویلپمنٹ لیبارٹریز' ڈیفنس ریسرچ ڈویلپمنٹ آرگنائزیشن اور انڈیا سپیس آرگنائزیشن کے ایران سے تعلقات ڈھکے چھپے نہیں۔ تقریباً 150 بھارتی سائنسدان اور ٹیکنیشن ایرانی ایٹمی یا کیمیائی تنصیبات پر کام کر رہے ہیں۔ ایران کی ایٹمی تنصیب کلایا الیکٹرونکس نے بھارت سے ایٹمی سامان خریدا' نیز بھارتی حکومت گرین لیزر ٹیکنالوجی کو پروان چڑھانے میں بھی ایران سے تعاون کر رہی ہے۔ بھارت اور ایران کے درمیان مفاہمت کی ایک یادداشت پر بھی دستخط ہوئے اس کے تحت بھارت ایران کو 26.5 ملین ڈالر کا ایٹمی مواد فراہم کرے گا۔ گذشتہ چار پانچ سال کے دوران دونوں ملکوں میں جو سودے ہوئے ہیں ان میں ایٹمی پروگرام کے لئے بعض حساس آلات اور مواد فراہم کرنے کے معاہدے شامل ہیں۔ عراق و ایران کی طرح بھارت نے لیبیا کو بھی بیلسٹک میزائل پروگرام میں مدد دی' شمالی کوریا کو بھجوائے جانے والے ایک ہزار ٹن المونیم آکسائیڈ سے لدا ہوا جہاز تائیوان کے کسٹم حکام نے 7 اگست 2003 کو پکڑا۔ یہ دھات بیلسٹک میزائل بنانے میں کام آتی ہے۔ بھارت کے ایٹمی پھیلاؤ میں ملوث ہونے کی ایک جہت اس کی ایٹمی تنصیبات میں مبینہ ''چوری کی وارداتیں'' ہیں۔ بین الاقوامی میڈیا رپورٹوں (25 فروری 2004) کے مطابق بھارت نے ایٹمی توانائی کے عالمی ادارے IAEA کو تابکاری مواد کی ''چوری'' اور ''گمشدگی'' کے 25 کیس رپورٹ کئے ہیں۔ تا کہ خود کو ''ذمہ دار ریاست'' ثابت کر سکے حالانکہ ایٹمی تجربہ گاہوں سے تابکاری مواد کی چوری یا گمشدگی حکومت کی مرضی کے بغیر ممکن [illegible] میں ایک بھارتی شہری [illegible] شمالی کوریا کی [illegible] تنصیبات [illegible]

اور''ڈرٹی بم'' کی تیاری کے امکانات پر غور کرنے میں مہمیز دی ہے ہنری سمسن سنٹر واشنگٹن کی حالیہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ بھارت میں تابکاری کے دس ہزار کے قریب ذرائع استعمال میں لائے جارہے ہیں۔ان میں سے چارسو انتہائی خستہ حالت میں ہیں جبکہ گمشدہ ایٹمی مواد اور آلات کسی بڑے ایٹمی حادثے کا باعث بن سکتے ہیں اور ڈرٹی بم سے شہروں پر حملہ کر کے دہشت گردانہ تباہی پھیلائی جاسکتی ہے۔

ادھر امریکی صدر بش نے بھی بھارت کے ساتھ ایٹمی میزائل اور خلائی ٹیکنالوجی میں تعاون کرنے کا اعلان کیا ہے جو بقول ان کے پرائیویٹ سیکٹر میں کمپنیوں کے ذریعہ کیا جائے گا۔امریکہ میں ایٹمی ٹیکنالوجی سمیت میزائل اور اسلحہ ساز کمپنیاں پرائیویٹ سیکٹر میں ہیں جن میں سے زیادہ تر اسرائیلی صیہونیوں کے ہاتھوں میں ہیں' جدید ٹیکنالوجی کی حامل اسی فیصد کمپنیاں جو ایٹم بم بناتی اور میزائل تیار کرتی ہیں امریکہ اور اسرائیل کی مشترکہ ملکیت ہیں' امریکی ٹیکنالوجی حکومت کی منشا کے خلاف بھی اسرائیل پہنچ جاتی ہے کیونکہ ان کمپنیوں کے یہودی ٹیکنیشن اور سربراہ امریکی حکومت کے احکامات کی کم ہی پرواہ کرتے ہیں۔

## اسرائیل

کئی مغربی رپورٹوں میں کہا جاتا ہے کہ اسرائیل نے اپنا ایٹمی پروگرام چوری چھپے مکمل کیا تھا' مگر یہ خلاف حقیقت ہے کیونکہ اسرائیل کو ہمیشہ امریکہ کی تکنیکی مدد اور حمایت حاصل رہی ہے۔ایک امریکی رپورٹ کے مطابق اسرائیل کے پاس ایٹمی مواد کا جو سٹاک ہے وہ مختلف نوعیت کے سینکڑوں ہتھیاروں کے لئے کافی ہے جن میں بوسٹڈ فشن' اور تباہ کاری پھیلانے والے ہتھیار' نیوٹران بم اور ایٹمی آرٹیلری میٹل تک موجود ہیں' حملوں سے بچنے کے لیے اسرائیل نے ایسے ایٹمی سسٹم ڈیزائن کئے ہیں' جنہیں فوری نصب کیا جاسکتا ہے اس عمل کو Bomb in Basement کہا جاتا ہے۔اسرائیل کا ایٹمی پروگرام 1956 میں شروع ہو چکا تھا۔

امریکی سائنسدانوں کی فیڈریشن کے مطابق 1973 کی جنگ میں اسرائیل نے ایٹمی ہتھیاروں سے لیس 175 ملی میٹر توپوں کی تین بیٹریاں بنائی تھیں اور ان بیٹریوں کو 108 ایٹمی ہتھیار دیئے گئے تھے۔اس وقت اسرائیل نیوکلر الرٹ پر تھا جس کا سراغ امریکہ اور سوویت یونین دونوں نے لگالیا اور اپنا اثر ورسوخ اختیار کر کے اسے ایٹمی ہتھیار استعمال کرنے سے روکا' غور کیجئے کہ یہ ایٹمی ہتھیار کہاں سے آئے تھے؟ جبکہ اسرائیل نے اپنا پہلا دھماکہ 1979ء میں کیا تھا' امریکی دستاویزات کے مطابق 1955 میں اسرائیل کے ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین پروفیسر ارنسٹ برگ مین نے ایک خفیہ





رپورٹ لکھی اس میں ایٹمی پلانٹ کے لئے گراؤنڈ ورک کی تیاری پر زور دیا گیا تھا۔1956 میں نہر سویز پر حملے میں اسرائیل کی طرف سے حمایت کے بدلے فرانس نے اسرائیل کو 24 میگاواٹ ری ایکٹر دینے کا معاہدہ کیا اس معاہدہ میں کولنگ سسٹمز اور ویسٹ (waste) کی جو سہولتیں مہیا کرنے کا وعدہ ہے وہ 24 میگاواٹ ری ایکٹر کے لئے درکار سہولتوں سے تین گنا زیادہ تھیں اور یہ معاہدہ ایٹمی توانائی کے عالمی ادارہ کی ضمانت سے مشروط نہ تھا معاہدہ کے مطابق فرانس کی طرف سے اسرائیل کو کیمیکل ری پروسیسنگ پلانٹ بھی فراہم کیا گیا امریکہ سے یورینیم اور بھاری پانی کی فراہمی کی درخواست کی گئی فرانس نے اسرائیل کے ری ایکٹر کے لئے ناروے سے بھاری پانی خریدا اور یوں ناروے نے بھاری پانی کسی تیسرے ملک کو فراہم نہ کرنے کی یقین دہانی توڑ ڈالی فرانسیسی فضائیہ کا طیارہ خفیہ طور پر چارٹن بھاری پانی اسرائیل لیکر گیا۔اس سمجھوتے سے قبل کسی ملک نے ایٹمی صلاحیت پیدا کرنے کیلئے ایٹمی ریکٹر کسی دوسرے ملک کو نہ دیا تھا۔تین سال تک اسرائیل کا یہ پلانٹ خفیہ انداز میں کام کرتا رہا۔

1960ء میں امریکی رپورٹ یہ تھی کہ اسرائیل نے ایٹمی پروگرام کے ترقیاتی کاموں کو مکمل کرلیا ہے اور وہ ایٹم بم اسمبل کرنے سے زیادہ دور نہیں۔اسرائیل نے امریکیوں کو بتایا تھا کہ وہ ایک چھوٹا پاور ری ایکٹر بنا رہا ہے حالانکہ یہ ملک فرانس کی مدد سے دس گنا بڑا ایٹمی پلانٹ بنا رہا تھا اور اسے توانائی کے مقاصد کی بجائے پلوٹونیم کے حصول کے لئے استعمال کیا جانا تھا۔1960 میں اگرچہ فرانس اور اسرائیل میں اختلاف ہو گیا اور فرانس نے ری ایکٹر کے پرزہ جات کی فراہمی بند کردی' اس کے باوجود کرنل مانس پراٹ کی نگرانی میں ڈیمونا کے مقام پر ایٹمی ری ایکٹر اور پرسیسنگ پلانٹ کی تعمیر کا کام تیزی سے جاری رہا اور 1964 میں اس نیوکلیئر کمپلکس نے کام شروع کردیا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ فرانسیسی صدر ڈیگال نے اسرائیل کو ایٹمی ٹیکنالوجی دینے اور شمعون پیرے کی تیار کردہ تکنیکی پائپ لائن بند کرنے کا حکم دیا تھا' مگر فرانس کے وزیر توانائی جیکوئیس سوسٹل نے منتقلی کا عمل جاری رکھا' اسے نہ تو عالمی امن کے ٹھیکیداروں نے برا بھلا کہا اور نہ ہی حکومت فرانس نے کوئی سزا دی۔جبکہ فرانس کے محکمہ رسد کے سابق ہائی کمشنر نے برملا کہا تھا کہ فرانس نے کسی معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کی کیونکہ ہمارا کوئی ایسا معاہدہ موجود نہیں جس میں کہا گیا ہو کہ ایٹمی پروگرام میں کسی دوسرے ملک کی مدد نہیں کی جاسکتی۔گویا بڑی طاقتوں کی طرف سے مختلف ممالک کے ساتھ روابط کے لئے مختلف معیار بنائے جاتے ہیں اور علیحدہ منطق اختیار کی جاتی ہے۔اس پلانٹ کی تیاری پر 200 ملین ڈالر خرچ ہوئے اس رقم کا ایک بڑا حصہ امریکی امداد یا امریکہ سے عطیات کی صورت میں وصول ہوا۔یہ بات حیرت انگیز ہے کہ امریکہ میں یہودی تنظیموں کو تو اسرائیل کے ایٹم بم بنانے کی خبر تھی وہ اس کے لئے

عطیات بھی متواتر جمع کر رہی تھیں لیکن امریکی حکومت کو علم نہ تھا۔

امریکی تاریخ میں جان ایف کینیڈی واحد صدر ہیں جنہوں نے اسرائیل کے ایٹمی پروگرام کو روکنے کی کوشش کی، مگر وہ زیادہ کامیاب نہ ہو سکے اور انہیں رام کرنے کے لئے کئی حربے استعمال کئے گئے ان میں ایک یہ تھا کہ اسرائیل نے بڑے زور شور سے پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ جرمن سائنسدانوں کی مدد سے ''عرب راکٹ'' تیار ہو رہا ہے بہرحال فرانس کے پہلو بہ پہلو امریکہ نے بھی اسرائیل کی مدد جاری رکھی۔ سر ٹموتھی گارڈن کے مطابق اسرائیل نے 1954 میں امریکہ سے ایٹمی تعاون کا معاہدہ کیا تھا اس کے تحت دس سال میں اسرائیل کے پچاس سے زائد ایٹمی سائنسدانوں نے امریکہ کے بڑے بڑے سائنسی اداروں میں خصوصی تربیت حاصل کی۔ 1955 میں امریکہ نے اسرائیل کو ایک چھوٹا ساری ایکٹر فراہم کیا جس نے 1960 میں کام شروع کیا جبکہ اسرائیل چالیس گرام یورینیم بھی حاصل کر چکا تھا اور 1966 تک سالانہ دس کلوگرام یورینیم امریکہ سے فراہم ہوتی رہی۔

امریکہ 1958 ہی سے اسرائیل کی ایٹمی تیاریوں سے باخبر تھا، کیونکہ امریکی جاسوس طیاروں نے ڈیمونا کمپلکس کی تصاویر اتاری تھیں لیکن اس نے اسرائیل کو روکنے کے لئے کچھ نہ کیا 1961 تا 1973 امریکی سفیر متعینہ تل ابیب وال ورتھ باربر نے ایک موقع پر کہا تھا کہ ''صدر امریکہ نے کئی سال تک مجھے اسرائیل نہیں جانے دیا کہ میرے وہاں ہونے سے کوئی مسئلہ پیدا ہو جائے اور صدر اسرائیل کے حوالے سے کوئی بری خبر سننے کے لئے تیار نہ تھے حتیٰ کہ 1967 کی جنگ کے بعد ڈیمونا کے گردونواح سے امریکی اتاشی کو خفیہ معلومات فراہم کرنے سے بھی روک دیا گیا۔'' 1966 میں امریکی سفارتخانہ نے واشنگٹن یہ پیغام بھیجا کہ اسرائیل میزائلوں پر ایٹمی ہتھیار لگا رہا ہے لیکن یہ پیغام بھی فضا ہی میں تحلیل ہو کر رہ گیا 1960 کے عشرے کے آخری سالوں میں امریکہ کے ایٹمی توانائی کے کمیشن نے ڈیمونا پلانٹ کا معائنہ کرنا چاہا تو اس میں رکاوٹ ڈالی گئی۔ اس بارے میں امریکی وزارت خارجہ اور ایٹمی توانائی کمیشن کے عہدیداروں کے درمیان جو بحث مباحثہ ہوا تھا، اکتوبر 1969 کی ایک دستاویز کے مطابق امریکہ کو اس سے کوئی غرض نہ تھی کہ اسرائیل نے ایٹمی صلاحیت کس طرح حاصل کی اور نہ ہی اسے پلانٹ کے معائنے سے کوئی دلچسپی تھی گویا اسرائیل کو کھلی چھٹی دی گئی یہ تو محض دنیا کو دکھانے کیلئے ڈرامہ تھا۔

ایک رپورٹ کے مطابق 1967 میں اسرائیل نے اپنے ایٹمی سائنسدانوں کو ہدایات جاری کی تھیں کہ ہر سال چار سے پانچ ایٹمی ہتھیار [illegible]

[illegible] کلو پلوٹونیم [illegible]



امریکی سائنسدانوں کی فیڈریشن کے مطابق اسرائیل ہر سال 20 کلوگرام پلوٹونیم تیار کر رہا ہے، بی بی سی کی ایک رپورٹ ''اسرائیل اینڈ دی بم'' میں بتایا گیا ہے کہ اسرائیل کا ایٹمی پروگرام امریکہ اور اسرائیل کی باہمی ملی بھگت کا نتیجہ ہے۔ اسرائیل سے صرف یہ کہا گیا ہے کہ وہ پروگرام کو لو پروفائل (Low Profile) میں رکھے یعنی دھماکہ نہ کرے۔ عالمی امن کے ٹھیکیداروں کو امریکہ اور فرانس کی طرف سے سرکاری سطح پر ایٹمی پھیلاؤ کے میدان میں اسرائیل سے تعاون کیوں نظر نہیں آتا؟ دنیا کو پاکستان سے نہیں اسرائیل کے ایٹمی پروگرام سے خطرہ ہے۔ جس نے اپنے ایٹمی ہتھیاروں کو میزائلوں پر نصب کر رکھا ہے اور مشرق وسطیٰ کے کئی اہم شہر ان کے نشانے پر ہیں۔

اسرائیل نے 1967 سے جنوبی افریقہ میں نسلی امتیاز کے خاتمے تک جنوبی افریقہ کی گوری چمڑی والی حکومت سے تقریباً 550 کلو یورینیم حاصل کیا۔ اور 1979 میں جنوبی افریقہ اور اسرائیل نے بحر ہند میں مشترکہ طور پر ایٹمی ہتھیاروں کے تجربات کئے۔ اسرائیلی اخبارات کی رپورٹوں کے مطابق دونوں نے ایک دوسرے کی ایٹمی تنصیبات کی تشکیل میں مدد کی۔ اسرائیل کے پاس ایٹمی ہتھیار ہونے کی پہلی تصدیق خود ایک اسرائیلی ٹیکنیشن ڈي چائی وانو نو (Vanunu) نے 1986 میں برطانوی اخبار ''سنڈے ٹائمز'' سے ایک انٹرویو میں کی تھی اور تصاویر دیں تک ڈیمونا مچین 2 پلانٹ پر خدمات انجام دیتا رہا تھا۔ وانو نو کو اس انٹرویو کے بعد اغوا کر کے اسرائیل لیجایا گیا۔ جہاں وہ کئی سال کی قید کاٹ کر حال ہی میں رہا ہوا ہے۔ اسرائیل 1971 میں تقریباً 90 کلوگرام افزودہ یورینیم پنسلوانیا امریکہ کی ایک ایٹمی تنصیب سے چرایا تھا۔ اس سب کچھ کے باوجود اسرائیل سے صرف نظر کئے رہا ہے بلکہ اس کی مسلسل حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔ اکتوبر 1998 میں امریکہ نے اسرائیل کی ڈٹرنیٹ صلاحیت میں اضافہ کا معاہدہ کیا ہے فروری 2000 (بی بی سی نیوز 22 فروری 2002) میں دونوں ملکوں کے درمیان ایٹمی اور توانائی کے دوسرے شعبوں میں تعاون کا معاہدہ ہوا اور یوں اسرائیلی سائنسدانوں کو ایک مرتبہ پھر امریکی ایٹمی مراکز تک رسائی حاصل ہوگئی۔ اور اکتوبر 2003 میں امریکہ اور اسرائیل کا مشترکہ اعتراف سامنے آ گیا ہارپون ایٹمی ہتھیاروں سے لیس امریکی کروز میزائل جو ایٹمی ہتھیاروں سے لیس ہیں اسرائیل کے ڈولفن کلاس آبدوزوں پر نصب کر دیئے گئے ہیں۔ یوں بھی اسرائیل امریکہ اور مغربی اتحادیوں کی مدد سے پندرہ سو کلومیٹر تک ایٹمی ہتھیار لے جانے والے میزائلوں سے مسلح ہو چکا ہے اور کئی دوسرے دور مار میزائل تیار کر رہا ہے۔ علاوہ ازیں 200 ایسے طیارے حاصل کر چکا ہے جو ایٹمی ہتھیاروں سے لیس [illegible]

[illegible]

## اسرائیل بھارت تعاون

بھارت اور اسرائیل میں ایٹمی اور میزائل کے میدان میں تعاون کی تاریخ بھی خاصی پرانی ہے اس کی تازہ ترین مثال میزائل سازی کے میدان میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا معاہدہ ہے زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائل ترشول کے حالیہ تجربے اسرائیل کی مدد سے کئے گئے ہیں اس کے گائیڈنس سسٹم میں جو خرابیاں تھیں وہ اسرائیلی ماہرین نے دور کی ہیں۔ مزید برآں اسرائیل کے تعاون سے بھارت 3500 میل تک مار کرنے والے بین البراعظمی میزائل اگنی-3 کے تجربے کی بھی تیاری کر رہا ہے اسرائیل کو بھی ایٹمی میدان میں بھارت سے بھی مسلسل تعاون ملا ہے اور 1960 ہی سے دونوں ملکوں کے سائنسدان ایک دوسرے کے ملک کا خفیہ دورے کرتے رہے ہیں۔ پینٹا گان کے مطابق بھارت نے مئی 1998 میں جو ایٹمی دھماکے کئے ہیں ان میں سے کم از کم دو دھماکے اسرائیلی ہتھیاروں کے تھے۔ مغربی ذرائع اور پینٹا گان کے مطابق ان دھماکوں کے لئے ضروری ایٹمی آلات اور مواد دھماکوں سے دو ہفتے قبل اسرائیل کے سی 130 طیاروں میں بھارت پہنچایا گیا تھا۔ پوکھراں میں ان ایٹمی دھماکوں کے بدلے اسرائیل اپنی ایٹمی معلومات بھارت کو فراہم کر رہا ہے اور آئندہ اس میدان میں دونوں ملکوں کے درمیان تعاون میں مزید اضافہ ہوگا۔ ان دھماکوں سے تین ماہ قبل بھارت کے میزائل پروگرام کے خالق اور موجودہ صدر عبدالکلام نے دو مرتبہ اسرائیل کا دورہ کیا تھا۔ جبکہ اسی اثنا میں کئی اسرائیلی فنی ماہرین نے بھارت کا دورہ کیا۔ اگست 2003 میں اسرائیل کی اٹامک ایجنسی کے ڈائریکٹر آپریشنز امی زیو نے انکشاف کیا تھا کہ مئی 1998 میں پوکھراں میں کلوٹن سے کم کے جو دھماکے ہوئے وہ دراصل ایسے ایٹمی ہتھیاروں کے تھے جو اسرائیل نے اپنی علاقائی ضروریات کے مطابق تو پخانے کے لئے تیار کئے ہیں اور بھارت بھی ان کی تیاری میں دلچسپی رکھتا ہے اسرائیل یہ چاہتا ہے کہ ایسے چھوٹے ہتھیار تیار کئے جائیں جو دشمن کے لئے مہلک ثابت ہوں لیکن ان کی تابکاری سے اسرائیل متاثر نہ ہو 1996 میں اسرائیل نے چونکہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کر دیئے تھے اسلئے اس نے یہ ہتھیار بھارت میں ٹیسٹ کئے۔ 1998 کے بھارتی دھماکوں میں ائیلی معاونت کی تصدیق امریکی مصنف سی مور ہرش نے بھی اپنی کتاب The Samson Option" میں کی ہے اور لکھا ہے کہ "اسرائیل 200 ایٹمی ہتھیاروں کے علاوہ ایسا ڈیلیوری نظام بھی حاصل کر چکا ہے کہ جس کے ذریعہ وہ وسط ایشیاء ایران اور پاکستان تک بم پھینک سکتا ہے مغربی ممالک اور امریکہ کی مسلسل امداد کے نتیجہ میں اسرائیل ہائیڈروجنی ہتھیار بھی بنا چکا ہے' انہی میں سے ایک ہتھیار کا تجربہ مئی 98 میں پوکھراں میں کیا گیا تھا۔"





امریکہ کا ایٹمی پھیلاؤ میں اسرائیل سے تعاون' بالواسطہ بھارت سے جوہری تعاون کے مترادف ہے' امریکی فرم ایم ٹی ایس سسٹمز کارپوریشن کے خلاف بھارت سے تعاون کی تحقیقات کے ضمن میں (اگست 2003) جو دستاویزات وزارت تجارت اور ڈسٹرکٹ کورٹ کو دی گئی تھیں' ان سے انکشاف ہوا کہ ایم ٹی ایس بھارت کی معاونت کرتی رہی ہے۔ اسرائیلی نژاد قرنی کا شمار انڈر ورلڈ کے دلالوں میں ہوتا ہے اور اس نے اپنا ہیڈکوارٹر جنوبی افریقہ میں رکھا ہوا ہے' قرنی کو یکم جنوری 2004 کو امریکی حکام نے پاکستان کے جوہری پروگرام میں مدد دینے کے الزام میں گرفتار کیا تھا' لیکن جب تفتیش کی گئی تو پتہ چلا کہ عاشر نے پاکستان سے زیادہ بھارت کو ایٹمی مواد اور ٹیکنالوجی فراہم کی ہے۔

## جنوبی افریقہ

اسرائیل نے 300 ٹن یورینیم لینے کے بدلے جنوبی افریقہ کے ایٹمی ہتھیاروں کے پروگرام میں پوری پوری فنی امداد کی اسرائیلی بم کے خالق "ارنسٹ ڈیوڈ برگ مان اور کئی دوسرے اسرائیلی ایٹمی سائنسدانوں نے 1967 میں جنوبی افریقہ کا دورہ کیا" 1977 اور 1978 کے دوران اسرائیل نے جنوبی افریقہ سے 50 ٹن قدرتی یورینیم حاصل کیا اور اس کے بدلے میں 30 گرام ٹری ٹیئم جنوبی افریقہ کو دی بم کا ڈیزائن بھی اسرائیل ہی نے دیا۔ مصدقہ ذرائع کے مطابق جولائی 1990 تک جنوبی افریقہ چھ ایٹمی ہتھیار تیار کر چکا تھا جبکہ ساتواں بنایا جا رہا تھا۔ چونکہ مغرب بالخصوص امریکہ کے جنوبی افریقہ سے مفادات وابستہ تھے اسلئے باوجود اس کے کہ جنوبی افریقہ نے اپنے ایٹمی پروگرام کیلئے تکنیکی مواد اور بارود مغربی ممالک کی نجی کمپنیوں اور سرکاری تحقیقاتی اداروں سے حاصل کیا مغربی ممالک نے اپنے اداروں کے خلاف کبھی تحقیقات نہیں کیں۔

## ارجنٹائن

ارجنٹائن کے جوہری پروگرام کو متعدد ممالک سے مدد ملی ہے کینیڈا اور مغربی جرمنی نے پاور ری ایکٹر دیئے تو چین اور سوئٹزرلینڈ نے ہیوی واٹر کا پلانٹ اور سوویت یونین نے دوسرے ایٹمی آلات مہیا کئے ہیں چونکہ ارجنٹائن نے اپنے ایٹمی پروگرام پر عالمی ادارے کی نگرانی کو تسلیم نہیں کیا تھا اسلئے 72-1969 کے درمیانی عرصہ میں کئی مرتبہ ایسی خبریں آئیں کہ ارجنٹائن ایٹم بم بنا چکا ہے۔ لیکن ارجنٹائن 1990 کے بعد سے ایٹمی پروگرام ترک کر چکا ہے حالانکہ اس نے کئی ایٹمی تنصیبات بشمول فیول فیبریکشن' یورینیم مائننگ' ملنگ اور کنورشن کی سہولتیں مکمل کر لی تھیں' اسی طرح کئی سال تک ارجنٹائن نے میزائل سازی کا پروگرام بھی آگے بڑھایا تھا۔ اب ارجنٹائن اور برازیل دونوں نے لاطینی امریکہ کو

ایٹمی ہتھیاروں سے پاک علاقہ بنانے کا معاہدہ کرلیا ہے۔

## برازیل

امریکہ سے ایٹمی ٹیکنالوجی کی برازیل منتقلی کی کہانی تقریباً ساٹھ سال پرانی ہے۔جس کا آغاز 1940 کے عشرے میں ہوا جب امریکہ نے برازیل سے یورینیم اور مونازائٹ کی کان کنی کی اجازت کے بدلے ایٹمی ٹیکنالوجی دینے کا معاہدہ کیا۔1965 میں امریکہ نے برازیل کو اس کے پہلے ری ایکٹر کے لئے درمیانی سطح تک افزودہ یورینیم مہیا کیا۔1975 میں برازیل نے IAEA کے تحفظات اور پابندیوں سے آزاد ایٹمی ٹیکنالوجی کی منتقلی کے لئے مغربی جرمنی سے معاہدہ کیا۔اس کے تحت مغربی جرمنی نے برازیل کو آٹھ ایٹمی ری ایکٹر، یورینیم افزودہ کرنے کی سہولت، پلوٹونیم پراسیسنگ پلانٹ اور بیکر ''جٹ نوزل'' انرچمنٹ ٹیکنالوجی فراہم کی۔ برازیل کے ایٹمی ہتھیاروں کے پروگرام کو ''سولی موس'' کا کوڈ نام دیا گیا تھا۔ اس نے ایٹم بم کے دو ڈیزائن تیار کئے ہیں ایک بیس سے تیس کلوٹن بم اور دوسرا بارہ کلوٹن بم کا تھا 1990 میں برازیل نے پارا ریاست میں ایٹمی دھماکہ کے لئے ایک غار تیار کی تھی اسے ارجنٹائن سے معاہدے کے بعد بند کردیا ہے۔

## عراق

عراق کے ایٹمی پروگرام کی کڑیاں بھی امریکہ کے ''ایٹم برائے امن'' کے پروگرام سے جاملتی ہیں جبکہ سوویت روس نے بھی 2 میگاواٹ کا ایک ری ایکٹر IRT-5000 دیا جسے 1978 میں 5 میگاواٹ تک اپ گریڈ کردیا گیا۔1976 میں عراق اور فرانس میں ایم ٹی آر ری ایکٹرز کی فراہمی کے لئے ایک معاہدہ ہوا۔ یہ ری ایکٹر فرانسیسی اوسیرس ہی کی ایک صورت تھے اور اس میں 93 فیصد افزودہ یورینیم استعمال ہوتا تھا۔1979 میں عراقی انجینئروں اور ایٹمی سائنسدانوں نے بھارت کا دورہ کیا۔اسی سال عراق نے ایک اطالوی کمپنی SINA ٹیکنٹ کو پائلٹ پلوٹونیم سیپریشن اور ہینڈلنگ کی سہولت اور یورینیم کو مصفا کرنے اور ایندھن تیار کرنے کے پلانٹ کی فراہمی کا ٹھیکہ دیا۔اس کے علاوہ عراق نے پرتگال سے سوٹن یورینیم خریدی برازیل اور نائیجریا نے مزید یورینیم فراہم کی۔1998 کے دوران ایک بھارتی فرم این ای سی انجینئرنگ نے راکٹ فیول کے لئے مواد کی کئی کھیپ دوبئی کے راستے عراق بھجوائیں۔

عراق چونکہ ایک اسلامی ملک ہے اس لئے کسی مسلمان ملک کو ایٹمی طاقت بن جانے کی اجازت نہ دینے کی پالیسی کے تحت پہلے تو اسرائیل کے ذریعہ اوسی رس پلانٹ کو تباہ کروایا گیا۔پھر امریکہ





نے ایران عراق جنگ کو ہوا دیکر مغرب نے اپنا اسلحہ فروخت کیا۔بعدازاں مختلف حیلے بہانے صدام کے گرد گھیرا تنگ کیا عراق کویت تنازعہ کو ہوا دیکر 1991/92 میں عراق کے خلاف فوجی کاروائی کرکے اس کی معیشت تباہ کی گئی اور دس سال بعد ایک اور خوفناک جنگ شروع کرکے سارے عراق کو لہولہان کردیا گیا اور عراق پر قبضہ کرلیا گیا۔

## ایران

ایران این پی ٹی پر پہلے دستخط کرنے والے چند ممالک میں سے ہے۔لیکن اس کا ایٹمی پروگرام نصف صدی پر پھیلا ہوا ہے۔امریکی نیشنل سیکورٹی کونسل کی جو خفیہ دستاویزات سامنے آئی ہیں ان کے مطابق ایران نے ایٹمی پروگرام کا آغاز امریکہ کے خفیہ تعاون سے کیا امریکہ نے تہران کے ایٹمی تحقیقاتی مرکز کے لئے 1967 میں 5 میگاواٹ کا ری ایکٹر اور دوسرا ایٹمی ساز وسامان فراہم کیا۔پھر 1975ء میں ایک معاہدہ ہوا، جس کے تحت ایران کو فاضل ایٹمی ایندھن ایسے تیسرے ملک کو دینے کی اجازت دیدی گئی جس پر امریکہ کو اعتراض نہ ہو۔امریکہ نے ایران کو امریکہ میں افزودہ یورینیم کی تنصیبات میں سرمایہ کاری کے بدلے خصوصی مراعات دیں۔1970 کے عشرے کے درمیانی سالوں میں امریکہ نے ایران کو جوہری توانائی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے 23 ری ایکٹر لگانے اور ان کے ٹھیکے امریکیوں کو دینے کی تجویز دی، مگر شاہ ایران نے ٹھیکے مغربی جرمنی کی فرم سیمنز کے ذیلی ادارہ کرافٹ ورک کو دیدیئے، ان میں سے 1300 میگاواٹ کے دوری ایکٹر بوشہر میں لگائے جانے تھے۔اس دوران میں امریکہ کے علاوہ فرانس اور مغربی جرمنی نے بھی ایران کو خوب لوٹا۔1974 میں ایک فرانسیسی فرم فراماٹوم سے 950 میگاواٹ کے دوری ایکٹر لگانے کا معاہدہ ہوا علاوہ ازیں ایران نے فرانس کے یوروڈف کو یورینیم انرچمنٹ کا پلانٹ لگانے کی سہولت کے بدلے 1 بلین ڈالر کا قرضہ دیا اور ایک دوسری یورپی فرم کوروڈف میں بھی سرمایہ کاری کی۔

بھارت بھی ایران کے ایٹمی پروگرام سے 1970 کے عشرے سے منسلک ہے۔1975 میں ایران میں ایٹمی ری ایکٹر لگانے اور ایٹمی سائنسدانوں کی تربیتی ذمہ داریاں قبول کی تھیں۔1979 کے بعد امریکہ، مغربی جرمنی، اور فرانس سے تعلقات میں کشیدگی آئی تو ان ملکوں نے ایٹمی تعاون ختم کردیا۔فرانس کے ادارہ یوروڈف کو انٹرنیشنل کامرس کمیشن کے فیصلے پر 1 بلین ڈالر کا قرضہ لوٹانا پڑا تاہم یوروڈف میں ایرانی سرمایہ کاری جاری رہی۔

بتایا گیا ہے 1979ء تک بوشہر۔1 پر 90 فیصد اور بوشہر۔2 پر پچاس فیصد کام مکمل ہو چکا تھا

اوراگر جنگ میں عراق بوشہر پر بمباری نہ کرتا تو دونوں منصوبے تین سے چار سال میں مکمل ہوجاتے۔ جنگ کی وجہ سے جو تعطل پیدا ہوا تھا' وہ 1995 میں روس سے ایک معاہدہ کے بعد ختم ہوا۔ معاہدہ کے تحت روس نے پانچ سال کے اندر بوشہر میں 1000 میگاواٹ کا لائٹ واٹرری ایکٹر VVER1000 لگانا تھا' یہ ری ایکٹر ایٹمی ہتھیار سازی میں بھی معاون ہوتا ہے امریکہ نے روس کو ایران کے ساتھ ایٹمی تعاون سے بہت روکا مگر کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ مزید برآں سوویت روس کے حصے بخرے ہونے پر ایران نے وسط ایشیائی ریاستوں سے ایٹمی ٹیکنالوجی اور مواد حاصل کیا اور وہاں کے دو سو سے زائد سائنسدانوں اور انجینئروں کی خدمات اپنے ایٹمی پروگرام کے لئے حاصل کیں۔ لیکن اکتوبر 2003 سے ایران کا ایٹمی پروگرام بھی امریکہ اور IAEA کی زد میں ہے ''واشنگٹن پوسٹ'' کے مطابق یورینیم انرچمنٹ پروجیکٹ میں بھارت پوری طرح ملوث ہے' اس کے ڈیڑھ سو سے زائد ماہرین اس پروجیکٹ پر کام کرتے رہے ہیں۔ جبکہ بھارت نے ٹیکنالوجی بھی فراہم کی ہے۔ اس کے علاوہ ایرانی سائنسدانوں کو بنگلور اور حیدر آباد کی ایٹمی تصیبات پر بھی تربیت دی جاتی ہے۔

رائٹر نے گیارہ فروری 2004 کو جو خبر جاری کی اس کے مطابق ایرانی پروگرام میں ترکی' آسٹریا' جرمنی' بلجیئم' ہالینڈ' روس' جنوبی افریقہ' سپین' سوئٹزرلینڈ' امریکہ اور بھارت کے بعض افراد اور ادارے ملوث رہے ہیں۔ ایران نے تین جرمن شہریوں کے نام دیئے ہیں جنہوں نے خریداریوں میں مدد کی ہے Otto Heiling Brumer'Gottard Lerch اور Heins Mebos دوبئی میں سری لنکن طاہر کی فرم گلف ٹیکنیکل انٹرنیشنل کے ذریعہ بھی ایران نے بہت سی خریداری کی۔ مزید براں جنوبی افریقہ کے سات بڑے ایٹمی ماہر ایرانی پروگرام سے منسلک رہے ہیں۔ ڈیوڈ البرائٹ کے نزدیک ایرانی پروگرام میں سوئس کمپنیوں کا کردار زیادہ اہم تھا۔ حالیہ دنوں میں ایٹمی عدم پھیلاؤ کے سب سے بڑے علمبردار اور ''انتہائی معصوم'' امریکہ پر مغربی سائنسدانوں نے الزام لگایا ہے کہ وہ غیر محسوس طریقے سے عراق و افغانستان میں ایٹمی تابکاری پھیلا رہا ہے تاکہ ان ملکوں کی آئندہ نسلیں بانجھ اور معذور پیدا ہوں۔ اکتوبر 2003 میں ہیمبرگ میں Depleted Uranium پر جو کانفرنس منعقد ہوئی ہے۔ اس میں واشنگٹن یونیورسٹی کے سکول آف میڈیسن سینٹ لوئی کے ڈاکٹر فریڈرک سویٹ اور عالمی ادارہ میں ایٹمی توانائی کے عملی اطلاق کے ڈائریکٹر جنرل نے کہا ہے کہ عراق میں جب تک جنگ اختتام کو پہنچے گی جارج بش Depleted Uranium سے بنے بموں کے ذریعہ صدام حسین سے کئی گنا زیادہ افراد کو زہر دے چکے ہوں گے جو کئی نسلوں کو مفلوج بنا دے گی افغانستان' عراق اور کوسوو وغیرہ میں اس طرح کے گولے اور بم برسائے گئے ہیں۔ جو کئی دوسری تباہ کن بیماریوں کے علاوہ سینے اور رحم کا کینسر پھیلانے کا





باعث بن سکتے ہیں۔ کانفرنس میں اس بارے ایک قرارداد بھی منظور کی گئی ہے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے ''انسانی حقوق کے علمبردار'' اور ''ایٹمی پھیلاؤ کے ٹھیکیدار'' خود کیا کرتے اور کیا کرر ہے ہیں؟ امریکہ واحد ملک ہے جس نے ایٹمی ہتھیاروں کی 60 سالہ تاریخ میں ایٹم بم استعمال کر کے لاکھوں جانوں کو بھسم کر ڈالا حالانکہ خود ایٹم بم بنانے والے سائنسدانوں نے بھی اسکے استعمال کی مخالفت کی تھی۔ کیا امریکی اس بات کی تردید کر سکتے ہیں کہ انہوں نے کئی ممالک کو ایٹمی ٹیکنالوجی اور اس سے متعلقہ آلات فراہم کئے ہیں اس حوالے سے امریکی صنعت باہر کے ممالک سے سودے بازی کر کے ان کو مطلوبہ اشیاء فراہم کرتی ہے۔ امریکہ میں نیوکلیئر آئی سوٹوپ کی بلیک مارکیٹ موجود ہے۔ خود امریکی حکام نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ القاعدہ یا کوئی بھی دہشت گرد گروپ مقامی مارکیٹ سے ایٹمی آئسوٹوپ خرید کر انہیں استعمال کر سکتا ہے۔ امریکی نیوکلیئر ریگولیٹری کمیشن نے بتایا تھا' کہ 1966 کے بعد سے تابکاری پھیلانے والا مواد 1500 بار امریکہ سے چوری ہوا اور اس میں سے آدھا برآمد نہیں ہوسکا۔ مختصر یہ کہ ایٹمی ٹیکنالوجی کے پھیلاؤ کا کام سرکاری اور غیر سرکاری ہر دو سطح پر خود امریکہ نے شروع کیا۔ اور آج کئی دوسرے ممالک بھی نیوکلیئر دوڑ میں شامل ہو چکے ہیں۔

فرانس نے ایٹمی صنعت سے بہت مال بنایا۔ اس کی معیشت اور حکمت عملی نے اسے مجبور کیا کہ وہ ایٹمی ٹیکنالوجی دوسرے ممالک کو منتقل کرے تاکہ تیل کی قیمت ادا کر سکے۔ اس نے نیوکلیئر ایکسپورٹ کے لئے باقاعدہ ایک فرم ایس جی این قائم کی برطانیہ اور امریکہ کے مقابلے میں اپنے پلانٹس جاپان' تائیوان' جنوبی کوریا' اور پاکستان کو فراہم کئے۔ ایک ایٹمی پلانٹ کی مد میں ایس جی این 8 سے 10 ملین ڈالر کما رہی تھی' سب کنٹریکٹر کی مدد سے یہ بل 45 ملین ڈالر تک پہنچ جاتا تھا۔

عراق کے ایٹمی پروگرام سے سوویت یونین فرانس' جرمنی' اٹلی' کینیڈا اور بھارت نے خوب مال خوب بنایا لیکن صدام حسین کو ایٹم بم بنانے کی تکنیک دینے سے گریزاں رہے۔ جاپانی فرمز بھی اس کاروبار میں ملوث رہی ہیں۔ 1992 میں امریکہ نے ایک جاپانی فرم کو اسلئے جرمانہ کیا تھا کہ اس نے حساس آلات ایران کو فراہم کئے تھے۔ مختصر یہ کہ دنیا میں ایٹمی کاروبار کرنے والی تمام کمپنیوں کا تعلق امریکہ' فرانس' اٹلی' مغربی جرمنی' برطانیہ' ترکی' جاپان' اور کینیڈا وغیرہ سے ہے۔

بڑی طاقتوں کا چھوٹے ممالک سے امتیازی سلوک بھی ایٹمی پھیلاؤ کا سبب بن رہا ہے۔ اگر بڑی طاقتیں اسرائیل' بھارت اور جنوبی افریقہ کے بارے میں اتنی فراخدل نہ ہوتیں تو ایٹمی پھیلاؤ سے بچا جاسکتا تھا' ویسے بھی اگر یہ ٹیکنالوجی ناقابل منتقلی تھی تو امریکہ اور یورپ نے اسے کیوں اپنی سرحدوں اور تجربہ گاہوں سے باہر نکلنے دیا یقیناً اس کے پیچھے شراکت داری اور اپنی طاقت کی دھاک بٹھانے کی جبلت

کا ہاتھ رہا ہوگا۔ وہاں مال بنانے کی خواہش بھی بنیادی سبب بنی ہے۔ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے اس نے اپنے طور پر ٹیکنالوجی حاصل کی۔ افغانستان میں روس کی پسپائی سے اگر امریکہ دنیا کی واحد سپر طاقت بنا تو پاکستان ایٹمی قوت بنا' یہ اس جنگ میں ہماری کامیابی کا حصہ تھا۔ ہم نے اپنا ایٹمی برانڈ بنایا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور اس کے ساتھی اس کے خالق ہیں۔ ہم نے این پی ٹی پر دستخط نہیں کئے۔ اسلئے کسی عالمی قانون کی زد میں نہیں آتے اور نہ ہی پاکستان پر کوئی قدغن لگائی جاسکتی ہے اصلی مجرم تو وہ ہیں جو دستخط کرنے اور دنیا کو ایٹمی ہتھیاروں سے پاک وصاف کرنے کا نعرہ لگانے کے باوجود ایٹمی پھیلاؤ کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔





# پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر امریکہ کا دباؤ

پاکستان اور امریکہ کے تعلقات میں جتنے نشیب وفراز آئے ہیں شاید ہی دنیا کے دیگر دوسرے ملکوں کے درمیان آئے ہوں امریکہ نے اپنے مقاصد کے لیے تو پاکستان کو استعمال کیا اور آج بھی کر رہا ہے مگر جب بھی پاکستان پر کڑا وقت آیا اسے نظرانداز کر دیا کیونکہ اس نے روز اول ہی سے پاکستان کو وہ اہمیت نہیں دی جس کا پاکستان ایک آزاد وخودمختار ملک ہونے کے باعث مستحق اور آرزومند رہا ہے۔ اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ ہمارے اکثر حکمرانوں نے طویل المعیاد قومی مفادات کے بجائے وقتی اور ذاتی مفادات کو ترجیح دی' دوسرے یہ کہ بھارتی حکمرانوں کی طرح اکثر امریکی حکمرانوں نے بھی اس مملکت خداداد کے وجود کو خلوص دل سے تسلیم نہیں کیا۔ 1947 میں قیام پاکستان پر صدر ٹرومین کا قائداعظمؒ کے نام تہنیتی پیغام گرم جوشی اور محبت وخلوص کے جذبات سے یکسر عاری تھا اس میں پرشکوہ الفاظ سے اجتناب کیا گیا تھا (24 اگست 1947 امریکی محکمہ خارجہ کا بلٹین) امریکی صدر کے تہنیتی پیغام میں بڑے سادے الفاظ میں صرف اتنا کہا گیا تھا۔

''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ نئی مملکت اپنا سفر امریکہ کی مستحکم دوستی اور خیر سگالی کے ساتھ شروع کر رہی ہے۔''

اس کے برعکس بھارت کے گورنر جنرل ماؤنٹ بیٹن کے نام پیغام میں ''یادگار موقع''' ''یہ عظیم نئی قوم'' ''عالمی معاشرے میں بھارت کی بڑھتی ہوئی حیثیت'' اور ''باہمی اعتماد اور احترام کی اساس پر ایک عالمی معاشرہ کی تشکیل میں اقوام عالم کے ہراول دستے میں بھارت کا مقام'' جیسے الفاظ شامل تھے۔ پاکستان کے بارے میں ان کے تصورات نہایت ہی مبہم تھے وزیر خارجہ جارج۔ سی۔ مارشل اور نائب وزیر خارجہ رابرٹ ایم لوبوٹ پاکستان سے زیادہ بھارت پر توجہ دینے کا میلان رکھتے تھے۔ وہ براعظم ایشیاء میں چیانگ کائی شیک کے چین کے بعد بھارت کو اپنے لئے ضروری سمجھتے تھے وزیر دفاع فورسٹال کو اسرائیل کے تسلیم کئے جانے سے غرض تھی' جبکہ قائداعظم اسے عالم اسلام کے سینے میں پہلا خنجر قرار دے چکے تھے. پھر یہ کہ 7 نومبر 1947 کو کراچی سے امریکی ناظم الامور نے اپنی حکومت کو جو رپورٹ بھیجی اس میں برطانوی سفارت کار اور پاکستان مخالف لابی کے زیر اثر لکھا

''بعض حلقوں میں پاکستان کے مستقبل کے بارے میں عملی نتیجے سے مایوسی کا اظہار پھیل رہا ہے

اور یہ امر محال نہیں ہے' کہ بھارت کے ساتھ دوبارہ ملاپ کی تحریک جلد ہی شروع ہو جائے لیکن جب تک قائداعظم زندہ ہیں وہ ایسے کسی بھی رجحان کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔''

چنانچہ امریکی حکمرانوں نے یہی طرز فکر اپنالی کہ پاکستان بالآخر متحدہ ہندوستان کی طرف لوٹ جائے گا۔

دستیاب شہادتوں سے ثابت ہے کہ امریکہ تقسیم ہند کے زمانے میں بھی بھارت کو ہی ایشیاء میں اپنا ساتھی خیال کرتا تھا' اور اس براعظم میں اپنے مفادات کو آگے بڑھانے کے لیے بھارت اور چین کا تعاون حاصل کرنے کا آرزو مند تھا۔ 1949 میں پہلے چین اس کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ ستمبر 1949 میں روس نے ایٹمی دھماکہ کر دیا پھر ہند چینی میں جنگ شروع ہو گئی اس مرحلے پر بھارت نے جو رویہ اختیار کیا' اس سے بددل ہو کر امریکہ کو مجبوراً سوویت یونین اور چین کے نواح میں واقع پاکستان کی طرف متوجہ ہونا پڑا اور امریکی جائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی کے سربراہ نے اپنی رپورٹ میں پہلی مرتبہ ایک یادداشت (24 مارچ 1949) میں پاکستان کی کسی قدر اہمیت کا احساس کیا اور لکھا کہ ''فوجی نقطہ نظر سے پاکستان کے سوا جنوبی ایشیاء کے دوسرے ممالک موجودہ اور امکانی صورت حال میں امریکہ کے لئے اہم نہیں ہیں'' بایں ہمہ بھارت کے بارے میں امریکی محکمہ خارجہ کی ہمیشہ یہی طرز فکر رہی کہ ''بھارت جنوبی ایشیاء کا فطری اور معاشی مرکز ہے۔'' البتہ محکمہ دفاع کی ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے امریکہ نے ''تھوڑی سی قیمت'' پر پاکستان کا تعاون حاصل کرنے کو اپنی پالیسی میں جگہ دے دی' مگر پاکستان کو کبھی بھی ایک ''متبادل'' اور ''سستاترین اتحادی'' سے زیادہ اہمیت نہیں دی گئی اور گذشتہ نصف صدی سے زیادہ عرصے پر محیط پاک امریکہ تعلقات کی تاریخ گواہ ہے کہ اس وقت بھی جب پاکستان بین الاقوامی سیاست میں اس کا قریب ترین حریف قرار دیا جاتا تھا' اور اس دوستی کے لیے پاکستان نے اپنا وجود تک خطرے میں ڈال دیا تھا۔ امریکہ نے پاکستان کے بارے میں اپنا منافقانہ رویہ ترک نہیں کیا۔

پانچویں دہائی کا نصف آخر وہ دور ہے جب ایٹمی ممالک ''ایٹم برائے امن'' پروگرام کے تحت ایٹمی ٹیکنالوجی کی منتقلی میں بڑے فراخ دل تھے' لیکن امریکی ماہرین نے پاکستان کی ''کم مائیگی'' کے بہانے اس دور میں بھی پاکستان کو ایٹمی تحقیقاتی ری ایکٹر دینے یا اس کی خریداری سے روکنے کی بھرپور کوشش کی۔ پاکستان کی ایٹمی اتھارٹی کے پہلے چیئرمین ڈاکٹر نذیر احمد محض اسلئے امریکہ کے معتوب ہو گئے تھے کہ انہوں نے امریکی ماہرین کی رائے کو چیلنج کیا تھا۔

اس پس منظر کے ساتھ پاکستان نے جب بھی ایٹمی میدان میں پیش رفت کی کوشش کی امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے اس کی راہ میں روڑے اٹکائے۔ 1965 کے بعد جب پاکستان نے بھارت کے ایٹمی عزائم اور ایٹمی ٹیکنالوجی کی اہمیت کا ادراک کرتے ہوئے ایٹمی توانائی کے پروگرام پر





توجہ دینا شروع کی تو امریکہ نے مختلف حیلے بہانوں سے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو متاثر کرنے' روکنے' یا غیر موثر بنانے کی پوری کوشش کی اور بدقسمتی یہ رہی کہ پاکستان کا ایٹمی توانائی کمیشن بھی اپنے فرائض کی انجام دہی میں پوری طرح فعال نہیں رہا' بلکہ اس کی صفوں میں ماضی میں بعض زمانہ ساز امریکی ایجنٹ دندناتے رہے جن کا کہ ہر خاص و عام کو علم ہے۔

یہاں اس امر کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ قیام پاکستان کے بعد پاکستان کی سیاسی جماعتوں یا سول اور فوجی بیوروکریسی یا معاشی و فلاحی اداروں میں ہر جگہ امریکی ایجنٹ موجود رہے ہیں اور آج بھی اس طرح کے واقعات سامنے آ رہے ہیں' 1970 کے انتخابات اور پاکستان کے دولخت ہونے کے بعد جب ذوالفقار علی بھٹو برسر اقتدار آئے تو بقول بابائے سوشلزم شیخ محمد رشید مرحوم پیپلز پارٹی کی سنٹرل کمیٹی اور کابینہ کے اجلاسوں کی رپورٹ حرف بہ حرف امریکی سفیر کو پہنچ جاتی تھی' جس سے بھٹو بھی سخت پریشان تھے۔

1971 جیسے المیے سے آئندہ محفوظ رہنے کے عزم کے ساتھ بھٹو مرحوم نے 20 جنوری 1972 کو ملتان میں پاکستان کے چیدہ سائنسدانوں کی وہ مشہور و معروف کانفرنس بلائی تھی جس کا پاکستان کے ایٹمی پروگرام میں دلچسپی رکھنے والے ہر قاری کو علم ہے اس کانفرنس میں انہوں نے پاکستان کو جلد از جلد ایٹمی قوت بنانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا' انہی دنوں امریکہ نے تمام مغربی اور دوسرے ممالک سے رابطہ کیا تھا' کہ پاکستان کو کوئی ایسی چیز نہ ملنے پائے جو ایٹمی پیش رفت کے لیے ضروری ہے. جناب ذوالفقار علی بھٹو نے اسی لئے نیویارک ٹائمز سے اپنے 9 اکتوبر 1972 کے انٹرویو میں کہا تھا کہ ''اگر ہماری تمام دفاعی ضروریات پوری کی جائیں اور پاکستانی قوم کو یقین ہو جائے کہ انہیں جارحیت کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا اور قومی خوشحالی کے لیے درکار توانائی روایتی ذرائع سے حاصل ہو سکے گی تو ہم اپنے محدود مالی وسائل ایٹمی پروگرام پر کبھی ضائع نہیں کریں گے۔'' لیکن بھٹو امریکیوں کو کراچی کے قریب پورٹ اور ٹریکنگ سٹیشن دینے جیسی فراخ دلانہ مراعات کی پیش کش کے باوجود ستمبر 73 کے دورہ امریکہ میں امریکی اسلحہ کی سپلائی بحال کروانے میں ناکام رہے تو ان کا پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے کا عزم اور بھی پختہ ہو گیا۔ گو بھٹو کے فروری 75 کے دورہ امریکہ کے بعد امریکی حکومت نے پاکستان کی ضروریات کے ''بہتر ادراک'' کے بہانے پاکستان کو اسلحہ کی فراہمی پر عائد پابندی ختم کرنے کا اعلان کر دیا تھا' لیکن امریکی صدر نکسن نے اس سے پہلے 12 جولائی 1972 کو اپنی سالانہ رپورٹ میں بھارت کو جنوبی ایشیاء کی بالادست قوت قرار دیتے ہوئے اس بھارتی موقف کی حمایت کی تھی کہ ''اسے علاقے کے چھوٹے ملکوں پر بالادستی قائم کرنے کا حق ہے۔'' یہ دراصل پاکستان کی آزادی و خودمختاری کے خلاف ایک سازش تھی۔ بعض سرکاری ذرائع کے مطابق بھٹو آخری دنوں میں امریکی دباؤ اور فرانس کی

حکومت کی طرف سے ری پروسینگ پلانٹ کے معاہدے کی منسوخی کے حوالے سے خاصے پریشان تھے' ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی آمد نے تن مردہ میں جان ڈال دی اور انہوں نے ایٹمی قوت کے حصول کے لئے ایک نئے عزم کے ساتھ آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا' ادھر امریکہ نے بھی پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی مخالفت تیز کر دی۔

امریکی حکومت کی 14 جولائی 1977 کی ایک خفیہ یادداشت بعنوان ''ایٹمی تحفظات'' میں پاکستان' جنوبی افریقہ اور چین میں ان اقدامات کی تفصیل بیان کی گئی ہے جو امریکی کوششوں کے نتیجے میں پاکستان کے ایٹمی پروگرام کا گلا گھونٹنے اور سپلائی لائن کاٹنے کے لیے کینیڈا' فرانس' جرمنی اور نائیجیریا نے اس وقت تک کئے تھے۔ اسی طرح 1979 میں ایٹمی توانائی کے عالمی ادارہ کے ڈائریکٹر جنرل کی پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں جو رپورٹ سامنے آئی اس میں ایک امریکی سفارت کار کے حوالے سے لکھا ہے کہ'' ہم دوسرے فراہم کنندگان سے مسلسل رابطہ میں ہیں۔ اور پاکستان کو سنٹری فیوج کے بعض اجزا کی فراہمی روکنے میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں'' اسی دستاویز میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ'' پاکستان پر موثر دباؤ ڈالنے کے لئے تیل پیدا کرنے والے ممالک کی طرف سے ملنے والی امداد کو ختم کرایا جائے'' اس میں فرانسیسی میراج طیاروں کی پاکستان کو فروخت رکوانے اور پاکستان پر اقتصادی دباؤ بڑھانے کی تجاویز بھی شامل تھیں۔ 10 جنوری 1984 کی ایک خفیہ یاداشت میں جو اسٹنٹ سیکرٹری خارجہ امور برائے ایشیاء پال ولفووٹز کی تیار کردہ ہے کہا گیا ہے کہ'' چین اس پر آمادہ ہو گیا ہے کہ وہ آئندہ دھماکہ خیز ایٹمی ہتھیار کی تیاری میں کسی کو مدد نہیں دے گا۔ اور پاکستان کے ایٹمی پروگرام میں معاونت کا جو تنازعہ ہے وہ حل ہو جائے گا'' یہی پال ولفووٹز اب صدر بش جونیئر کے نائب وزیر دفاع ہیں۔''

امریکی خفیہ دستاویزات سے اندازہ ہوتا ہے کہ جوں جوں پاکستان ایٹمی ڈیٹرنس کے حصول کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بین الاقوامی کمپنیاں کراچی اور اسلام آباد کے ایٹمی بجلی گھروں کے معمول کے فنی نقائص کو دور کرنے میں بھی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرنے لگی تھیں اور ان کے ٹیکنیشنز پاکستان کے دورے کے دوران حاصل ہونے والی ایٹمی معلومات امریکی ایجنٹوں کو بھی فراہم کرتے تھے۔ 5 جولائی 1977 کو بھٹو مرحوم ایوان اقتدار سے رخصت ہو گئے لیکن ان کے جانشین جنرل محمد ضیاء الحق نے بھی چونکہ ایٹمی پروگرام پر امریکی دباؤ قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور کہوٹہ پروجیکٹ کی خبر بھی عام ہو چکی تھی۔ اسلئے صدر جمی کارٹر نے 79-78 کے لئے رواں مالی سال کی اقتصادی امداد روکتے ہوئے آئندہ کے لئے بھی پابندی برقرار رکھنے کا اعلان کیا تاوقتیکہ پاکستان سنٹری فیوج پلانٹ کے بارے میں امریکی شرائط قبول نہ کرے۔





جنرل ضیاء الحق کے دست راست اور ممتاز دانشور جنرل خالد محمود عارف اپنی کتاب ''ضیاء الحق کے ہمراہ'' (Working with Zia) میں لکھتے ہیں کہ'' ستمبر 1978 میں اقوام متحدہ کے جنرل اسمبلی کے اجلاس کے موقع پر انہوں نے مشیر امور خارجہ آغا شاہی کے ہمراہ امریکی وزیر خارجہ سائرس وانس سے ملاقات کر کے درخواست کی کہ امریکہ عالمی بنک اور آئی ایم ایف سے قرضہ لینے میں پاکستان کی مدد کرے تو وانس نے ہماری خواہش یا درخواست کو حقارت سے ٹھکرا دیا اس دورے میں امریکیوں نے آغا شاہی کو پیغام دیا تھا کہ اگر پاکستان نے اپنا ایٹمی پروگرام جاری رکھا تو'' آپ موت کی وادی میں داخل ہو جائیں گے۔'' 11 اگست 1979 کو امریکہ کی طرف سے کہوٹہ پلانٹ کو تباہ کرنے کے سہ جہتی منصوبے کا انکشاف ہوا اور امریکی حکومت اور میڈیا نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر دباؤ بڑھانے کا سلسلہ جاری رکھا تو 30 اگست 1979 کے دن جنرل ضیاء الحق نے الیکٹرانک میڈیا پر قوم سے خطاب میں سنٹو (CENTO) سے علیحدگی اور غیر جانبدار تحریک میں شامل ہونے کا اعلان کرتے ہوئے کہا ''ہم واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہمارا ایٹم بم بنانے کا کوئی ارادہ نہیں لیکن ہم ایٹمی پروگرام بھی ترک نہیں کریں گے۔''

4 نومبر 1979 کو تہران میں ایرانی انقلابی طلبا نے امریکی سفارت کاروں سمیت جن 52 افراد کو یرغمال بنایا تھا پاک امریکہ تعلقات میں کشیدگی کے باوجود ان کی رہائی میں مدد کے لیے امریکہ نے پاکستان کو خطوط لکھے اور کئی خفیہ مشن پاکستان بھیجے صدر کارٹر نے بھی ٹیلی فون پر کئی بار صدر محمد ضیاء الحق سے رابطہ کیا کہ ان کی رہائی کے لیے پاکستان بلوچستان کے سرحدی علاقوں سے آپریشن کرنے کی اجازت دے لیکن محمد ضیاء الحق نے ایران کے خلاف پاکستان کی سرزمین استعمال کرنے کی اجازت دینے سے صاف انکار کر دیا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ 1978 میں جب صدر کارٹر نے برصغیر جنوبی ایشیاء کا دورہ کیا تو پاکستان نہ آنے کا یہ عذر تراشا کہ پاکستان میں مارشل لاء ہے لیکن اس کے چند ہی ہفتوں بعد پاکستان کے ''فوجی آمر'' ضیاء الحق امریکہ کی پسندیدہ شخصیت بن گئے۔ 27 دسمبر 1979 کو روسی فوجیں افغانستان میں داخل ہوئیں اور خلیج فارس میں امریکی مفادات خطرے میں نظر آئے تو جمی کارٹر نے پاکستان کی سلامتی کے لیے ہر قسم کی مدد دینے کی پیشکش کرتے ہوئے جنوری 1980 کے تیسرے ہفتے میں پاکستان کے لئے 18 ماہ کی مدت کے لیے 400 ملین ڈالر کی فوجی و اقتصادی امداد دینے کی پیشکش کر دی حالانکہ بدنام زمانہ گلین اور سمنگٹن ترامیم اس مدد کی راہ میں حائل تھیں۔ جنرل ضیاء الحق نے اس مدد کو ''مونگ پھلی'' (Peanut) قرار دیکر مسترد کر دیا پاکستان بھر میں جنرل محمد ضیا الحق کی اس جرات

مومنانہ کو بہت سراہا گیا۔''ایک امریکی شاعرہ فلیشالیم پورٹ نے''غیر مساوی دوستی'' کے عنوان سے اس پر ایک نظم لکھی۔

چار سو ملین کے افسانے — مونگ پھلی کے ہیں کچھ دانے — اپنے پاس ہی ان کو رکھو
خود ہی ان کا ذائقہ چکھو — لڑواتے ہو کن موجوں سے — کابل میں روسی فوجوں سے

اکتوبر 80 میں صدر محمد ضیاء الحق اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب کرنے امریکہ گئے تو سابق صدر رچرڈ نکسن نے ان سے ملاقات میں کہا''امریکہ میں پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا لیکن اگر پاکستان نے ایٹمی صلاحیت حاصل کر لی ہے تو اسے ایٹمی دھماکہ کر دینا چاہیے۔''3 اکتوبر 1980 کو وائٹ ہاؤس میں صدر ضیاء الحق کی جمی کارٹر سے ملاقات ہوئی تو صدر کارٹر نے افغان جنگ کے حوالے سے داؤ پر لگے امریکی مفادات کا کھل کر اظہار کیا اور بقول جنرل خالد محمود عارف، صدر ضیاء الحق خاموشی سے سنتے رہے اور جب جمی کارٹر نے از خود ایف 16 طیارے دینے کی پیش کش کی تو جنرل ضیاء نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اس موضوع پر امریکہ کے صدارتی انتخابات کے بعد بات ہوگی۔ 1980ء میں رونالڈ ریگن امریکہ کے صدر بن گئے۔ ستمبر 1981 میں ایک معاہدہ ہوگیا اور امریکی کانگرس نے بھی پاکستان کو پانچ سالوں (87-1982) کے دوران 3.2 بلین ڈالر کا دفاعی اور اقتصادی امدادی پیکج دینے کی منظوری دے دی لیکن یہ مطالبہ بھی کیا کہ پاکستان NPT پر دستخط کرے اور اپنا ایٹمی پروگرام بند کر دے۔ اس کے برعکس افغانستان کے معاملہ پر بھارت کی روس نواز پالیسی کے باوجود بھی امریکی انتظامیہ نے بھارت کے ایٹمی پروگرام سے کبھی کوئی تعرض نہ کیا اور فاضل پرزہ جات اور افزودہ یورینیم کی سپلائی جاری رکھی۔ اتنا ضرور ہوا کہ امریکہ نے پاکستان پیکج کے بارے میں بھارتی اور یہودی لابی کی چیخ و پکار پر کوئی توجہ نہ دی تاہم پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے حوالے سے اسے رسوا کرنے اور اس کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ امریکی وزارت خارجہ نے بون، انقرہ، روم اور ایک درجن سے زائد ممالک میں متعین امریکی سفیروں کو ہدایت کی جہاں سے پاکستان کے ایٹمی پلانٹ کے لئے کچھ نہ کچھ خریدا جا سکتا تھا۔ کہ اپنے میزبان ممالک پر واضح کر دیں کہ امریکہ پاکستان کو حساس ایٹمی مواد اور ٹیکنالوجی کی منتقلی پسند نہیں کرتا اور اس بنا پر تعلقات بھی بگڑ سکتے ہیں۔ ادھر حکومت پاکستان پر بھی ترغیب و تحریص کے ہتھکنڈے آزمائے جاتے رہے۔

جنگ افغانستان میں پاکستان کو قریبی اتحادی اور فرنٹ لائن سٹیٹ قرار دینے کے باوجود پاکستان کے ایٹمی رازوں کی جاسوسی اور اس کے خلاف پروپیگنڈہ جاری رہا۔ اور جوں جوں افغان جنگ آخری مراحل کی طرف بڑھنے لگی۔ امریکی حکومت کے کل پرزے پاکستان کو ایٹمی عدم پھیلاؤ کے





معاہدے پر دستخط کرنے اور تمام ایٹمی تنصیبات بین الاقوامی معائنہ کے لیے کھولنے کے پر زور مشورہ دینے لگے۔ صدر ضیاء الحق کسی طور ایٹمی پروگرام اور افغان مسئلہ پر امریکی ڈکٹیشن لینے کے لیے تیار نہیں تھے اور اس بارے میں امریکہ سے ان کا اختلاف کھل کر سامنے آچکا تھا، علاوہ ازیں افغانستان میں روس کے بعد وہاں حکومت سازی کے مسئلہ پر بھی اختلاف پیدا ہو چکا تھا۔ امریکہ اب ضیاء الحق کو درد سر سمجھنے لگا تھا مصدقہ ذرائع کے مطابق امریکی سی آئی اے نے جنرل ضیاء الحق کا تختہ الٹنے کے لیے ایک جرنیل سے بھی رابطہ کیا لیکن اس نے سی آئی اے کی سازش میں شامل ہونے سے انکار کر دیا، پھر اوجڑی کیمپ کی تباہی کی آڑ میں ضیاء اور جونیجو کے درمیان اختلافات کو ابھارا گیا تو آخری حربے کے طور پر 17 اگست 1988 کو طیارے کے حادثے میں انھیں منظر ہی سے ہٹا دیا گیا اس طیارے کی تباہی پاکستان ائیر فورس کے بورڈ اف انکوائری کے مطابق تخریب کاری کا نتیجہ تھی جو طیارے کے اندر ہی سے کی گئی تھی۔ جیسا کہ ایک امریکی مصنف George Ceril نے اپنی کتاب''چارلی ولسنز وار'' (Charlie Wilson's War) میں جنرل ضیاء الحق کے بارے میں لکھا ہے کہ''اس کے باوجود کہ وہ امریکہ کے بہت قریب تھے۔ انہوں نے ایک قوم پرست اور جرات مند رہنما کی طرح پاکستان کے داخلی معاملات میں مداخلت کی کبھی اجازت نہیں دی، اور خفیہ ایٹمی پروگرام پر امریکہ کو ٹکا سا جواب دیتے رہے'' یہی ان کے طیارے کی تباہی کا باعث ہوا۔

اس دور میں بھارت نے اسرائیل کی معاونت اور امریکہ کی تھپکی سے ایک سے زائد مرتبہ کہوٹہ پلانٹ کی تباہی کے منصوبے بنائے مگر پاکستانی قیادت کی جرات مندی اور سیکورٹی ایجنسیوں کے احساس ذمہ داری نے ان کے ارادے خاک میں ملا دیئے 1988 کے منصوبے میں تو امریکی سفارتخانے کا ایک اعلیٰ عہدیدار کرنل ڈرکن''موساد'' کی رہنمائی کر رہا تھا جنرل حمید گل کے بقول جنرل ضیاء الحق کی ہدایت پر جب امریکی حکام سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے ڈرکن کو واپس بلا لیا۔

یکم ستمبر 1990 سے پاکستان کی تمام فوجی و اقتصادی امداد روک دی گئی۔ اور یوں 1984 سے شروع ہونے والا''ہنی مون'' ایٹمی پروگرام پر اختلافات کے باعث ختم ہو گیا۔ امریکی صحافی اور کارنیگی انڈومنٹ سے وابستہ سکالر سی مور ہرش جو پندرہ سال سے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے تعاقب میں ہیں انہوں نے اپنی کتاب "On The Nuclear Edge" میں کہا ہے کہ سینئر صدر بش کے سلامتی کے مشیر رابرٹ گیٹس پاکستان آئے اور انہوں نے صدر غلام اسحٰق خان اور جنرل بیگ سے ملاقات میں جیسے ہی کہا کہ''پاکستان نے حد عبور کر لی ہے اور ایٹمی ہتھیار بنا لئے ہیں امریکہ کے پاس اس کے واضح

ثبوت ہیں''، تو غلام اسحٰق خان نے تند لہجے میں احتجاج کرتے ہوئے کہا

''امریکہ منافق ہے' اسے کیوں ہمارے عزائم کے بارے میں اچانک شک پیدا ہوگیا ہے۔ دراصل افغان جنگ کے بعد تم لوگ پاکستان کو کسنا چاہتے ہو...... تم مجھے بتارہے ہو' کیا ہورہا ہے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ بھارت اور اسرائیل کیا کررہے ہیں؟ یہ منافقت اور دوہرا معیار ہے۔''

گیٹس نے جنرل بیگ کو متاثر کرنے کے لئے کہا "جنرل! ہماری فوج نے پاکستان اور بھارت کے درمیان تمام ممکنہ سینا ریوز (Scenarios) پر وار گیمز کی ہیں۔ایک بھی صورت سامنے نہیں آئی۔جس میں پاکستان جیت سکے...... غلام اسحٰق اور جنرل بیگ دونوں نے بیک وقت کہا''پاکستان کی طرف سے ایٹمی ہتھیار استعمال نہ کرنے کی خصوصی ضمانت کے بعد اس کی کیا گارنٹی ہے کہ امریکہ پاکستان کو بھی اسی تیز رفتاری سے روایتی ہتھیار سپلائی کرے گا جس طرح اس نے 1973 کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل کو مہیا کئے تھے؟''اسی طرح نومبر 1991 میں صدر غلام اسحٰق خان نے اسلام آباد آئے ہوئے امریکی انڈر سیکرٹری خارجہ امور رجینالڈ بارتھولومیو کی ایٹمی پروگرام پر دھمکی آمیز تلقین کا جو جواب دیا اس پر بارتھولومیو بڑبڑاتا اور غراتا ہوا ایوان صدر سے نکل گیا۔اس واقعہ کی تفصیل خود مجھے سابق صدر محترم غلام اسحاق خان نے بتائی تھی اور بعد میں دیگر ذرائع سے بھی اس کی تصدیق ہوئی تھی۔

1990 کے انتخابات میں جو حکومت برسر اقتدار آئی اس کے سربراہ نواز شریف نے امریکہ کو خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر ایٹمی پروگرام پر وہ بھی کوئی رعایت نہیں دے سکتے تھے' اسلئے امریکہ نے اپنے حواریوں کے ذریعے ایسا بحران پیدا کردیا کہ صدر اور وزیر اعظم دونوں کو ایوان اقتدار سے جانا پڑا اور امریکی فرستادہ معین قریشی قوم پر مسلط ہوگئے.... انہوں نے عبوری وزیر اعظم ہونے کے باوجود جی ایچ کیو کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ''پاکستان کو اقتصادی مشکلات سے بچانے کے لئے امریکہ کو مزید ناراض نہ کیا جائے'' وہ پہلے ذمہ دار شخص ہیں جنہوں نے ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری کے پروگرام کو مزید آگے نہ بڑھانے کا اعلان کرتے ہوئے لفظ''کیپ''(Cap) استعمال کیا۔

بے نظیر بھٹو 19 اکتوبر 1993 کو دوبارہ برسر اقتدار آئیں تو کلنٹن انتظامیہ نے انہیں اپنی دوستی کا یقین دلانے کے لیے پریسلر ترمیم معطل کرنے کا بل 25 نومبر کو کانگرس میں بھجوادیا... اس اثناء میں پاکستان پر امریکی حکام کی یلغاریں جاری رہیں جیسے پاکستان امریکی صدر کے گھر کا پچھواڑہ ہو... امریکی وزیر خارجہ مسز رابن رافیل اس پیغام کے ساتھ اسلام آباد آئیں کہ''پاکستان کو پریسلر ترمیم ختم کرانی ہے تو





اسے ایٹمی پروگرام رول بیک کرنا ہوگا''مسز رابن رافیل نے یہ تاثر بھی دیا کہ''اس صورت میں تنازعہ کشمیر کا حل بھی ممکن ہے''، مگر محترمہ بے نظیر بھٹو نے یہی جواب دیا کہ''کہ ایٹمی پروگرام رول بیک نہیں ہوگا... امریکہ طیارے اور امداد دے یا نہ دے'' بلکہ 29 مارچ 1994 کو آرمی چیف جنرل عبدالوحید خان کاکڑ دس روزہ دورے پر واشنگٹن پہنچے تو انہوں نے یہ پیغام دیا کہ

''پاکستان کا ایٹمی پروگرام سودے بازی کے لئے استعمال نہیں کیا جائے گا' ہم قومی وقار و مفادات کو قربان کرکے ایف 16 طیارے یا کوئی اور چیز خریدنے میں دلچسپی نہیں رکھتے. میں ایک ہی اور سیدھی بات کرتا ہوں.کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ پاکستان کے مزار کا کتبہ لکھے۔''

ادھر امریکی نائب وزیر خارجہ سٹراٹ ٹالبوٹ نے اسلام آباد میں 9 اپریل کو وزیر خارجہ سردار آصف احمد علی کے ساتھ ایک مشترکہ پریس کانفرنس میں کہا''پاکستان نے ایٹمی میدان میں اب تک جو حاصل کیا ہے امریکہ اسے برقرار رکھنے پر آمادہ ہے۔امریکہ پاکستان سے فوری رول بیک کا مطالبہ نہیں کرتا۔صرف پہلے قدم کے طور پر پروگرام کو کیپ کرنے کا قابل تصدیق نظام چاہتا ہے جبکہ سردار آصف احمد علی نے کہا کہ''ہم اصولی طور پر'' دور بینی معائنے کے لیے تیار ہوگئے ہیں''، لیکن جب محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے فوجی قیادت اور حکومت پر اس کے مضمرات واضح کئے تو محترمہ بے نظیر نے ''دور بینی'' یا'' جزوی معائنہ'' کی اجازت دینے سے اتفاق نہ کیا بلکہ اس کے بعد انہوں نے اپنے دورہ برطانیہ میں روزنامہ ٹائمز سے انٹرویو میں کہا

''پاکستان کے نوے فیصد لوگ ایٹمی دھماکہ چاہتے ہیں یہ نہایت خطرناک صورت حال ہے اس کا اعتراف کیا جانا چاہیے اگر ایسا نہ کیا گیا تو حالات بگڑ سکتے ہیں........ میں یہ بات محض اپنے اندازے سے نہیں کہہ رہی بلکہ باقاعدہ سروے کے ذریعہ معلوم کی ہے۔''

اس نے امریکہ سے کہا''ایٹمی پروگرام رول بیک نہیں ہوگا امریکہ طیارے دے یا نہ دے''، بے نظیر اپریل 95 میں جب دورہ امریکہ سے واپس آئیں تو امریکی حکمرانوں کے رویے سے پریشان تھیں وہ ایٹمی پروگرام مکمل طور پر رکوانا چاہتے تھے۔لیکن ستمبر 1996 کے دورہ امریکہ میں بھی ان کا موقف یہی رہا کہ قومی مفاد کے خلاف کوئی دباؤ قبول نہیں کریں گی۔

## ایٹمی دھماکے

فروری 1997 کے انتخابات سے قبل اور وزیر اعظم کے منصب کا حلف اٹھانے کے فوراً بعد امریکی

سفیر نے وزیراعظم نواز شریف سے ایک سے زائد مرتبہ ملاقاتیں کر کے اس امر کا اظہار کیا تھا کہ امریکہ کو ان سے بہت سی توقعات ہیں' مگر جناب نواز شریف نے ایٹمی پروگرام پر امریکی توقعات پوری کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ 6 اپریل 1998 کو غوری میزائل کا کامیاب تجربہ امریکہ کی خواہشات کے علی الرغم کیا گیا اور پھر جب بھارت نے 11 اور 13 مئی 1998 کو ایٹمی دھماکے کیے تو امریکہ نے بھارتی ایٹمی دھماکوں کے بارے میں کسی شدید ردعمل کا مظاہرہ کرنے کے بجائے یہ جھوٹ تراشا کہ سی آئی اے اور پینٹاگان کو بھارت نے دھوکہ دیا اور جس امریکی جاسوس سیارہ پر 27 ارب ڈالر سالانہ خرچ ہوتے ہیں' وہ بھی بروقت نشاندہی نہ کر سکا' حالانکہ اپریل 98 کے اوائل ہی میں پاکستان نے امریکی صدر اور بعض دوسرے عالمی رہنماؤں کو خطوط کے ذریعہ آگاہ کر دیا تھا کہ بھارت ایٹمی ہتھیاروں کے ضمن میں کوئی بڑا قدم اٹھانے والا ہے۔ سعودی عرب کے اخبار الریاض کی 27 مئی اور الاہرام قاہرہ کی 26 مئی کی خبروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ بھارت کی امریکہ نے باقاعدہ پشت پناہی کی تھی اور بعض اسرائیلی سائنسدان بھی بھارتی دھماکوں کے موقع پر موجود تھے۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ بھارت کے ایٹمی دھماکوں پر حکومت امریکہ نے یہ موقف اختیار کیا تھا' کہ ''بھارت کے معاملے میں ہم سے غفلت ہوگئی مگر ہم پاکستان پر کڑی نظر رکھیں گے'' یہ عجیب منطق تھی کہ بھارت جس کے پاکستان اور ہمسایہ ممالک کے حوالے سے عزائم بالکل واضح ہیں اور جو پاکستان کی آزادی و خودمختاری پر ڈاکہ ڈالنے کی تیاری کر رہا ہے' اسے کھلی چھٹی ہے لیکن پاکستان جو ڈاکے سے بچنے کے لیے اپنے دفاع کا انتظام کر رہا ہے اسکی نگرانی سخت کر دی گئی۔

امریکی صدر کلنٹن نے 11 مئی سے 28 مئی کے عرصہ میں کم وبیش پانچ اور برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر نے دو سے زائد مرتبہ خود نواز شریف پر ٹیلی فون سے بات کی اور مئی کے تیسرے ہفتے کے شروع میں ایک اعلیٰ سطحی وفد امریکی نائب وزیر خارجہ سٹراٹ ٹالبوٹ کی قیادت میں مذاکرات کے لئے اسلام آباد آیا' تاکہ پاکستان کو دھماکہ کرنے سے روکا جائے۔ امریکی سنٹرل کمان کے سابق کمانڈر جنرل زینی کے مطابق پہلے مرحلے پر تو جناب نواز شریف نے اس وفد کو پاکستان آنے سے روک دیا پھر آرمی چیف جنرل کرامت کی سفارش پر اجازت دے دی۔ اس وفد نے دھماکہ نہ کرنے کی صورت میں امریکہ کی طرف سے 5 بلین ڈالر سالانہ کی امداد کا وعدہ کیا بعض حلقوں کی طرف سے امریکہ نے دھماکہ نہ کرنے کی صورت میں میاں نواز شریف اور میاں شہباز شریف کو کروڑوں ڈالر کی ''رشوت'' دینے کی پیشکش کی اس کے علاوہ انھیں مختلف دھمکیاں بھی دی گئیں مگر وزیراعظم نے وہی کیا جسے ملک وقوم کے مفاد میں بہترین سمجھا اور 28/30 مئی کے چھ ایٹمی دھماکوں نے پاکستان کو عالمی ایٹمی طاقتوں کی صف





میں لا کھڑا کیا کہ آج بھی عالمی اور ملکی مبصرین کی یہی رائے ہے کہ اگر پاکستان اس وقت دھماکہ نہ کرتا تو پھر کبھی اسے ایٹمی دھماکہ کرنے کا موقع نہ ملتا۔ پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر امریکی دباؤ کے مندرجہ بالا مختصر پس منظر سے یہ بتانا مقصود تھا کہ محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی ڈی بریفنگ اور انکی نظر بندی اسی دباؤ کا ایک مظہر ہے دراصل پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی باری آ چکی ہے اس حوالے سے دیکھیے باب ''اب پاکستان کی باری ہے''

# اب پاکستان کی باری ہے

بعض تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ پاکستان کی بھی باری آ چکی ہے البتہ پاکستان میں ان کا طریقہ کار مختلف ہے۔ یہاں ہر کام برضا درغبت ہو رہا ہے۔ اس باب میں اسی حوالے سے بات کی گئی ہے اور مسلمان ممالک کی باریوں کے پس منظر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ صلاح الدین ایوبیؒ نے بارھویں صدی کے ربع آخر میں یورپ کی اجتماعی صلیبی طاقتوں کو سرزمین فلسطین و شام میں جو شکست دی تھی' جو زخم لگایا تھا' اسے صلیبی گذشتہ آٹھ سو سال سے بھلا نہیں سکے۔ حالانکہ ان کے اپنے مورخین کے مطابق دسویں صدی سے بارھویں صدی تک جاری رہنے والے یہ صلیبی محاربے ایک نیم جنونی راہب پیٹر دی ہرمٹ کے ''الہامات'' پر انحصار کرتے ہوئے خود صلیبیوں نے شروع کئے' اور اس ''مقدس جنگ'' کے مختلف مراحل میں سرزمین عرب کے مسلمان شہریوں کے جان' مال اور آبرو کے ساتھ ہی نہیں خود اپنے نوخیز ''مقدس مجاہدوں'' کے ساتھ وحشت و بربریت کے ایسے ایسے رویے روا رکھے کہ شرافت و شائستگی منہ چھپائے پھری۔ اس کے برعکس سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کا رویہ اتنا شائستہ اور اتنا رحمدلانہ اور مہذبانہ تھا کہ بقول لین پول انہوں نے ''شریف نائٹ'' کا خطاب پایا۔ اور ''صرف اعلانیہ جنگ میں دشمن سے بدلہ لیا عام شہریوں سے کوئی تعرض نہ کیا۔'' بایں ہمہ صلیبیوں نے کبھی بھی' کسی بھی موڑ پر صلاح الدین ایوبی اور ان کے مجاہد ساتھیوں کے دیئے ہوئے زخموں کو نہیں بھلایا بلکہ وہ ہمیشہ نفرت و انتقام کی آگ میں جلتے رہے اور جب بھی' اور جہاں بھی انہیں اس نفرت کے اظہار کا موقع ملا وہ اپنے آپ سے باہر ہو گئے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے ہوئے اور شام ''مال غنیمت'' میں فرانس کو ملا تو نظام حکومت کا چارج سنبھالنے کے لئے جو فرانسیسی جرنیل دمشق پہنچا وہ ہوائی اڈہ سے سیدھا مزار صلاح الدّین پر گیا اور ان کی قبر کو اپنے بھاری بوٹوں سے روندتے ہوئے انتہائی رعونت سے پکارا ''اُٹھو۔ سالادین ہم آ گئے ہیں'' (Saladin!Get up we have come) اسی طرح جب 8 دسمبر 1917 کو برطانوی فوج ایلن بی کی قیادت میں بیت المقدس میں داخل ہوئی تو برطانوی وزیراعظم لائیڈ جارج پارلیمنٹ میں دھاڑا:-

''آج ہم نے مسلمانوں سے صلیبی جنگوں کا بدلہ لے لیا ہے''

اور اب امریکہ نے افغانستان کو روندا تو امریکی صدر بش یہ کہے بغیر نہ رہے کہ یہ ''آخری صلیبی معرکہ'' ہے





## یہودی سازش

ستم یہ ہوا کہ مغرب کی مسلم دشمنی اس وقت اور بھی گہری اور قاتل ہوگئی جب عیار و مکار یہودیوں نے مغرب بالخصوص امریکہ میں بتدریج اپنا اثر و رسوخ بڑھا لیا۔ ہنری فورڈ اول نے ''بین الاقوامی یہودیت'' میں لکھا ہے کہ

''نیویارک کی ساری زمین یہودیوں کی ملکیت ہے یہی وجہ ہے کہ یہودی امریکہ کو ارض موعود اور نیویارک کو نیا یروشلم سمجھتے ہیں۔ وہ چونکہ سازشی ہیں اور جہاں جہاں رہے' وہاں انہوں نے سازشوں اور تخریب کاری کے ذریعہ اپنے مذموم مقاصد کو آگے بڑھایا اسی لئے ہر جگہ سے نکالے گئے اور آج امریکی اگر دنیا میں ذلیل' لالچی اور ظالم مشہور ہیں تو محض یہودیوں کے سبب' کہ کرتے وہ ہیں اور بدنام امریکی ہوتے ہیں۔''

''یہودی تخریبی افکار اور تخریبی کردار کے حامل ہیں سرمایہ اور غلہ کی منڈی پر قبضہ کرنے میں ماہر یہودیوں نے نہ صرف بنکنگ سسٹم پر قبضہ کیا بلکہ مزدوروں کی انقلابی اور ترقی پسند تحریکوں کو بھی یرغمال بنا لیا۔ تجارت اور تعلیم پر یہودی فکر نے پرے جمالئے' چرچ کو بھی اپنے زیر اثر کر لیا۔ آزادی فکر اور آزاد روی کے نام پر نوجوان نسل کو اخلاقی طور پر تباہ کیا۔ یہودیوں کو امریکہ کے مسائل اور مفادات سے کوئی دلچسپی نہیں' صرف پیسہ کمانے سے غرض ہے وہ کہیں بھی ہوں انکی اصل وفاداری یہودیت سے ہوتی ہے۔ جنگیں ان کی کھیتیاں ہیں۔ اس لئے وہ جنگ کے دوران سامان جنگ ہی کی نہیں بلکہ معلومات کی بھی تجارت کرتے ہیں اور ہر نئی جنگ کے بعد ان کی قوت اور دولت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہودی سمجھتے ہیں کہ عیسائیت کا مٹ جانا یقینی ہے اور یہ سرزمین ان کی ہے' ایک دن آنے والا ہے جب امریکہ ہی نہیں دنیا بھر میں وہ تمام اختیارات کے مالک ہوں گے. دنیا کے نظام کو تباہ کرنے کے لئے یہودیوں کے پاس آزاد خیالی اور لبرل ازم کا حربہ موجود ہے' اس حربے سے تعمیر کچھ نہیں ہوتا۔ البتہ پہلے سے موجود نظام تباہ و برباد ضرور ہو جاتے ہیں۔ یہودی سیدھے طریقے سے مقابلہ کرنے کے بجائے دوسروں پر کیچڑ اچھال کر انھیں رسوا کرتے' کانا پھوسی سے مہم آگے بڑھاتے پھر اپنے سارے سیاسی' اقتصادی اور قانونی ہتھکنڈے بروئے کار لے آتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ''یہودیوں کی ہر آنے والی نسل پہلے سے زیادہ طاقتور اور اپنے دشمن معاشرہ (ہر غیر یہودی معاشرہ) کے لئے زیادہ خطرناک ہوگی'' جدید یہودیت کا بانی تھیوڈر ہرزل لکھتا ہے کہ ''جب ہم ڈوبتے ہیں تو انقلابی عوام اور انقلابی پارٹی کے کارکن بن کر ظاہر ہوتے ہیں اور جب ابھرتے ہیں تو ہمارے ساتھ دولت کی بے پناہ قوت ہوتی ہے''

ہنری فورڈ اول نے ''یہودی پروٹوکولز'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ معاصر دنیا میں جو ذہنی' فکری معاشی اور سیاسی ابتری پھیلی ہوئی ہے اس کا سبب یہودی سازشیں ہیں جو دولت' علم اور سائنس پر ان کی گرفت کے سبب آگے بڑھ رہی ہیں۔ یہودی جس عالمی سلطنت کے قیام کیلئے جدوجہد کر رہے ہیں اس کے بارے میں یہودی پروٹوکولز میں کہا گیا ہے کہ

''یہود کی عالمی سلطنت اس وقت تک یہودیوں کو سونپی نہیں جائیگی' جب تک وہ مکمل محفوظ نہ ہو' اس وقت تک ہم سرکاری مناصب غیر یہود عناصر کے سپرد کریں گے جو ہمارے لئے کام کریں گے۔ رائے عامہ پر کنٹرول کے لئے عوام کو متصادم آرا کے ذریعہ کنفیوژ اور لوگوں کی کوتاہیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کریں گے تاکہ افراتفری میں کوئی خود کو سنبھال نہ سکے۔ لوگوں کی باہمی تفہیم ختم ہو جائے اور ان میں نا اتفاقی اور تصادم ہو تاکہ ان لوگوں کی ہمت کو پست کرسکیں جو ہمارے کام میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔'''' ہمارے اخبارات غیر یہود کے مذہبی معاملات اور سیاسی امور پر اس انداز سے تنقید کریں گے کہ وہ خود کو نااہل سمجھنے لگیں اس کے لئے ایسے الفاظ اور اصطلاحات استعمال کریں گے کہ جوان کے وقار و احترام کو تباہ کردیں ہم پریس پر اس حد تک کنٹرول حاصل کریں گے کہ تمام خبریں ہماری نیوز ایجنسیوں کے ذریعے اکٹھی کی جائیں اور اخبارات صرف وہی خبریں شائع کریں جن کی ہم اجازت دیں۔''

یہودی بڑوں کے منصوبے کی پہلی کڑی یورپ اور امریکہ کی معیشت پر قابو پانا تھا' دوسری کڑی فلسطین پر قبضہ کر کے اسرائیل کی گم گشتہ ریاست قائم کرنا اسے مسلسل توسیع دیتے رہنا' تمام دنیا کے یہودیوں کو اسرائیل میں جمع کرنا اور دنیا بھر میں یہودیوں کے مفادات کا تحفظ کرنا اور تیسرے مرحلے میں عالمی سلطنت کا قیام ہے۔ پہلی کڑی کی کامیابی کے بعد وہ دوسرے مرحلے یعنی اسرائیل اس کی توسیع اور استحکام کے لئے سرگرم عمل ہیں اور اس کے لئے غیر یہود محاذ بالخصوص امریکہ کو خوب استعمال کر رہے ہیں۔

## خفیہ یہودی ہتھیار

یہودی منصوبے کو آگے بڑھانے میں جن یہودیوں نے سرمایہ استعمال کیا اس میں سرفہرست تین یہود سرمایہ کاروں باور عرف راتھس چائلڈ (Rothschild) راک فیلر (Rockfeller) اور وار برگ (Warburg) کے خاندان ہیں جو بنک کاری' پٹرولیم' سٹیل' تجارت واقتصادیات اور بازار حصص' غرض کہ ہر شعبے میں چھائے ہوئے ہیں۔ امریکی اقتصادیات پوری طرح یہودیوں کی مٹھی میں ہیں۔ راتھس چائلڈ کی سرپرستی میں صیہونی مقاصد کی تکمیل کے لئے روشن نگاہ تحریک (Illuminate) کا آغاز کیا گیا' اس کا اولین مقصد دنیا کو مذہبی پابندیوں سے آزاد کرنا قرار دیا گیا۔ جس نے کچھ عرصہ بعد





فری میسن' کو جنم دیا۔ روشن نگاہ' روشن خیال تحریک نے ''عالم انسانی کی فتح کے لئے اسکولوں' کالجوں اور ذرائع ابلاغ پر قبضے کا فیصلہ کیا'' تو ریاستہائے متحدہ امریکہ اور برطانیہ کو اولین مرکز بنایا۔ اس لئے انہوں نے پہلے تو امریکہ کے وفاقی ریزروسسٹم (1913) پر ہاتھ صاف کئے پھر کونسل برائے امور خارجہ (1920) دی بلڈ برگر گروپ (1954) دی کلب آف روم (1974) اور ٹرائی لیٹرل (Trilateral) کمیشن (1973) کے نام سے نت نئی تحریکوں کو جنم دیا' ماضی قریب میں نیوایج موومنٹ (Newage Movement) اور ورلڈ کانسٹی ٹیوشن اسمبلی اینڈ پارلیمنٹ کے نام سے وجود میں آنے والی تحریکات بھی دراصل یہود کی عالمی سلطنت کے لئے کام کر رہی ہیں۔ یہودی سرمایہ سے قائم سینکڑوں ''تحقیقاتی مراکز''''تھینک ٹینکوں''''ٹرسٹوں'' اور ''فاؤنڈیشنز'' نے تعلیم و تعلم کے میدان میں امریکیوں کو یرغمال بنا رکھا ہے' جبکہ تمام بڑی صنعتیں 75 فیصد یہودیوں کے ہاتھ میں ہیں امریکہ کے 80 فیصد اخبارات' اور دیگر ذرائع ابلاغ کے پیچھے یہودی سرمایہ اور ذہن کارفرما ہے۔ Enroute to Global Occupation کے مصنف گیری ایچ کے (Garry H Kay) کے مطابق امریکی سیاست میں یہودیوں کا عمل دخل اس قدر ہے کہ

'' صدارتی دوڑ میں کوئی سیاستدان اس وقت تک شامل نہیں ہوسکتا جب تک وہ کونسل برائے امور خارجہ یا ٹرائی لیٹرل کمیشن سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ اور ان دونوں کے ارکان کی تعداد تین سے پانچ ہزار تک بتائی جاتی ہے اور یہ امریکی قوم کا مقدر بن چکے ہیں۔ ری پبلکن پارٹی یہودیوں کا قدرتی سیاسی گھر ہے جبکہ ڈیموکریٹک اور سوشلسٹ حلقوں پر بھی پورا کنٹرول رکھتے ہیں۔ ملک کے اندر کوئی برسراقتدار ہو' حکومت نیویارک چلاتا ہے' یہاں سے ہمیشہ یہودی کامیاب ہوتے ہیں۔ الیکشن کے بعد کوئی شخص یا گروہ یہودی کنٹرول سے باہر جانے کی کوشش کرے تو فوراً ''سکینڈل'''' تحقیقات'' اور ''مواخذہ'' کی باتیں ہونے لگتی ہیں صدر نکسن اور صدر کلنٹن کی مثالیں سامنے ہیں۔

1920 سے آج تک 18 میں سے 16 وزرائے خزانہ 1944 سے ابتک پندرہ میں سے تیرہ وزرائے خارجہ' تیرہ میں سے گیارہ قومی سلامتی کے مشیر اور تیرہ میں سے بارہ وزرائے دفاع ایسے ہوئے ہیں جو محولہ بالہ یہودی تنظیموں میں سے کسی نہ کسی کے ممبر رہے ہیں۔ 1935 سے ابتک فوجی سربراہ ماسوا جنرل نارمن شوازکوف کے تمام کے تمام ان تنظیموں کے رکن تھے۔ صدر ولسن سے ابتک جے. ایف کینیڈی اور رونالڈ ریگن کے سوا تمام امریکی صدور یہودیوں کے زیر اثر تھے۔ صدر ریگن نے ان تنظیموں کا اثر و رسوخ ختم کرنے کی کوشش کی مگر وہ غالباً اپنے نائب صدر جارج بش کی وجہ سے زیادہ کامیاب نہ ہوئے صدر جارج بش سینئر کے دور میں ان تنظیموں کے 750 ارکان اہم

مناصب پر قابض رہے۔ ان میں وزیر دفاع ڈک چینی، چیئرمین جائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی جنرل کولن پاؤل، مشیر قومی سلامتی برنٹ اسکوکرافٹ، وزیر خارجہ جیمز بیکر بطور خاص قابل ذکر ہیں۔''

بش جونیئر کی کابینہ میں ان سمیت تقریباً دو تہائی ارکان کا تعلق ان تنظیموں سے ہے اور امریکی عدلیہ، انتظامیہ اور عسکریہ میں 70 سے 80 فیصد کلیدی اسامیوں پر ایسے ہی لوگ فائز ہیں۔ اسلئے امریکہ کی خارجہ، مالیاتی، اور عسکری پالیسیوں پر تل ابیب کے اثرات ہمیشہ نمایاں رہے ہیں۔ گیری کے مطابق صدر بش سینئر نے 29 جنوری 1991 کو "The New World Order" کا نعرہ یہودیوں کے زیر اثر لگایا "Novus Ordo Seclorum" یعنی دی نیو ورلڈ آرڈر کے الفاظ پہلی مرتبہ صدر روز ویلٹ کے عہد میں ایک ڈالر کے نوٹ پر چھاپے گئے حالانکہ یہ گزشتہ پونے دوسو سال سے امریکی مہر کے الٹی سمت لکھے ہوئے تھے۔ لیکن انھیں امریکی عوام سے چھپا کر رکھا گیا۔

سینئر بش کے اس سلوگن کے جواب میں امریکی کانگرس کے رکن لیری پی میکڈونلڈ (Larry P Mcdonald) نے اپنی تقریر میں کہا تھا

''یہ خفیہ طاقتوں کا نعرہ ہے جو اپنے مقاصد کے لئے سب سے پہلے امریکہ پر مکمل گرفت چاہتی ہیں تاکہ اس کے اقتصادی و عسکری اثر و رسوخ کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر سکیں خلیجی جنگ اس طرف ایک قدم تھا، تاکہ امریکہ ایک غیر متنازعہ لیڈر کی حیثیت میں سامنے آئے۔ نیویارک عالمی سلطنت کا دارالحکومت بننے کی تمام خصوصیات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، اگر خفیہ طاقتیں یا یورپی ممالک یہ چاہتے ہیں کہ دارالحکومت یورپ میں ہو تو اس کے لئے نیویارک کو تباہ کرنا ہوگا اور یہ دو طرح سے ممکن ہے، اولاً اقتصادی تباہی یعنی مارکیٹ کو کریش کر دیا جائے، سرمایہ نکال لیا جائے ثانیاً مکمل تباہی جس کے لئے دہشت گردانہ اقدام کرنا ہوگا یا کوئی ایٹمی جنگ یا ایٹمی حادثہ اسے تباہ کر سکتا ہے۔'' پھر اس نے نیویارک اور بابل کے درمیان مماثلت کا ذکر کرتے ہوئے دعا کی کہ ''خدا نہ کرے کہ نیویارک بابل ثابت ہو۔''

امریکی دانشور جارج سورس (Georoge Soros) اپنی نئی کتاب "The Battle of American Supremacy" میں امریکی ایوان اقتدار میں یہودیوں اور ان کے حامی نیو کنزر کے اثر و رسوخ کو امریکہ کے لئے خطرناک قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک ان لوگوں کی فکری انتہا پسندی، منڈی کی انتہا پسندی سے مل کر دنیا پر امریکی غلبہ کے خوفناک تصور کو جنم دے رہی ہے۔ کچھ عرصے سے امریکی دانشوروں نے بھی اس یہودی غلبہ کے خلاف کھل کر لکھنا شروع کر دیا ہے کہ Anti-Christ بالآخر یاستہائے متحدہ امریکہ کو تباہ کر دیں گے۔ لیکن ستم یہ ہے کہ کیتھولک چرچ 1964 کی روم کانفرنس





یہودیوں کو حضرت مسیح علیہ السلام کے خون سے بری الذمہ قرار دے دیا اور پوپ پال ششم نے تو اپنے پادریوں اور مذہبی کارندوں کو فری میسن اور دوسری یہودی تنظیموں کے ممبر بننے کی اجازت دیدی ہے تاکہ ''یہودیوں کے منصوبوں کی تکمیل مین ان کی مدد کی جائے۔'' حالانکہ یہودیوں نے عیسائیوں کے بارے میں اپنے عزائم کو کبھی مخفی نہیں رکھا ایک یہودی مصنف مارکس ایلی راناج نے 1928 میں عیسائیوں کے نام ایک کھلے خط میں کہا کہ

''ہم نے تمہاری روحیں پراگندہ کر دیں، تمہارے عزائم شل کر کے رکھ دیئے اور تمہاری زندگی کے راستے پیچیدہ کر دیئے" میثال شیخانے ''الحوادث'' شمارہ نمبر 1101 میں لکھا ''صیہونیت پہلے عیسائیت کی اور اس کے بعد اسلام کی دشمن ہے۔''

## اسرائیل کی حدود

بایں ہمہ مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کا قیام امریکہ، برطانیہ اور روس کی مدد کا مرہون منت ہے اور پھر 1967 اور 1973 کی جنگوں میں بھی اسرائیل کو امریکہ کی مکمل تائید حاصل رہی۔ اس کی تصدیق امریکی سفیر جیمز آکنز، اسرائیلی چیف آف سٹاف اضحاک روبن اور کئی دوسرے کر چکے ہیں۔ اور اسرائیل مسلسل پھیل رہا ہے یہودی مصنفین کے مطابق عظیم تر اسرائیل میں پورا شام، لبنان، مصر، اردن و عراق کا بڑا حصہ، صحرائے سینا، بالائی نجد اور مدینہ منورہ شامل ہوگا۔ صیہونی عالمی سلطنت کے لئے اکیلا اسرائیل مصروف عمل نہیں، امریکہ و برطانیہ بھی برابر کے شریک کار ہیں۔ آج مغربی ممالک پوری طرح یہودی سرمایہ کی گرفت میں ہیں اور امریکہ کی تو مالیاتی و خارجہ پالیسیاں جیسا کہ ہنری فورڈ اول نے لکھا ہے تل ابیب میں بنتی ہیں۔

اسرائیل میں سابق امریکی سفیر جیمز آکنز کے الفاظ میں 1973 کی جنگ نے اسرائیل کے ناقابل شکست ہونے کا تصور ریزہ ریزہ کر دیا تھا، اس لئے یاسر عرفات امن کے پیامبر بن کر یو این او گئے تو امریکہ کے اشارہ پر اسرائیل سینائی اور گولان کی پہاڑیوں کو جزوی طور پر خالی کرنے پر رضامند ہوگیا، اسی بات نے اسرائیل کو 1978 میں کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے پر آمادہ کیا۔ یوں لگتا ہے کہ اس دوران میں امریکہ نے اسرائیل کے حوالے سے جو پالیسی بنائی اس میں اسرائیل کو مکمل تحفظ دینے اور مشرق وسطیٰ کے ان تمام ممالک کو کمزور یا ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا جو کسی وقت بھی اسرائیل کے لئے خطرہ بن سکتے تھے۔

پھر 1979 میں ایران میں اسلامی انقلاب آیا، پاکستان کی تائید سے افغانی عوام روسی یلغار کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوئے تو امریکہ اور مغربی دنیا کو ''اسلامی اخوت'' اور ''اسلامی جہاد'' کو

قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا مغرب کے اہل دانش پر نیز سی آئی اے اور دوسری خفیہ ایجنسیوں کی رپورٹوں کی روشنی میں امریکہ نے یہاں ایک طرف اپنے پرانے حریف سوویت روس کو خون میں نہلانے کے لئے ''جہادی اسلام'' کی تائید وحمایت کرنے کا فیصلہ کیا تو دوسری طرف وقت آنے پر ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی منصوبہ بندی بھی کی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ سوویت یونین کے خاتمے کے بعد امریکہ نے جہادی تنظیموں کو چین سے لڑانے کی کوشش کی تھی مگر حکومت پاکستان اور بعض مسلم رہنماؤں نے اس سازش کو ناکام بنادیا۔

## عراق ایران جنگ

امریکہ اور مغرب نے اپنے مقاصد کے لئے 1980 میں عراق اور ایران کو ایک دوسرے کے مقابل لا کھڑا کیا تاکہ دونوں کو کمزور کیا جائے امریکہ نے ایک طرف ''مذہبی ایران'' کے خلاف ''سیکولر عراق'' کی پوری مدد کی تو دوسری طرف انڈر ورلڈ اور اسرائیلی ایجنٹوں کے ذریعہ ایران کو بھی اسلحہ بیچا۔ مگر آٹھ سال تک جاری رہنے والی اس جنگ میں دونوں طرف بھاری جانی و مالی نقصان کے باوجود امریکہ کسی بھی آئل فیلڈ پر قبضہ نہ کرسکا تھا۔

## نئی صدی کے لئے منصوبہ بندی

دریں اثنا مغربی دانشوروں اور تھینک ٹینکوں نے مسلمانوں کے منبر ومحراب کو مغرب کے لئے تباہ کن ہونے کا تاثر دینا شروع کر دیا تھا اور متعدد مغربی دانشوروں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ ''تہذیبوں کے ٹکراؤ'' کا نظریہ آگے بڑھایا اسی دور میں سموئیل ہنٹنگٹن کی ''A Clash of Civilization'' کا خوب چرچا ہوا اس نے لکھا

> ''تہذیبوں کے تصادم میں آئندہ دنوں میں اسلام ایک بڑا نظریاتی چیلنج ہوگا' اور اسلام کا مغرب سے تصادم روز بروز بڑھتا چلا جائے گا۔''

امریکی پالیسی سازوں نے اکیسویں صدی کے منظر نامے کی تشکیل موجودہ صدی کے آغاز سے پہلے ہی کر لی تھی' بش سینئر کے دور میں پینٹا گان کے انڈر سیکرٹری پالیسی پال وولفووٹز کی تجویز پر جائنٹ سٹاف' ڈیفنس انٹیلی جنس' ڈیفنس پالیسی ڈیپارٹمنٹ اور تجزیاتی شعبے کے افراد پر مشتمل ٹیم نے ڈک چینی (اس وقت وزیر دفاع) کی نگرانی میں ایک منظر نامہ تیار کیا' جسے Regional Focussed National Military Strategy کا نام دیا گیا' اس میں سات بڑے اہداف کی نشاندہی کی گئی تھی جن میں عراق کی طاقت کو مکمل طور پر ختم کرنا اور عرب ممالک میں امریکی فوج کو کم از کم 2005 تک





رکھنا شامل تھا۔ اسی طرح اپریل 1990 میں صدر بش سینئر نے وائٹ ہاؤس میں یورپی ممالک کے نمائندوں کا ایک خصوصی اجلاس بلایا۔ بظاہر یہ اجلاس مشرق وسطیٰ کی کشیدہ صورت حال کے پیش نظر بلایا گیا تھا' مگر اس میں کسی عرب ملک کو شریک نہ کیا گیا۔ دراصل امریکہ مشرق وسطیٰ میں اپنے مفادات کے لئے یورپی برادری اور جاپان کے کندھے استعمال کرنا چاہتا تھا۔

مختصر یہ کہ امریکہ نے اپنے لئے جو مرحلہ وار ایجنڈا تیار کیا' اس کا مقصد عراق' ایران' پاکستان' ملائیشیا' ترکی اور عرب ممالک کو معاشی طور پر کمزور کرنا اور ان کی فوجی قوت کو مفلوج کرنا ہے اس حوالے سے سرفہرست ممالک وہ ہیں جو کسی بھی وقت اسرائیل کے لئے خطرہ بن سکتے ہیں' عراق کے بارے میں امریکہ کو خدشہ تھا' کہ ایٹمی قوت حاصل کرنے کے بعد وہ اسرائیل کو نیست ونابود کردے گا۔ اس لئے نہ صرف اس کے ایٹمی ری ایکٹر اور تنصیبات تباہ کی گئیں ایٹمی سائنسدان قتل کئے گئے ایران سے لڑایا گیا' اور اسی دوران میں (جون 1981) میں اسرائیل نے عراق کے سب سے بڑے ایٹمی مرکز اوسیراک کو تباہ کردیا۔

## پہلی خلیجی جنگ

اس کے باوجود امریکہ اور اسرائیل کے مقاصد پورے نہ ہوئے تو ایک نیا کھیل کھیلا گیا۔ کہ عراق میں متعین امریکی سفیر اپریل گلاسپی (April Glaspie) نے عراق کو اکسایا۔ صدر صدام امریکی سازش کا شکار ہوگئے۔ اور انہوں نے کویت پر قبضہ کر لیا امریکہ نے ''یوٹرن'' لیا اور پروپیگنڈہ اور سفارت کاری کے ذریعہ ایک دنیا کو اپنے ساتھ ملا لیا عراق پر قیامت برپا کردی گئی امریکی افواج کویت' سعودی عرب اور خلیجی ریاستوں میں اتار دیں' عراق لہولہو ہوگیا۔ مسلم ممالک کو کمزور کرنے اور تیل کے وسائل پر قبضہ کرنے کا امریکی ایجنڈا روبہ عمل آیا۔

عراق کویت تنازعہ نے عالم اسلام کو بہت نقصان پہنچایا۔ عرب لیگ' خلیجی تعاون کونسل اور او آئی سی مردہ گھوڑے ثابت ہوئے۔ دنیا کو یہ پیغام ملا کہ عالم اسلام منتشر اور بے جان ہے یہ ہڈیوں کے بغیر جسم ہے جبکہ امریکہ کئی جہتوں سے فائدہ میں رہا اس نے تیل کی دولت سے مالا مال عرب ممالک کو خوب اسلحہ بیچا' اسے عراق کے ہمسایہ عرب ممالک کے سیاسی' اقتصادی' اور سیکورٹی کے معاملات پر طبعی وعملی قبضہ کے لئے جواز مل گیا۔ خدا نہ کرے کہ ''امریکی مفادات کے تحفظ'' کے بہانے سعودی عرب کے تمام معاملات امریکی اپنے قبضے میں لے لیں اور سعودی اتھارٹی مکہ ومدینہ تک محدود ہو کر رہ جائے۔ گو سعودی عرب سے امریکی فوجیں چلی گئی ہیں لیکن خلیج عرب میں ان کی موجودگی' عربوں کی آزادی اور خودمختاری کے لئے مستقل خطرہ ہے۔

امریکہ نے کویت سے عراق کے انخلا کو کافی نہ سمجھتے ہوئے اقوام متحدہ کے ذریعہ پہلی خلیجی جنگ کے بعد عراق کو کس طرح مفلوج اور سرائیل کو مضبوط سے مضبوط تر بنایا اور اسرائیل تمام عالمی قوانین کو نظر انداز کرتے ہوئے جس سینہ زوری سے کام لے رہا ہے کسی سے مخفی نہیں اس نے فلسطینیوں پر ان کی اپنی ہی سرزمین پر جس طرح ریاستی تشدد، قتل عام اور دہشت گردی کے ذریعہ عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ وہ تہذیب اور شائستگی کا سبق دینے والے امریکہ کے نزدیک ظلم نہیں بلکہ ظلم وتشدد کی اس آندھی کے سامنے بند باندھنے والے بے وسیلہ اور نہتے ''حماس'' اور ''انتفادہ'' کے نوعمر رضا کار دہشت گرد ہیں' بقول امریکی نائب وزیر خارجہ ''اسرائیلی فوج تو انتفادہ کی اشتعال انگیزی کے جواب میں کاروائی کرتی ہے۔''

انسانیت اور امن کے نام پر امریکہ اور اس کے حواریوں نے کرہ ارض پر جو وحشیانہ جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ وہ دراصل دنیا کے تمام تر ماوی وقدرتی وسائل پر قبضہ کرنے کیلئے ہے ورنہ اسکی کوئی منطق اور اخلاقیات نہیں۔ بھارتی دانشور روندھیاتی رائے نے درست لکھا ہے کہ

> ''نئے سامراج کا ایک ہی ایجنڈا ہے کہ ایسے تمام ممالک جن کی کوئی بھی پولیٹیکل اہمیت یا کسی بھی سائز کی پرائیویٹ مارکیٹ یا نجی شعبے میں دینے کے لئے انفراسٹرکچر یا کسی بھی قسم کے قدرتی وسائل ہوں ان کو وہی کرنا چاہیے جو ''نیا سامراج'' کہتا ہے ورنہ اس کی جارحیت کا نشانہ بننے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔''

## 9/11 کا سانحہ

ستمبر 2001 کے سانحہ کو بہانہ بنا کر نئے سامراج نے افغانستان میں جو قیامت برپا کی اس کے پس منظر میں قدرتی وسائل اور وسط ایشیا کے تیل کے ذخائر پر قبضہ کرنے کی خواہش کارفرما تھی کیونکہ اس وقت امریکی اقتدار کے ایوانوں میں تیل کے بیوپاریوں کا راج ہے اور امریکہ جو کچھ کر رہا ہے اس بارے میں کینیڈا کی وزیراعظم جین کری ٹن کا یہ تبصرہ سو فیصد درست ہے۔

> ''یہ امریکہ کا لالچ ہے' حرص ہے اور جب تک امریکہ اپنے وزن کے بوجھ سے خود ہی نہیں گر پڑتا یہ لالچ اسے ادھر ادھر دوڑاتا رہے گا۔''

تیل نے دنیا کو بہت دکھ دیئے ہیں۔ تیل اور انسانی مصائب کا چولی دامن کا ساتھ ہے برطانوی جائنٹ انٹیلی جنس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ

> ''1973 میں عرب اسرائیل جنگ کے بعد تیل کے لئے امریکہ نے چھاپہ مار دستوں کے ذریعہ سعودی عرب اور کویت پر قبضے کا منصوبہ بنایا تھا۔ برطانیہ سے کہا گیا تھا کہ وہ ابوظہبی کے تیل کے ذخائر پر قبضہ کرلے لیکن بعض حلقوں کی طرف سے شدید مخالفت کے باعث اس منصوبے کو ترک کر دیا گیا۔''





## افغانوں کا قصور

9/11 کے سانحہ کے تناظر میں جس کے بارے میں اکثر امریکی دانشوروں نے اعتراف کیا ہے کہ اس میں اسامہ یا طالبان کے ملوث ہونے کی کوئی شہادت سامنے نہیں آئی۔ امریکہ محض اسلئے افغانستان پر چڑھ دوڑا کہ امریکہ اور اسرائیلیوں کا ایک ''گیم پلان'' تھا اس کے لئے امریکہ نے اسامہ بن لادن اور طالبان کی مبینہ دہشت گردی کو جواز بنایا حالانکہ معاملہ کچھ یوں ہے کہ اول تو جیسا کہ آئی ایس آئی کے سابق ڈائریکٹر آپریشنز بریگیڈیر ترمذی نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے سوویت روس کے خلاف جہاد میں افغان رہنماؤں نے امریکہ کے ہاتھوں یرغمالی بننے سے انکار کر دیا تھا۔ انہوں نے افغانستان کو ایک سیکولر ریاست بنانے کے امریکی خواب کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا اسلئے پہلے تو امریکہ نے افغانستان میں خانہ جنگی کو ہوا دی کہ اس سے تنگ آ کر افغان اسکی جھولی میں آ گریں گے لیکن جب نو آزاد وسط ایشیائی ریاستوں نے بھی بڑی تیزی سے اپنے ثقافتی اسلامی ورثے کی طرف مراجعت شروع کر دی تو امریکہ کو یوں محسوس ہوا کہ کیسپین کے علاقہ کا 270 بلین بیرل تیل اس کے ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے پاکستان سے رجوع کیا کہ وسط ایشیائی جمہوریتوں سے رابطہ کیلئے افغانستان کو محفوظ بنایا جائے۔ اس کے بعد ہی 29 اکتوبر 1994 کو آئی ایس آئی کی نگرانی میں طالبان نے جو دراصل پاکستان میں زیر تعلیم افغان طلبا تھے۔ افغانستان میں اپنے پیر جمائے۔ امریکہ نے طالبان کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے کا یقین دلایا اور امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ترجمان گلین ڈیویز (Glyn Devies) نے کہا کہ طالبان کی طرف سے افغانستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ پر امریکہ کو کوئی اعتراض نہیں' پھر ایک ماہ کے اندر ہی تیل کی سب سے بڑی امریکی کمپنی یونوکال (UNO-Cal) ترکمانستان سے افغانستان کے راستے ایک ہزار کلومیٹر لمبی پائپ لائن کے بارے میں مفاہمت کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ تاہم بہتر مفادات کے حصول کیلئے طالبان نے پائپ لائن پر کوئی معاہدہ کرنے سے قبل ارجنٹائن سے رابطہ کیا۔ تو امریکہ بگڑ گیا اور اس کی کھلی دھمکی کے باوجود جب طالبان نے جھکنے سے انکار کر دیا تو امریکہ اسامہ بن لادن اور ''القاعدہ'' کو پناہ دینے کا ''الزام'' لگا کر افغانستان پر چڑھ دوڑا۔ حالانکہ اسامہ کو امریکہ ہی افغانستان میں لایا تھا اور بریگیڈیر ترمذی کے مطابق اسامہ نے خوست میں پہاڑوں کے اندر جو کمپلیکس تعمیر کروایا جس میں بڑا اسلحہ خانہ' تربیتی کیمپ اور میڈیکل انسٹی ٹیوٹ شامل ہیں. اسکی تعمیر کے لئے تمام سرمایہ امریکی سی آئی اے نے فراہم کیا تھا۔ اسامہ کے تربیتی کیمپوں کے لئے رضا کار اور سرمایہ فراہم کرنے والوں میں سعودی عرب' سی آئی اے' آئی ایس آئی' اور بی سی سی آئی شامل رہے ہیں۔ اسامہ پر

امریکی الزامات کے جواب میں ملا محمد عمر کا رویہ تھا کہ ''دہشت گردی کے واقعات میں اسامہ کے ملوث ہونے کے ثبوت دو اور اسامہ لے لو'' لیکن امریکہ ثبوت کہاں سے لاتا۔

## افغانستان پر قبضہ کیوں کیا؟

افغانستان پر امریکی قبضے کا مقصد اسامہ اور القاعدہ کے خاتمے سے زیادہ طویل المعیاد مفادات کے لئے اس اہم سٹرٹیجک علاقے پر امریکی اثر و رسوخ اور گرفت کو یقینی بنانا ہے۔ امریکی دانشوروں اور مغربی میڈیا کی رپورٹوں کے مطابق امریکہ نے بہت پہلے افغانستان پر حملہ اور قبضہ کرنے کا منصوبہ بنا لیا تھا' اور امریکی جنرل ٹومی فرینکس نے اپنی کتاب ''امریکی سپاہی'' میں لکھا ہے کہ ''امریکہ دراصل افغانستان اور پورے وسط ایشیاء کی ریاستوں کے تیل کے ذخائر پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔'' افغانستان پر قبضے کے بعد بھی امریکہ افغانستان میں اسلئے تباہی پھیلا رہا ہے کہ وہ اسامہ کی آڑ میں ان تمام لوگوں کو ختم کر دینا چاہتا ہے جو مستقبل میں کسی وقت اور کہیں بھی امریکہ کی مخالفت کر سکتے ہیں اسی لئے اس نے اس جنگ کو مبینہ ''دہشت گردی'' کے خلاف عالمی جنگ کا رنگ دے دیا ہے۔

افغانستان میں آنے سے وسط ایشیائی ممالک کے ہائیڈروکاربن (تیل وگیس) ذخائر تک امریکی رسائی ممکن ہوگئی ہے۔ موجودہ مارکیٹ کے حساب سے امریکی تیل کے ذخائر کی قیمت تقریباً 2 ٹریلین ڈالر اور وسط ایشیاء ذخائر کی مالیت 40 ٹریلین ڈالر ہے۔ اس کے علاوہ کیسپین کا علاقہ آبی وسائل سے بھی مالا مال ہے۔ افغانستان پر قبضہ سے امریکہ نے خطے میں فوجی وسیاسی برتری حاصل کر لی ہے افغانستان میں قائم امریکی اڈے اب مشکل ہی سے ختم ہوں گے اور ان اڈوں سے امریکہ وسط ایشیائی ریاستوں کے ''انتہا پسندوں''، چین، روس، پاکستان اور ایران پر بھی نگاہ رکھ سکے گا۔ امریکہ میں ایک مضبوط لابی یہ سمجھتی ہے کہ عراق اور افغانستان پر قبضے کے بعد ''بدمعاش'' ریاست ایران کا گھیراؤ آسان ہوگیا ہے۔

## عراق پر قبضہ

امریکہ چاہتا تو پہلی خلیجی جنگ (1990/91) ہی میں عراق پر قبضہ کر کے اپنی من پسند حکومت مسلط کر دیتا' لیکن اس طرح صدام کا ہوا دکھا کر اس نے پچھلے عشرہ میں عربوں کو جس طرح لوٹا ہے وہ ممکن نہ ہوتا۔ امریکہ نے اپنی حکمت عملی سے گذشتہ عشرے میں پورے خلیجی عرب ممالک کو اقتصادی طور پر کمزور کر دیا ہے۔ فاضل بجٹ کے حامل عرب ممالک بھی اب ہر سال خسارے کا بجٹ دے رہے ہیں۔ مزید براں امریکہ نے گذشتہ دس سالوں میں اقوام متحدہ کے ذریعے عراق کو مختلف النوع پابندیوں کے شکنجے میں





جکڑ کر تقریباً مفلوج کر دیا اس کے باوجود بھی عراق' امریکہ' کے نزدیک اسرائیل کے لئے خطرہ تھا' حالانکہ عراق پر حملے سے اختلاف کی بنا پر بش کے انسداد دہشت گردی کے مستعفی ہونے والے مشیر رچرڈ اے کلارک نے تصدیق کی ہے کہ صدر بش نے اقتدار میں آنے کے فوراً بعد ہی سی آئی اے اور پینٹاگان کو اس بارے میں منصوبہ بندی کی ہدایات جاری کر دی تھیں۔ رچرڈ کلارک کے مطابق یہ دراصل وزیر دفاع رمز فیلڈ اور نائب وزیر خارجہ پال وولفووٹز کا ذاتی ایجنڈا تھا اسی لئے مہلک ہتھیاروں کی تیاری کے حوالے سے اقوام متحدہ کی انسپکشن ٹیم کے سربراہ ہانس بلیکس نے امریکہ کے ہاتھوں میں کھیلنے سے انکار کر دیا تو صدر بش نے تمام اخلاقی اور بین الاقوامی ضابطوں کے برعکس اپنے روایتی اتحادیوں فرانس اور مغربی جرمنی کو نظر انداز کرتے اور اقوام متحدہ کو روندتے ہوئے 20 مارچ 2003 محض اسلئے عراق پر تباہ کن حملہ کیا کہ امریکہ واسرائیل کے لئے صدام کے عراق کا وجود ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔

## امریکی عزائم کیا ہیں؟

بدقسمتی یہ ہے کہ عراق پر امریکی کاروائی پر 58 اسلامی ممالک میں سے حکومتی سطح پر صرف ملائیشیا کے ڈاکٹر مہاتیر محمد کو یہ کہنے کی جسارت ہوئی کہ ''امریکہ کی مہم دراصل اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ ہے'' جبکہ باقی کبوتروں کی طرح آنکھیں بند کئے بیٹھے رہے اور سمجھتے رہے کہ امریکی باگڑ بلا صرف عراق کی گردن دبوچ کر مطمئن ہو جائے گا عالمی امن کی ٹھیکیدار اقوام متحدہ کی قلعی بھی کھل گئی۔ اب تو خود امریکی انتظامیہ نے اعتراف کر لیا ہے کہ مہلک ہتھیاروں کا الزام محض ایک بہانہ تھا اور سابق امریکی صدر کارٹر کا کہنا ہے کہ

> ''امریکہ اور برطانیہ نے مل کر عراق پر ایسی جنگ تھوپی جس کا کوئی جواز نہ تھا اور اس کے خلاف کیس جھوٹ اور صرف جھوٹ پر مبنی تھا۔ واشنگٹن اور لندن نے انتہائی گھناؤنا کردار ادا کیا۔''

پروفیسر اینڈریو بیسیووچ کے مطابق ''عراق تو محض ایک علامت ہے' جس کا سہارا لیکر امریکہ نے دنیا کو بتایا ہے کہ اب وہ اپنے کسی بھی مستحکم حریف کو ابھرنے کا موقع نہیں دے گا۔'' جبکہ امریکی دانشور اور سیاسی مفکر نوم چوسکی کے الفاظ میں ''امریکہ کے سامراجی اور استعماری مقاصد ایک امپیریل گرینڈ اسٹریٹیجی سے مربوط ہیں اور عراق پر قبضہ اس مقصد کی طرف سفر ہے۔'' امریکہ پوری دنیا کی توانائی کے بہاؤ پر کنٹرول چاہتا ہے۔ عراق پر قبضہ کے بعد نہ صرف مشرق وسطیٰ کی معدنی دولت امریکہ کے ہاتھ آگئی ہے بلکہ وہ وسط ایشیا کی 6.3 ٹریلین مکعب فٹ آئل وگیس کے ذخائر کا مالک بھی بن جائے گا۔ امریکہ میں تیل کے سوتے خشک ہو رہے ہیں جبکہ عراق کے موجودہ دریافت شدہ ذخائر ایک صدی تک امریکی ضروریات

پوری کر سکتے ہیں۔

عراق پر حملے کا بنیادی مقصد تیل کے ذخائر پر قبضہ اسی لئے تو بغداد میں داخلہ کے بعد امریکی دستوں نے طے شدہ منصوبے کے مطابق سیدھا عراقی وزارت تیل کا رخ کیا اور وہاں موجود ریکارڈ کو فوری طور پر محفوظ کرلیا۔ جبکہ دوسری طرف عراق میں لوٹ مار جاری رہی یوں بھی امریکی جائنٹ چیف آف سٹاف جنرل رچرڈ میئرز نے لگی لپٹی رکھے بغیر کہہ دیا تھا کہ ''میرے نزدیک فی الحال عراقی تیل ہی امریکہ کی ترجیحات میں سرفہرست ہے۔'' اور کیوں نہ ہوتا؟ بش خاندان تیسری نسل سے تیل کے کاروبار سے وابستہ ہے۔ یوں امریکہ اس وقت بھی تیل کی دنیا پر قابض ہے۔ ادپیک کے بڑے ممالک کے تیل کے کنوئیں امریکی تیل کمپنیوں کے قبضے میں ہیں۔ تیل کی ترسیل وتقسیم کا سارا کنٹرول امریکہ کے ہاتھ میں ہے اس وقت تیل کی بین الاقوامی قیمتیں امریکہ طے کرتا ہے۔ عراق پر قبضے کا دوسرا سبب اسرائیل کو سپر پاور بنانا اور مشرق وسطیٰ کا نقشہ تبدیل کرنا ہے اسی لئے اسرائیل کی دہشت گردی اور داداگیری کو مکمل امریکی آشیرباد حاصل ہے۔

## خلیجی ریاستیں اور روشنی کا سفر

اس میں شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ مبینہ دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ کے کی زد میں صرف مسلمان حکومتیں آئیں گی۔ افغانستان وعراق کو لہولہو کرنے کے بعد امریکہ اپنے ایجنڈے کے اگلے مرحلے میں عالم اسلام بالخصوص عرب ممالک کے سیاسی نظاموں میں تبدیلی کے لئے پر تول رہا ہے۔ اور عرب سربراہوں کو خبردار کیا جارہا ہے کہ آئندہ ان سے تعلقات' دوستی اور حمایت امریکی خواہشات پر مبنی نئے جمہوری اور روشن خیال سیاسی سسٹم کے قیام سے مشروط ہوں گے۔ قطع نظر اس کے کہ مسلم ممالک کے سیاسی نظام میں کچھ ایسے پہلو ہیں جو آج کے جمہوریت پسند شہری کو پسند نہیں کرتے لیکن بعض مسلمان دانشور بلاسوچے سمجھے ہر امریکی اقدام کی تائید کو اپنا جزو ایمان سمجھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ امریکی بالادستی کا ایجنڈا ہے اور انھیں افغانستان وعراق کی مثالوں سے سبق لینا چاہیے۔

امریکہ نے ''عظیم تر مشرق وسطیٰ'' کی فلاح وبہبود کے لئے جو منصوبہ پیش کیا ہے وہ مراکش سے پاکستان تک پھیلا ہوا ہے۔ اس خیال کو اول اول دسمبر 2002 میں ہیریٹیج فاؤنڈیشن کی ایک تقریب میں امریکی وزیر دفاع کولن پاول نے ''امریکہ اور مشرق وسطیٰ کے درمیان پارٹنرشپ'' کے عنوان سے پیش کیا اس کے فوراً بعد امریکہ کی طرف سے ''عرب انسانی ترقی کی رپورٹ Arab Human Development Report 2002" سامنے آئی اس میں پورے عالم عرب کے افلاس اور





پسماندگی کو نمایاں کیا گیا تھا۔ مغربی دانشوروں نے نیا فلسفہ دیا کہ مذہبی انتہا پسندی اور اس کے نتیجے میں ہونے والی دہشت گردی کو فروغ دینے میں افلاس اور ضروریات زندگی کا فقدان بنیادی کردار ادا کرتا ہے (فلسطین' کشمیر' چیچنیا' افغانستان' اور عراق کے عوام کی آزادی چھین کر انھیں غلاموں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرنا ان دانشوروں کے نزدیک کس روشن خیالی کی دلیل ہے)

امریکہ نے ''عظیم تر مشرق وسطیٰ'' میں جن ممالک کو شامل کیا ہے وہی ہیں جنھیں اسرائیل اپنی سلامتی کے لئے انتہائی خطرناک سمجھتا ہے گویا اس منصوبے کا اصل یا بنیادی مقصد بھی اسرائیل کی سلامتی کو یقینی بنانا ہے۔ بش نے اس نظریے کو آگے بڑھانے کے لئے انہی نیو کنزرویٹوز اور اسرائیل کو چنا ہے' جنھوں نے افغانستان اور عراق کو موت کی وادیوں میں دھکیلا اور امریکہ کو دنیا بھر میں رسوا کیا۔ امریکہ کی اس روش کے باعث یورپی اقوام بھی اس کے عزائم کے بارے میں مشکوک ہیں اور یورپی عوام بھی کہنے لگے ہیں کہ یورپ کو امریکی مفادات سے لاتعلقی کا اعلان کردینا چاہیے 70 فیصد فرانسیسیوں نے تو کھل کر امریکہ سے چوکس رہنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔

## سعودی عرب پر دباؤ

بعض مبصرین کا خیال ہے کہ امریکہ عراق کے بعد سعودی عرب' شام اور ایران میں سے کسی ایک کو نشانہ بنائے گا آج کل سعودی عرب میں پے درپے تخریب کاری کے جو واقعات ہورہے ہیں ان کے پیچھے بھی امریکہ کا ہاتھ بتایا جاتا ہے وہ اس ''تخریب کاری'' اور ''القاعدہ کی سرگرمیوں'' کو سعودی عرب میں داخل ہونے کے لئے بطور جواز پیش کرے گا۔ ویسے تو عراق پر ''پیشگی حملے'' کی روایت کے بعد امریکہ کو کسی جارحیت کے لئے کوئی جواز ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں۔ سعودی عرب سے تعلقات میں سردمہری بلکہ کشیدگی امریکی طوطا چشمی کی ایک روشن مثال ہے سعودی عرب نے ماضی میں جس قدر امریکہ میں بھاری سرمایہ کاری کی اور بنکوں میں نقد رقوم جمع کروائیں اور امریکہ کو اقتصادی مشکلات سے نکالنے کے لئے کروڑوں ڈالر کے ہتھیار خریدے امریکہ نے ان سب کا لحاظ کئے بغیر 9/11 کے بعد سعودی عرب پر اپنا دباؤ بڑھانا شروع کیا لیکن سعودی عرب نے امریکہ کے کہنے پر بعض مخیّر سعودی زعماء کے اکاؤنٹس منجمد کرنے سے انکار کردیا کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے عطیات سے کئی فلاحی ادارے چل رہے ہیں' امریکہ کی طرف سے اسرائیل کی اندھی حمایت پر بھی شہزادہ عبداللہ اور وزیر خارجہ سعود الفیصل نے کڑی تنقید کی تھی جس سے کہ امریکہ سعودی عرب سے مزید بگڑ گیا۔

ایک ریٹائرڈ امریکی جنرل نے سعودی عرب اور امریکہ کے تعلقات میں آنیوالی سردمہری کو

مریکہ کی طرف سے اسرائیلی حکومت کے مجرمانہ رویے کی حمایت اور اس میں معاونت کرنے کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ یہودی لابی سعودی عرب کے خلاف مسلسل پروپیگنڈہ کر رہی ہے اور شہزادہ عبداللہ تو امریکہ مخالف قرار دے چکی ہے یہودی لابی کے مطابق عرب ممالک خصوصاً سعودی عرب بنیاد پرستوں کی حمایت کر رہے ہیں اور ان کے دینی مدرسے امریکہ کے لئے زبردست خطرہ ہیں۔

سیاسی مبصرین کا خیال ہے کہ عظیم تر مشرق وسطیٰ کا تصور دراصل سعودی عرب اور دوسرے عرب ممالک کے خلاف کارروائی کا جواز ڈھونڈنے اور مخالفانہ پروپیگنڈہ مہم کو تقویت دینے کے لئے کھڑا کیا گیا ہے۔ مبصرین سعودی عرب سے پہلے ایران اور شام کو امریکی ہدف قرار دیتے ہیں کیونکہ امریکہ' شام اور ایران کے خلاف اقتصادی پابندیاں لگا چکا ہے۔ صدر بش کے نزدیک ''شام کے پاس کیمیائی ہتھیار ہیں'' اس کے علاوہ امریکہ نے شام کو ''بدمعاش ریاستوں'' کے حلقہ احباب میں شمار کیا ہے اور عراق میں جاری مزاحمتی جنگ میں اور ایران کے خفیہ ہاتھ کا پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔

## ایران

امریکی خارجہ پالیسی کے تحت اسرائیل کی سلامتی کے لئے ایران بھی اقتصادی ودفاعی لحاظ سے مفلوج کرنا ضروری ہے اس لئے ایران مسلسل امریکی سیٹلائٹس کی زد میں ہے' ایران کا پرامن ایٹمی پروگرام امریکہ کے نزدیک حصول توانائی تک محدود نہیں حالانکہ ایران نے یورینیم کی افزودگی روکنے اور IAEA کو اپنی ایٹمی تنصیبات کے معائنہ کی اجازت اور NPT کے اضافی پروٹوکول پر دستخط کر دینے جیسے مثبت اقدامات کئے ہیں مگر امریکہ اور IAEA میں ان کے ایجنٹ مطمئن نہیں ہوئے اخباری اطلاعات کے مطابق امریکہ نے ایران کی اسلامی حکومت کو ختم کرنے کے لئے مہلک ہتھیاروں کا واویلا مچانے کے علاوہ حکومت مخالف گروہوں کی طرف سے بغاوت کے لئے خطیر فنڈ مختص کر دیئے ہیں۔ اور جواز جمہوریت اور انسانی حقوق کی بحالی کے نعرہ میں ڈھونڈا گیا ہے امریکی عہدیدار مسلسل کہہ رہے ہیں کہ وعدوں کے باوجود ایران وہی کچھ کر رہا ہے جس وجہ سے عراق اور شمالی کوریا میں معائنہ کاری متاثر ہوئی۔

## پاکستان ــــ اگلا ہدف

بین الاقوامی اور علاقائی طور پر تیزی سے بدلتی ہوئی صورت حال کے حوالے سے دیکھا جائے تو امریکہ کا اگلا ہدف (خاکم بدہن) پاکستان ہے اسرائیلی وزیراعظم ایریل شیرون نے عراق کے خلاف مہم کے ابتدائی دنوں میں کہا تھا ''عراق کو غیر مسلح کرنے کے بعد پاکستان ایران اور شام کو غیر مسلح کیا جائے





گا۔'' کیونکہ ان ممالک کے خطرناک ہتھیار دنیا کو تباہ کر سکتے ہیں جبکہ یہودی ابلاغی میڈیا کے زیراثر عالمی میڈیا نے ہماری قومی سلامتی کو ہدف بنا لیا ہے۔ ہمیں پوری دنیا میں ایک خوفناک مضطرب اور تباہ کن ملک اور ''ناکام ریاست'' کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ عام آدمی کے لئے یہ بات حیران کن ہے کہ وہ پاکستان جو ہمیشہ سے امریکی کیمپ میں رہا ہے اور بعض اوقات اسے امریکی دوستی کی وجہ سے انتہائی گمبھیر حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے امریکہ کا ہدف بن جائے۔ یہاں اس امر کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ گو مشرق بعید کے دو اہم ممالک انڈونیشیا اور ملائیشیا میں تیل نہیں ہے مگر وہ انھیں بھی کسی طرح سکون اور اطمینان میں نہیں دیکھنا چاہتا اور حیلے بہانے ان کو کمزور کرنے کے درپے رہتا' چنانچہ انڈونیشیا میں امریکہ نے 1999 میں یہ کھیل رچایا کہ اس کے جزیرہ مشرقی تیمور میں عیسائی مسلم فسادات کروائے' اس پر فوج میں اختلاف ہوا تو اقوام متحدہ کی نگران فوج جا پہنچی پھر امریکہ نے بحالی امن کے نام پر اس جزیرہ پر مکمل قبضہ کر لیا اور یوں انڈونیشیا کو اس سے کاٹ دیا گیا جبکہ کشمیر اور فلسطین کے باشندے گزشتہ نصف صدی سے اپنے حق خود اختیاری کے لئے لڑ رہے ہیں' وہ امریکہ کے نزدیک دہشت گرد ہیں۔ امریکہ انڈونیشیا کی طرح چند سال قبل ملائیشیا کو بھی ایک جھٹکا دے چکا ہے' وہ یوں کہ سابق وزیراعظم مہاتیر محمد کی خوش آئند معاشی پالیسیوں کی بدولت ملائیشیا معاشی لحاظ سے ایشیاء کا ٹائیگر شمار ہونے لگا ہے یہ صورت حال امریکہ کو قبول نہیں تھی یوں بھی دنیا کی 100 بڑی ملٹی نیشنل کمپنیوں میں سے اسّی کمپنیاں امریکہ میں ہیں' ان کمپنیوں نے ملائیشیا کے حوالے سے ایسی پالیسیاں اپنائیں اور یک بیک سرمایہ کاری سے ہاتھ کھینچ لیا کہ ملائیشیا کی معیشت دیوالیہ ہونے کے قریب پہنچ گئی وہ تو مہاتیر محمد کی حکمت عملی اور تدبر نے اپنے ملک کو سنبھال لیا۔ ملائیشیا اور انڈونیشیا کی طرح پاکستان میں بھی (فی الحال) بڑے پیمانے پر تیل دریافت نہیں ہو سکا لیکن اس میں شک نہیں کہ پاکستان معدنی وقدرتی وسائل سے مالا مال ہے لیکن پاکستان دراصل درج ذیل وجوہات کی بنا پر امریکہ اور اسرائیل کو کھٹکتا ہے۔ اور انہی وجوہات کی بنا پر پاکستان کی باری آ سکتی ہے یا بقول بعض تجزیہ نگاروں کے آ چکی ہے۔

## 1- نظریاتی تشخص

پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا ہے' مصور پاکستان علامہ اقبال کے فلسفیانہ مباحث اور بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے منطقیانہ اور سیاسی دلائل سے قطع نظر ایک عام مسلمان کے لئے بھی پاکستان کا حصول مسلمانوں کی پوری ملی ہستی کے تحفظ اور ملی آرزوؤں کی تکمیل کا مسئلہ تھا۔ اسلامیان ہند کے نزدیک دوقومی نظریہ' محض وقتی نعرہ نہ تھا بلکہ ایک لابدی حقیقت ہے انہوں نے حصول پاکستان کی

جدوجہد میں اس لئے حصہ لیا اور قربانیاں دیں کر وہ پاکستان کو اسلامی عقیدوں کی تجرہ گاہ بنانے کے آرزومند تھے' ہماری قیادت کی بےعملیوں اور دانشوروں کی کج فہمیوں کے باوجود قوم آج بھی اسلام اور اس کے تاریخی ورثہ کو پاکستانی قومیت کی روح اور پاکستان کی جغرافیائی حدود کو اس کا بدن سمجھتی ہے۔ اپنوں اور غیروں کی طرف سے دیئے جانے مختلف النوع مغالطّوں کے باوجود تقسیم ہند کو خالصتاً ایک معاشی اور سیاسی مسئلہ باور کرنے پر آمادہ نہیں ہوسکی۔ وہ بجا طور پر پاکستان کو اسلام کا قلعہ سمجھتی اور کہتی ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا۔ اسلامیان پاکستان کی اسلام سے وابستگی لازوال ہے یہ ایک ایسا نکتہ ہے کہ جس سے ''ابلیس'' بھی گھبراتا ہے اور بہ الفاظ اقبال' یہ جاننے کے باوجود کہ ''یہ امت حامل قرآن'' نہیں اور ''پیران حرم کی آستین'' ''بے ید بیضا'' ہے ابلیس پکار اٹھتا ہے

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہیں — جس کی خاکستر میں ہے ابتک شرار آرزو
جانتا ہے جس پر روشن باطن ایام ہے — مزوکیت فتنہ فردا نہیں 'اسلام ہے

کیونکہ باوجود اپنی بےعملیوں اور بدعملوں کے مسلمان شرع پیغمبر سے بے اعتنائی اور آئین پیغمبر سے لاتعلقی اختیار نہیں کرسکتا' گیا گذرا مسلمان بھی ناموس رسالت پر کٹ مرنے کو سعادت سمجھتا ہے۔ قرآن کا یہی وہ حیات بخش اور حیات آفریں پیغام ہے جس سے امریکہ اور دوسرے خوفزدہ ہیں' حالانکہ وہ ترکی میں یہ تجربہ کرچکے ہیں کہ اسلام کی فطرت میں قدرت نے ایسی لچک رکھی ہے کہ جتنا اسے دبایا جائے یہ اتنا ہی ابھرتا ہے۔ ترکی کو اپنے رنگ میں رنگنے کے لئے ان لوگوں نے کیا کیا جتن نہیں کیئے۔ مگر اسی ترکی میں احیائے اسلام کا مرحلہ تیز رفتاری سے جاری ہے۔ وسط ایشیائی ریاستیں 70/80 سال بعد اپنے اسلامی ورثے کی طرف رجوع کررہی ہیں۔ دشمن سمجھتا ہے کہ اگر پاکستان موجودہ حالت میں قائم رہتا ہے تو احیائے اسلام کی تحریکیں چلتی رہیں گی اور جہاد کے نعرے بلند ہوتے رہیں گے۔ وہ دراصل ملت اسلامیہ پاکستان کے بدن میں ''روح محمدؐ'' کی موجودگی سے خوفزدہ ہے جو پاکستان کا نظریاتی تشخص ہے' اور اس حوالے سے روز اول ہی سے پاکستان دشمنوں کی نظر میں کھٹکتا رہا ہے۔

## 2- پاکستان ایک جوہری قوت

پاکستان امریکہ اور دوسری بڑی طاقتوں کی مخالفت اور پابندیوں کے باوجود جس تیزی سے دنیا کی پہلی اور واحد مسلمان ایٹمی طاقت بن گیا ہے اسے دنیا ہضم نہیں کر پا رہی' سچ یہ ہے کہ بڑی ایٹمی طاقتوں بالخصوص امریکہ اور یہودیوں کے لئے یہ ناقابل برداشت ہے کہ دنیا کا کوئی مسلمان ملک ایٹمی طاقت بن جائے' وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو اسی لئے ''عبرت کی مثال'' بنایا گیا۔ جنرل ضیاء الحق کے





طیارے کو حادثے کا شکار بنانے کے پیچھے ایک سبب یہ بھی تھا کہ انہوں نے امریکہ کے روکنے کے باوجود کہوٹہ پروجیکٹ جاری رکھا' اور نواز شریف بھی اقتدار کے ایوانوں سے اسلئے رخصت ہوئے کہ انہوں نے صدر کلنٹن کے منع کرنے کے باوجود ایٹمی دھماکے کرکے پاکستان کو ایٹمی طاقت بنادیا۔ پنٹاگون نے اکیسویں صدی کے ابتدائی سالوں کے لئے RFMS کے نام سے جو پلاننگ کی ہے اس میں پاکستان کے حوالے سے اس کی ایٹمی صلاحیت کا خاتمہ سرفہرست ہے۔ 28 مئی 1998 کے ایٹمی دھماکوں کے بعد امریکی نائب وزیر خارجہ پکرنگ کا بے اختیار پکار اٹھنا کہ ''ہم پاکستان کا ایٹم بم برداشت نہیں کرسکتے'' اور کلنٹن کا یہ کہنا کہ ''پاکستان نے اپنی سلامتی کی ضمانت حاصل کرنے کا موقع کھودیا ہے'' بے معنی نہیں تھے جبکہ آج ڈیموکریٹک صدارتی امیدوار سینیٹر جان کیری بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ ''موجودہ تناظر میں ہم ایک اسلامی ملک پاکستان کے پاس ایٹم بم برداشت نہیں کرسکتے'' یعنی امریکی انتظامیہ کو ایسے پاکستان کی سلامتی گوارا نہیں کہ جس کے ہاتھوں میں ایٹمی ہتھیار ہوں بلکہ حالات وواقعات پر گہری تجزیاتی نظر رکھنے والوں کا تو یہ کہنا ہے کہ امریکہ پاکستان کو صرف روشن خیال' جدید اور ترقی پسند ریاست نہیں بنانا چاہتا بلکہ اسے ایک ایسی طفیلی ریاست بنانا چاہتا ہے جس کے ایٹمی پروگراموں اور میزائلوں پر پنٹاگون کا کنٹرول ہو۔ چنانچہ ڈیموکریٹک صدارتی امیدوار جان کیری بھی اپنے پالیسی بیانات میں کہہ چکے ہیں کہ ان کے صدارتی ایجنڈے میں پاکستان میں جمہوریت کو کوئی زیادہ اہمیت حاصل نہیں ہوگی' اصل اہمیت ایٹمی ٹیکنالوجی کے مسائل اور دہشت گردی کو حاصل رہے گی۔ جبکہ ری پبلکن صدر بش کے دباؤ پر محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور ان کے رفیق کار ایٹمی سائنسدانوں کے خلاف ''ایٹمی پھیلاؤ'' کا کھیل بھی اسی لئے رچایا گیا کہ پاکستان کو دباؤ میں لایا جائے' مبصرین کا کہنا ہے کہ امریکہ نے صدر جنرل پرویز مشرف کی طرف سے اختیار کردہ حکمت عملی اور ان کی یقین دہانیوں کو وقتی طور پر اسلئے قبول کیا ہے کہ ابھی اسامہ بن لادن اور ان کی ''القاعدہ'' زندہ ہے اسلئے انھیں پاکستان کی ضرورت ہے 'اسامہ بن لادن کا قصہ تمام ہونے یا دہشت گردوں کی طرف سے مطمئن ہوجانے پر جب انھیں پاکستان کی ضرورت نہیں رہے گی تو پھر یقیناً پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی باری آئے گی اور پاکستان کو کسی طور بھی بخشا نہیں جائے گا۔ اس کی تصدیق 5 فروری 2004 کے بعد سے ابتک کے امریکی بیانات اور اقدامات سے بھی ہوتی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ (نومبر 2003 تا فروری 2004) کی ہلچل کے بعد امریکہ نے پاکستان سے ایٹمی پھیلاؤ کے مبینہ معاملے پر جو ''خاموشی'' اختیار کی اس کا سبب وہی ہے جس کا اظہار مغربی پریس نے انہی دنوں امریکی رویے پر تبصرہ کرتے ہوئے کیا تھا کہ امریکہ کو القاعدہ کے خلاف دہشت گردی کی جنگ میں پاکستان کی ضرورت ہے۔

امریکہ اور یہودی لابی پہلے ہی روز سے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کا ''اسلامی بم'' کے نام دے رہی تھی اور ایک عرصے سے اس مفروضے کا پروپیگنڈہ کرتی رہی ہے یہ دراصل عالم اسلام کا ایٹمی پروگرام ہے اور پاکستان بوقت ضرورت کسی بھی اسلامی ملک کے لئے اس بم کو استعمال کرسکتا ہے اور بالخصوص اسرائیل کو تو بطور خاص اس کا ہدف بتایا جاتا رہا ہے۔اس لئے امریکہ نے مختلف مراحل پر اسے رول بیک اور فریز کرانے کی کوشش کی مگر ہر چال ناکام گئی' یہانتک کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو تباہ کرنے کے منصوبے بھی بنائے جاتے رہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پاکستان کے ایٹمی تجربوں پر عالم اسلام میں یک گونہ اطمینان اور مسرت کا اظہار کیا گیا اور کئی مسلم دانشور اور رہنماؤں نے پاکستان کی اس کامیابی کو امت مسلمہ کا مشترکہ ورثہ قرار دیا ہے اور ان کی بدولت عالم اسلام بلکہ تیسری دنیا میں پاکستان کا قد کئی گنا بڑھ گیا لیکن پاکستان دشمنوں کے سینے پر سانپ لوٹ گئے اور وہ پاکستان کی اس سٹریٹجک پیش رفت کو ہضم نہیں کر پا رہے۔

جوہری پروگرام پر امریکہ کا معیار یوں بھی دوہرا ہے ایک طرف اس نے اسرائیل کے ایٹمی پروگرام سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں تو دوسری طرف بھارت پر کبھی بھی اس نے وہ پابندیاں نہیں لگائیں جن سے 1979 سے پاکستان کو اکثر و بیشتر دوچار ہونا پڑا ہے'امریکہ پاکستان کے اس موقف کو ماننے سے انکاری ہے کہ اس کا جارح ہمسایہ بھارت پاکستان کے بارے میں مذموم عزائم رکھتا ہے'اور اس کی جارحیت کا مقابلہ کرنے اور جنوبی ایشیا میں استحکام اور امن کے لئے پاکستان بھی ایٹمی ہتھیاروں سے لیس ہو دراصل جیسا کہ امریکی صدر کلنٹن نے 2000 میں بھارت کے دورہ سے قبل کہا تھا بھارت اور امریکہ کی اقدار اور منزلیں مشترکہ ہیں۔

## 3-اسلامی امہ سے گہری وابستگی

پاکستان کو کمزور کرنے کی اعلانیہ اور غیر اعلانیہ کاروائیوں کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پاکستان پہلے ہی روز سے خود کو امت اسلامیہ کا ایک جز اور خود کو مسلم نیشلزم اور اسلامی یونیوسلزم کا حصہ قرار دیتا ہے جبکہ امریکہ اور مغربی دنیا کے لئے یہ بات حیران کن ہے کہ آخر وہ کونسی بات ہے کہ مسلمان مذہبی اور ملی معاملے میں دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک متحد ہوجاتے ہیں اور آپس کے نسلی'لسانی اور مسلکی اختلافات کو بھلا دیتے ہیں۔مسلمانوں کے اس جذبے کو اگرچہ امریکہ نے افغانستان میں سوویت جارحیت کے خلاف خوب استعمال کیا اور اپنے حریف کے حصے بخرے کردیئے لیکن وہ مسلمانوں کے اس فطری جذبے کو ایک اچھا وصف سمجھنے کے بجائے اس سے خوفزدہ ہوگیا۔جہانتک پاکستان کا تعلق ہے تو قیام





پاکستان سے قبل بھی اسلامیان ہند اس بارے میں بڑے حساس تھے'چنانچہ شاہ ولی اللہ کی تحریک ہو یا ریشمی کی تحریک خلافت ہو یا جمال الدین افغانی کی تحریک انہوں نے پورے جوش و جذبے سے حصہ لیا'مصور پاکستان علامہ اقبالؒ تو جمال الدین افغانی کو دور جدید کا مجدد اور دور حاضر کی مسلم نشاۃ ثانیہ کا مسلسل قرار دیا'اور اپنے بارے میں ''پان اسلامسٹ'' کی اصطلاح استعمال کرنے والوں کے جواب میں کہا''مجھے پین اسلامسٹ ہونے کا اعتراف ہے'اور میرا اعتقاد ہے کہ ہماری قوم ایک شاندار مستقبل رکھتی ہے اور جو مشن اسلام کا اور ہماری قوم کا ہے وہ ضرور پورا ہوکر رہے گا''اور بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ نے بھی اسی نظریے اور ورثے کو آگے بڑھایا انہوں نے 27 اگست 1948 کو قیام پاکستان کے بعد پہلی عید پر اپنے پیغام میں مسلمان ملکوں کو عید کی مبارکباد دیتے ہوئے احساس دلایا کہ

> ''ہم یکساں طور پر خطرناک اور کٹھن دور سے گذر رہے ہیں۔سیاسی اقتدار کا جو ڈراما فلسطین'انڈونیشیا اور کشمیر میں کھیلا جارہا ہے'وہ ہماری آنکھیں کھولنے کے کافی ہونا چاہیے۔ہم اپنے اسلامی اتحاد کے ذریعے ہی دنیا کے مشورہ خانوں میں اپنی آواز کی قوت محسوس کراسکتے ہیں۔''

قیام پاکستان کے بعد مسلمانان عالم کی ہر مصیبت میں اس سرزمین کے مسلمان مسلسل شریک اور غمگسار رہے ہیں'اسلامی ممالک کی کانفرنس کی تنظیم جیسی بھی ہے اس کی نیو اٹھانے میں اور اسے آگے بڑھانے میں پاکستان نے موثر کردار ادا کیا ہے۔پاکستان رابطہ عالم اسلامی اور موتمر عالم اسلامی کا فعال رکن ہے'قیام پاکستان کے فوراً بعد برسراقتدار مسلم لیگ کے صدر چوہدری خلیق الزمان خان کی قیادت میں بعض مسلم لیگی زعما نے مسلم ممالک پر مشتمل ''اسلامی بلاک'' بنانے کی کوشش شروع کردی تھی'اس کا مقصد پورے عالم اسلام کو ایک ثقافتی'سیاسی اور مذہبی یونٹ بنانا تھا'یہ تحریک اگرچہ بوجوہ کامیاب نہ ہوسکی لیکن پاکستان کی سرزمین سے یہ سوچ اور فکر ختم نہیں ہوئی'بار بار اس کے عملی مظاہرے بھی ہوتے رہے ہیں'اور حالیہ سالوں میں افغانستان جہاد میں پاکستانیوں کا حصہ لینا اس جذبے کا عملی مظاہرہ تھا'جبکہ ایران عراق جنگ میں پاکستان کا بعض دوست طاقتوں کی طرف سے دباؤ کے باوجود غیر جانبدار رہنا بلکہ دونوں مسلم ممالک کے درمیان جنگ بند کرانے کی کوشش کرنا اسی اخوت اسلامی کے جذبہ کا اظہار تھا'اس طرح پاکستان نے عراق کے خلاف جارحیت کی مذمت کی۔بلکہ پاکستان کی ہر مسجد اور ہر امام بارگاہ میں فلسطین'کشمیر'چیچنیا کی آزادی وخود مختاری اور دوسرے علاقوں کے مظلوم مسلمانوں کے لئے ظلم سے نجات اور سرخروئی اور دشمنوں اور ظالموں کی شکست کی دعائیں مانگی جاتی ہیں۔حیران کن امر یہ ہے کہ بوسنیا'ہرزوگووینا اور چیچنیا جیسے دور دراز علاقوں میں ظالم طاقتوں کے خلاف جہاد کے لئے کئی نوجوان

ازخود وہاں پہنچ گئے۔مختصر یہ کہ تاریخی اعتبار سے اسلام اورامہ سے وابستگی اور گہرا تعلق اسلامیان پاکستان کی گھٹی میں ہے۔کیونکہ حدیث رسول کے مطابق مسلمان باہم ایک ہی جسم کے مختلف اعضاء کی طرح ہیں اور جب کوئی ایک عنصر تکلیف میں مبتلا ہوتو دوسرا درد محسوس کرتا ہے۔

## 4-اسرائیل دشمنی

سرزمین فلسطین میں اسرائیل کا وجود امریکہ اور برطانیہ کی طرف سے یہودیوں کے لئے ایک تحفہ ہے ورنہ اس کا نہ کوئی اخلاقی جواز ہے اور نہ سیاسی توجیہہ۔اسلئے جب ابھی امریکہ و برطانیہ یہودیوں کو یہ گہوارہ فراہم کرنے کی سازش کرر ہے تھے'مسلمانان ہند بالخصوص آل انڈیا مسلم لیگ نے قائداعظم محمد علی جناحؒ کی قیادت میں فلسطین میں اسرائیل کے وجود کو عربوں کے سینے میں خنجر کے مترادف قرار دیا اور اس کی مخالفت کی'اوراسی اصولی پالیسی کے تحت پاکستان نے اسرائیل کو آج تک تسلیم نہیں کیا جب کہ امریکہ کی خارجہ پالیسی میں اسرائیل نوازی کو بنیادی عنصر کی حیثیت حاصل ہے بلکہ بعض امریکی دانشور یہاں تک کہتے ہیں کہ امریکہ کی خارجی اور مالیاتی پالیسیاں بنتی ہی تل ابیب میں ہیں'اورامریکی سیاست ومعیشت پر یہودیوں کو جو غلبہ حاصل ہے اس کے باعث امریکی صدر اور ہررکن امریکی کانگرس کا منشاومقصود یہودیوں کی حمایت حاصل کرنا ہے کیونکہ امریکہ اسرائیل کے بعد یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز ہے۔جہاں یہودیوں کی ایک ہزار سے زائد تنظیمیں کام کررہی ہیں اور یہ یہودی اور تنظیمیں اسی ملک وقوم کو اپنا دوست سمجھتے ہیں جو اسرائیل کا بھی دوست ہو'اسرائیل کا دشمن ان یہودیوں کا دشمن ہے ۔اسرائیل کو تسلیم نہ کرنا اس کی سفارتی مخالفت'اوراسرائیل کے مقابلے میں فلسطینیوں اورعربوں کی کھل کر حمایت کرنا ایسا جرم ہے جس کے باعث امریکی اور اسرائیلی یہودی پاکستان کے لئے اچھے عزائم نہیں رکھتے۔ان کی خواہش یہی ہے کہ کسی طرح پاکستان کو تباہ و برباد کردیا جائے۔

یہ بات بھی ڈھکی چھپی نہیں کہ بین الاقوامی الیکٹرانک میڈیا اوراخبارات پر یہودیوں کی مکمل اجارہ داری قائم ہے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو اسلامی بم کا نام اسی یہودی میڈیا نے دیا اوراب یہی میڈیا پاکستان کے خلاف زبردست پروپیگنڈہ کررہا ہے۔بین الاقوامی یہودی فورم نے امریکہ کے بعد یورپ میں بھی قدم جمالئے ہیں پاکستان اوراسلام کے خلاف جتنا پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے سب اس فورم کا کیا دھرا ہے'یہودیوں کی خواہش ہے کہ فلسطین اور مشرق وسطٰی کے حوالے سے ایسا فارمولہ تیار کیا جائے کہ اردن'لبنان' فلسطین'مصر سمیت تمام عرب ممالک اسرائیل کی بالادستی قبول کرلیں۔اسرائیل دنیا بھر کے یہودیوں کی سازش کا مرکز ہے اسرائیل سے ہمدردی رکھنے والے امریکی یہودی کسی صورت میں





پاکستان کے ہمدرد نہیں ہوسکتے۔

اس سینار یو میں اگر ہمسایہ بھارت کی پاکستان دشمنی کو بھی شامل کرلیا جائے تو صورتحال بہت سنگین نظر آتی ہے سچ یہ ہے کہ بھارت کبھی بھی اچھا ہمسایہ ثابت نہیں ہوا اس کی قیادت آج تک فراموش نہیں کرسکی کہ پاکستان کے قیام سے ان کا اکھنڈ بھارت کا خواب پورا نہیں ہوسکا'ہندو بنیا'ہندو برہمن بھی مغربی صلیبیوں کی طرح مسلم فاتحین کے ہاتھوں اپنی شکست کو نہیں بھلا سکا حالانکہ فتح وشکست زمانے کے ہیر پھیر کا حصہ ہیں۔اندرا گاندھی کی بہو'سونیا گاندھی نے کچھ عرصہ قبل بمبئی میں ''جدید ہتھیار اور ہم'' کے موضوع پر ایک سمینیار سے خطاب میں کہا''بھارت نے ثقافتی یلغار سے پاکستان کی بنیاد تک ہلادی ہے'آج کی جنگیں صرف جغرافیائی سرحدوں پر نہیں لڑی جاتیں بلکہ اذہان اورنظریات پر بھی حملے کئے جاتے ہیں۔چند مذہبی انتہا پسندوں نے ہندوستان کو اپنے مذموم مقاصد کے لئے تقسیم کرایا تھا لیکن وقت نے دوقومی نظریے کی بنیاد کو ہی ریزہ ریزہ کردیا ہے۔'''

پاکستان دشمنون کی سازش اورخواہشوں کے علی الرغم پاکستان کا قائم رہنا ایک طرف اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان اورمعجزہ ہے تو دوسری طرف پاکستان کے بدخواہوں کے لئے ایک تکلیف دہ امر'یہ عناصر اسلامیان پاکستان کو اپنے مستقبل سے مایوس کرنے کے لئے مختلف ادوار میں مختلف النوع شوشے چھوڑتے رہتے ہیں۔مثلاً 1960 اور 1970 کے عشروں میں امریکی دانشوروں کے ایک گروپ نے ایک گروپ نے پاک بھارت کنفیڈریشن کی تجویز آگے بڑھائی۔اورامریکی صدر جان ایف کینیڈی نے بھی اپنی کتاب The Strategy of Peace میں اس تصور کی خوب وکالت کی'بعض حلقوں کے مطابق 1965 پاک بھارت جنگ بھی اسی تناظر میں کرائی گئی'پھر 1971 میں پاکستان کو دولخت کیا گیا تو اس میں بھارت کے ساتھ ساتھ اسرائیل' سوویت روس اورامریکہ بھی شامل تھے مگر اس سے بھی ان کا ایجنڈا پورا نہ ہوا۔بھارت کے انتہا پسند ہندو بھارت کو''وینس ڈیمیلو''(وہ یونانی دیوتا جس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہیں) سمجھتے ہیں کہ اس کے دو بازو پاکستان اور بنگلہ دیش کٹے ہوئے ہیں۔

امریکہ پاکستان کے بارے میں اس خوف کا اظہار کرتا ہے کہ یہاں کسی وقت بھی''انتہا پسند'' اور''دہشت گرد'' برسراقتدار آسکتے ہیں اور ایٹم بم پر قبضہ کرسکتا ہے۔اصل مسئلہ انتہا پسند نہیں کہ یہ سب جانتے ہیں کہ پاکستان میں کوئی بھی سیاسی ومذہبی تنظیم ان معنوں میں انتہا پسند نہیں'جن معنوں میں امریکہ قرار دیتا ہے اور یوں بھی غیر ذمہ دار افراد کے ہاتھ ایٹم بم لگنے کا کوئی امکان نہیں۔صدر کلنٹن کا دورہ پاکستان کے دوران یہ کہنا بےمعنی نہ تھا کہ''پاکستانیوں کو سوچنا چاہیے کہ ایٹم بم حاصل کرنے کے بعد وہ مضبوط ہوئے ہیں یا پہلے سے بھی کمزور ہوگئے ہیں۔'' پہلے ہمارا دشمن بھارت تھا'آج امریکہ اور اسرائیل

بھی ہمارے دوست نہیں ہیں بلکہ اگر کھل کر کہا جائے تو حقیقت ہے کہ بھارت اسرائیل اور امریکہ کی تکون یا ان تینوں ممالک کے پاکستان دشمن حلقوں کا آپس میں گٹھ جوڑ گہرا ہوتا جا رہا ہے۔ان چار بڑے فیکٹرز کی بنا پر جن کا رویہ ذکر کہا گیا ہے پاکستان کے خلاف ایک غیر محسوس جنگ کا آغاز ہو چکا ہے جو ہماری کسی بھی غلطی سے ایک باقاعدہ جنگ کی شکل بھی اختیار کر سکتی ہے۔اب یہ حکومت' عوامی رہنماؤں اور اہل امرائے اداروں اور شخصیات کا کام ہے کہ وہ اس بات کا تجزیہ کریں اور اسے سمجھیں کہ آیا پاکستان کی باری آ چکی ہے یا نہیں؟اور اگر آ چکی ہے تو ہم نے بحیثیت ملک وقوم اس صورت حال کا کیسے مقابلہ کرنا چاہیے۔





# اصل ہدف ــــــ پاک فوج اور آئی ایس آئی

قارئین کرام۔جس طرح ہم سب کو پاکستان کی ایٹمی قوت' جس نے وطن عزیز کی سرحدوں کو محفوظ بنایا پر فخر ہے اور اس حوالے سے اسلامی امہ بھی پاکستان کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتی ہے۔اسی طرح افواج پاکستان اور اسکا ذیلی ادارہ آئی ایس آئی اپنی اعلیٰ پیشہ ورانہ صلاحیتوں' کٹھن ترین حالات میں لاثانی کارکردگی اور مملکت خداداد پاکستان کے دفاع کے جذبے سے سرشاری کی بنا پر دنیا بھر کے جنگی امور اور سٹریٹجک حلقوں سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہیں۔یہ حقیقت ہے کہ اگر ہمارے یہ قابل فخر قومی ادارے نہ ہوتے تو دشمن کو واہگہ کی سرحد پار کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا لیکن جس طرح محسن پاکستان کی سرکردگی میں ہمارا ایٹمی جن کو قابو کر لینا دنیا کی آنکھوں میں کھٹک رہا ہے اور اب پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو غیر محفوظ اور خطرناک ثابت کرنے کا عمل شروع ہو چکا ہے' اسی طرح میری دانست میں اور میرے تجزیے کے مطابق افواج پاکستان اور آئی ایس آئی کے حوالے سے بھی شک شبہ پیدا کرنے کا غیر محسوس طویل المعیاد پروگرام شروع ہو چکا ہے۔اس باب کا مقصد افواج پاکستان کی بے پایاں دفاعی قوت اور پاکستان کے سٹریٹجک مفادات کے حصول کے لئے آئی ایس آئی کی بے پناہ پنہاں طاقت کا سرسری ذکر اور ان اداروں کے بارے میں دوسروں کے عزائم سے آگاہ کرنا ہے۔میرا موضوع تحریر ہمیشہ پاکستان کی سیکورٹی رہا ہے۔لیکن میں اپنی بات 1947 سے شروع کرونگا۔

دنیا میں صرف وہی قومیں صاحب عزت اور باوقار کہلانے کی مستحق ہیں' جو آزادی کی نعمت سے کما حقہ بہرہ ور اور اپنی آزادی کے تحفظ پر قادر ہوں' اس لئے عالمی منظر نامہ میں روز اول ہی سے ہر ملک' اور ہر قوم نے اپنی بقا' سالمیت اور غیر ملکی جارحیت سے تحفظ کے لئے مسلح افواج کی تعمیر و تشکیل کی اہمیت وضرورت کو محسوس کیا ہے اور انتہائی کٹھن حالات میں بھی اپنی فوج کو ضروری جنگی ساز وسامان 'ہتھیاروں اور صلاحیتوں سے لیس کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہر فوج اپنے فرائض کی ادائیگی میں اپنی تاریخی روایات' جغرافیائی سرحدوں اور دشمن کی واضح شناخت سے تحریک اور فیضان حاصل کرتی اور پھر دفاع وطن میں جان تک کی بازی لگا دیتی ہے البتہ تاریخ کے ہر دور میں چند ممالک ضرور ایسے ہوتے ہیں جو اپنے جارحانہ عزائم اور توسیعی منصوبوں کی تکمیل کے لئے بڑی بڑی فوجی چھاؤنیاں قائم کرتے ہیں اور تباہ کن ہتھیاروں کے انبار پر انبار لگائے چلے جاتے ہیں۔اور جیسے ہی موقع ملتا ہے اپنے سے کمتر

طاقت والے ممالک کو ہڑپ کر جاتے ہیں۔اور اپنے دائرہ اقتدار کو پھیلاتے چلے جاتے ہیں۔جیسا کہ آج کے دور میں امریکہ' اور پاکستان کا ہمسایہ بھارت کر رہے ہیں۔امریکہ دنیا کی واحد سپر پاور ہونے کے زعم میں پوری دنیا پر حکمرانی کے خواب دیکھ رہا ہے' جارج بش جونیئر کے الفاظ میں امریکہ ''مستقبل قریب میں اپنے آپ کو ایسی ریاست کے روپ میں دیکھ رہا ہے' جو عسکری قوت کے اعتبار سے مکمل طور پر مطلق العنان ہو اور کوئی بھی اسے چیلنج کرنے کی پوزیشن میں نہ ہو' بھارت بھی ایشیا بالخصوص جنوبی ایشیا کے حوالے سے ایسے ہی خواب دیکھ رہا ہے اور اس پورے خطے کو اپنی لپیٹ میں لے لینا چاہتا ہے۔

برصغیر جنوبی ایشیا کے نقشے میں 1947 میں پاکستان کا ظہور' برطانوی ہند کی دو مملکتوں میں تقسیم سے اور برطانوی سامراج اور برصغیر کی ہندو قیادت کی بھرپور مخالفت کے علی الرغم عمل میں آیا اور پاکستان کی خالق مسلم لیگ کے بالمقابل ہندوؤں کی نمائندہ انڈین کانگریس نے اسے بامر مجبوری قبول کیا تھا' ہندو رہنماؤں کی بھاری اکثریت اس مغالطے میں مبتلا تھی' کہ جو ''کٹا پھٹا پاکستان'' قائم ہوگا وہ زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکے گا' چنانچہ سردار پٹیل اور جواہر لعل نہرو سمیت کانگرسی رہنماؤں کا کہنا تھا کہ ''کٹے پھٹے پاکستان کو جو وسائل حاصل ہوں گے ان کی بنا پر اس ملک کے قائم رہنے کا کوئی امکان نہیں'' اس لئے تقسیم ہند کے منصوبے کو تسلیم کرتے ہوئے کانگریس نے 16 جون 1947 کو جو قرارداد منظور کی اس میں کہا گیا:۔

> ''پہاڑوں اور سمندروں نے ہندوستان کو ایک جغرافیائی وحدت بنا دیا ہے ہمارے دلوں میں ہمیشہ متحدہ ہندوستان کا تصور قائم رہے گا اور امید ہے کہ جب عوام کے جذبات مائل بہ سکون ہوں گے۔تو وہ خود بخود دو قوموں کے نظریے کو ترک کر دیں گے۔''

اس قرارداد میں جس ''متحدہ ہندوستان کا تصور'' قائم رہنے کی بات کی گئی ہے' وہ بھارتی قیادت کے دل و دماغ سے کبھی محو نہیں ہوا۔اس حقیقت کے باوجود کہ پاکستان دشمن کی تمام تر سازشوں اور اپنی بعض کمزوریوں کے علی الرغم ساٹھ سال بعد بھی قائم ہے بلاشبہ بھارت کی سازشوں اور جنگی کاروائیوں اور کچھ ہماری اپنی عاقبت نااندیشیوں کے باعث 1971 میں پاکستان دولخت ہوگیا لیکن بھارت کی خواہش اور توقعات کے برعکس بنگلہ دیش نے بھارتی کالونی بننے سے انکار کر دیا۔بایں ہمہ بھارت کے ہندو رہنما پاکستان کے وجود کو آج بھی ایک حقیقت' ایک وطن' ایک ملک تسلیم کرنے سے گریزاں ہیں اور حالیہ دنوں میں انہوں نے پھر سے کھلے عام برصغیر کی ''فیڈریشن'' اور ''کنفیڈریشن'' کے نام پر اپنے خبث باطن کا اظہار کرنا شروع کر دیا ہے۔وہ اپنے ذہنوں میں مغرب میں کوہ ہندوکش سے لیکر مشرق میں بنگال و آسام تک' شمال میں کشمیر اور افغانستان سے لیکر جنوب میں بحر ہند تک کے پورے علاقے کو تیسری چوتھی صدی قبل مسیح کے چندر گپت اور اشوک کی ''اکھنڈ بھارت'' نامی ایک عظیم ہندو سلطنت کی حیثیت سے





بسائے ہوئے ہیں اور اس خواب کی تعبیر کے لئے آئے روز طرح طرح کے جتن کرتے رہتے ہیں۔جن میں ہمسایہ ممالک میں تخریب کاری اور داخلی انتشار کو ہوا دینے' (سری لنکا) اپنی پسند کے حکمرانوں کو برسر اقتدار لانے (نیپال) یا بغاوت کرانے (مالدیپ) داخلی تخریب کاری اور بیرونی مداخلت (بنگلہ دیش) کے ذریعہ حصے بخرے کرنے کے علاوہ اپنی عسکری و فوجی طاقت میں بے پناہ اضافہ کرنے جیسے اقدامات شامل ہیں اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کا کوئی ہمسایہ اس کے لئے چیلنج پیدا نہیں کرنا چاہتا' اور نہ توسیع پسندانہ عزائم رکھتا ہے بھارت اپنی عسکری طاقت میں ہر سال اضافہ کرتا جا رہا ہے۔

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی قیام پاکستان کے موقع پر یہ سوچ تھی کہ ماضی قریب میں برصغیر کی دو بڑی قوموں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو تلخی پیدا ہوئی ہے وہ قیام پاکستان کے بعد بتدریج ختم ہو جائیگی۔اور دونوں ہمسایہ ممالک امریکہ و کینیڈا کی طرح اچھے ہمسایوں کی طرح رہیں گے۔اس سلسلے میں وہ پاکستان کے بارے میں بعض کانگرسی رہنماؤں کی طرف سے کھلے عام منفی جذبات کے اظہار کو بھی زیادہ اہمیت نہیں دے رہے تھے۔لیکن اس کے برعکس ہندو رہنماؤں کی طرف سے جس طرح برصغیر کی پانچ ہزار سالہ تاریخ سے مسلمانوں کے ایک ہزار سالہ دور کو یکسر محو کر دینے کے عزائم کا اظہار کیا گیا اور نہرو جیسے ''معتدل مزاج'' رہنما نے بھی تقسیم کو قبول کرنے کے باوجود یہ کہا کہ ''برطانوی ہند کا کوئی جانشین ہوسکتا ہے تو وہ انڈین یونین ہے'' اور یہ کہ ''پاکستان کی حقیقت ان باج گزار صوبوں سے زیادہ نہیں جو انڈین یونین سے ٹوٹ کر الگ ہوگئے ہوں'' تو انھیں شدت کے ساتھ احساس ہوا کہ ہندو قیادت قیام پاکستان کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں اور بھارتی لیڈر پاکستان کو اقتصادی' سیاسی' عسکری اور ہر ممکن طریقہ سے زک پہنچا کر ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔

یہی وجہ تھی کہ قائداعظم نے تقسیم ہند کے موقع پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ان کی خواہش اور دھمکی کے باوجود بھارت کے ساتھ ساتھ پاکستان کا گورنر جنرل تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ماؤنٹ بیٹن نے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ ''آپ کو احساس نہیں کہ آپ کا مجھے گورنر جنرل نہ بنانے کا فیصلہ آپ کی نئی مملکت کو کتنا مہنگا پڑے گا؟'' قائداعظم نے بلا تامل جواب دیا۔''ہوسکتا ہے کہ اس کی قیمت کئی کروڑ دینی پڑے'' لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے متحدہ ہندوستان کی فوج کو ایک رکھنے کی تجویز بھی سختی سے مسترد کر دی۔حالانکہ برطانیہ اور اس کے نمائندوں ماؤنٹ بیٹن اور فیلڈ مارشل آکنلک کے نزدیک فوجوں کی تقسیم ''سخت ترین جرم'' اور ''سب سے بڑا سردرد'' تھا۔ماؤنٹ بیٹن نے تو کھلے الفاظ میں ہندو رہنماؤں کی ہم نوائی کرتے ہوئے کہہ دیا تھا کہ ''نہ فوج کا نظام ایسے کسی اقدام کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہم متفق ہوں گے'' اور اس کے ساتھ ہی انڈین آرمی کے سینئر مسلمان افسروں کو بلا جواز نئی یونٹوں اور نئی چھاؤنیوں

میں تبدیل کر دیا گیا۔ یہ دراصل پاکستان کے بننے میں رکاوٹ ڈالنے اور اسے روز اول ہی دشمن کے لئے ترنوالہ بنانے کی آخری کوشش تھی جسے بھانپتے ہوئے قائداعظم نے کہا ''پاکستان کو اقتدار کی منتقلی افواج اور دفاعی ساز و سامان کی تقسیم کے بغیر ممکن ہی نہیں'' اس سے قبل 1941 میں قائداعظم ہندوؤں کے عزائم بھانپتے ہوئے کہہ چکے تھے۔

''ساورکر (صدر ہندو مہاسبھا) کی سکیم یہ ہے کہ جب (انگریز کے جانے کے بعد) میدانی' اور فضائی فوج میں ہندوؤں کو 75 فیصد حصہ مل جائے گا تو پھر ہندو راج قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی. ایسے میں ان مسلمانوں کا کیا ہوگا جو شمال مغرب اور شمال مشرق میں بستے ہیں. کیونکہ ان کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ سرحدوں پر ہندو فوج اس طرح بٹھا دی جائے گی جس طرح اب برطانوی فوج متعین ہے تاکہ مسلمان سر نہ اٹھا سکیں۔''

نہرو' پٹیل' اور سردار بلدیو سنگھ سمیت بلا استثنا سب ہندو رہنماؤں نے مسلح افواج کی تقسیم کی مخالفت کی اور مہاتما گاندھی تو حسب عادت دور کی کوڑی لائے اور کہا

''انڈین آرمی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تو پاکستانی فوج جو زیادہ تر پنجابی افسروں اور جوانوں پر مشتمل ہوگی۔ بھارت کے سر پر تلوار بن کر لٹکتی رہے گی اور اس کی کوشش یہ ہوگی کہ بھارت کو اپنے فوجی بوٹوں تلے روند ڈالے۔''

مگر تاریخ کے جبر اور قائداعظم کے ناخن تدبیر نے ہندو نیتاؤں اور انگریز حکمرانوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ اور انہیں بادل ناخواستہ فوجوں کی تقسیم کو قبول کرنا پڑا' لیکن اسے نہ ماؤنٹ بیٹن نے اور نہ ہی ہندو نے ٹھنڈے پیٹوں قبول کیا انہوں نے ایسے ہتھکنڈے اختیار کئے کہ نوزائیدہ مملکت پاکستان کو گوناگوں آزمائشوں سے دوچار کر دیا اور اس طرح کی شاطرانہ منصوبہ بندی کی کہ پاکستانی فوج مصائب اور آزمائشوں کا مقابلہ کرنے سے قاصر رہے' دشمنوں کو پختہ یقین تھا کہ پاکستانی فوج کو اپنے بکھرے ہوئے اعصاب کی شیرازہ بندی میں ہی اتنا وقت لگ جائے گا کہ پاکستان کی ڈولتی ہوئی کشتی سنبھل نہ سکے گی۔ اور یوں نوزائیدہ پاکستان عالم طفلی ہی میں دم توڑ دے گا۔

اپنے ناپاک منصوبوں کو پروان چڑھانے کے لئے ہندو قیادت نے سب سے پہلے تو سردار پٹیل کے قریبی دوست کمانڈر انچیف ہند فیلڈ مارشل آکنلک کی نگرانی میں فوجوں کی تقسیم کی کمیٹی کے فیصلوں پر عملدرآمد میں حیل و حجت سے کام لینا شروع کیا اور جب آکنلک نے ایک غیر جانبدار کمانڈر کی حیثیت میں ان فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے پر اصرار کیا تو ان کی ذات پر رکیک حملے شروع کر دیئے گئے نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنی عزت بچانے کے لئے اپنے ہیڈ کوارٹر کو قبل از وقت سمیٹنے پر مجبور ہو گئے۔ تقسیم کے فارمولا کے مطابق





مسلح افواج اور اس کے اثاثوں کو 64 اور 36 فیصد کے حساب سے تقسیم کیا جانا تھا۔ افرادی قوت کی تقسیم میں تو ایک حد تک اس پر عمل ہوا لیکن فوجی و مادی اثاثوں کی تقسیم میں اس بری طرح ڈنڈی ماری گئی کہ پاکستان کو اپنے حصے کا بمشکل ایک تہائی مل سکا اور اس کے دینے میں بھی غیر ضروری تاخیر کی گئی۔

اس پر افتاد یہ پڑی کہ صبح آزادی کے طلوع کے ساتھ ہی مشرقی پنجاب اور ہندوستان کے سرحدی علاقوں میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ اور یہ سلسلہ جس انداز میں پھیلتا چلا گیا۔ اس سے اندازہ ہوا کہ مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے ایک منظم سازش تیار کی جا چکی ہے۔ اس پر ستم یہ کہ اس نازک موقع پر پاکستان کی نصف سے زیادہ فوج سمندر پار یا ذرائع رسل و رسائل منقطع ہونے کے باعث بروقت اسے نہ مل سکی۔ حالانکہ اس کی سخت ضرورت تھی' ان ہنگاموں اور فسادات میں مسلمانوں کی وہ عظیم ہجرت شروع ہوئی۔ جس کی دنیا کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی بے سروسامان' بیمار' فاقہ زدہ اور ستم رسیدہ مہاجرین ایک ٹوٹے ہوئے بند سے سیلاب کی طرح پاکستان کی طرف امڈ امڈ کر آنا شروع ہو گئے۔ چنانچہ پاکستانی فوج کو جو ابھی بے ترتیبی کی حالت میں تھی' فوراً ہی مہاجرین کی حفاظت' دیکھ بھال' اور مشرقی پنجاب سے پاکستان لانے کے کام پر لگا دیا گیا۔ ان فسادات میں ایک لاکھ سے زائد مسلمان شہید کئے گئے' ایک کروڑ کی تعداد میں بے خانماں اور لٹے پٹے حسرت کی تصویر بنے سرزمین پاکستان میں داخل ہوئے اور جملہ انتظامی مسائل کے علاوہ کمزور معیشت پر ناقابل بیان بوجھ پڑ گیا۔ یہ دشمن کا پاکستان کے وجود کو ختم کرنے کے لئے ایک خوفناک وار تھا۔ فسادات بھارت کے نائب وزیراعظم سردار پٹیل اور وزیر دفاع بلدیو سنگھ کے ایماء پر برپا کئے گئے تھے جنہوں نے حملہ آور سکھوں کو حکومت ہند کے فالتو اسلحہ سے لیس کیا تھا۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے۔ دشمن نے پاک فوج کو مزید کمزور اور بے بس کرنے کے لئے اسے اپنے جائز حصے کے ساز و سامان اور ہتھیاروں سے بھی محروم کر دیا تھا' لیکن جنہیں ایمان اور یقین کی دولت حاصل ہو وہ اپنے ہتھیار آپ ڈھال لیتے اور جملہ ساز و سامان فراہم کر لیتے ہیں بلکہ بے تیغ بھی دشمن سے لڑ جاتے ہیں۔ چنانچہ تمام تر مشکلات کے باوجود پاک فوج نے بے مثال جرات اور حب الوطنی کا ثبوت دیتے ہوئے ایثار و قربانی کی لازوال داستانیں رقم کیں اور پاکستان کی ڈگمگاتی ناؤ کو اس نازک مرحلے پر کامیابی سے نکال لے جانے میں تاریخی کردار ادا کیا جس پر اہالیان پاکستان کو فخر ہے۔

یہی وہ نازک دن تھے جب قائداعظم نے انگریز کی فارورڈ پالیسی کو رد کرتے ہوئے شمال مغربی سرحدی علاقوں یعنی شمالی و جنوبی وزیرستان سے فوجیں واپس بلانے کا جرات مندانہ فیصلہ کیا تاکہ ان علاقوں کے لوگ بھی محسوس کریں کہ پاکستان ان کا اپنا ملک ہے' چنانچہ 6 دسمبر 1947 سے شروع ہونے والا ''آپریشن کرزن'' 27 دسمبر 1947 تک مکمل کر لیا گیا اور فوجوں کی جگہ سول آرمڈ فورسز متعین کر دی

گئیں۔ادھر سمندر پار سے واپس آنے والے فوجی جوانوں کے مسائل کے حل اوران کی تعیناتی کا عمل بھی جاری رہا۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ نوزائیدہ پاکستان کے پاس ابتدائی چند مہینے کوئی منظّم فوج تھی ہی نہیں بلکہ مختلف سکواڈرنوں یونٹوں اور کمپنیوں نے حالات کے مطابق بغیر کسی اعلیٰ کمان کے انفرادی طور پر جانفشانی اور سمجھ بوجھ سے اپنے فرائض انجام دیئے۔ یہاں یہ ذکر بے محل نہ ہوگا کہ پاکستان کو روز اول ہی ختم کردینے کیلئے ہندو انتہا پسند تنظیم آر ایس ایس نے 14 اگست 1947 کے جلوس آزادی میں قائداعظمؒ پر بم سے حملہ کر کے انہیں ہلاک کرنے کی سازش تیار کی تھی' لیکن عوام کے جوش وخروش اور سازش کا قبل از وقت پتہ چل جانے کے نتیجے میں کئے جانے والے حفاظتی انتظامات کے باعث یہ سازش ناکام ہوگئی۔

انتشار وہنگامے کے اس دور میں پاکستان کی مختصر اور غیر منظّم فوج نے مختلف ذمہ داریاں انجام دینے میں جس تندہی' بے لوثی اور اپنی سلامتی اور آرام وآسائش سے قطعی بے نیازی کا جو مظاہرہ کیا وہ پاک فوج کے عزم وہمت کی جرات وجان نثاری اور فرض شناسی کی لازوال کہانی ہے جس نے مستقبل میں اسے مزید عزت بخشی اور ایسا جوانوں نے اس لئے کیا کہ انھیں اس امر کا شدت سے احساس تھا کہ پاکستان' مسلم قومیت بلکہ اسلام کے نام پر وجود میں آیا ہے اور وہ ہر قیمت پر اسے قائم ودائم رکھنا چاہتے تھے' کیونکہ ہم وطن ہندو مسلمانوں کی شدھی' ہندوکش تک حدود پھیلانے اور ہندوستان کی ہر مسجد پر دیدک دھرم کا جھنڈا لہرانے کے خواب دیکھ رہا تھا' اور اس کی قیادت تقسیم ہند کو عارضی حادثہ قرار دیتے ہوئے دیوان چمن لال کے الفاظ میں تیس کروڑ ہندوؤں کو پاکستان ختم کرنے کی خاطر جان تک دینے کی تلقین کررہے تھے۔ ان حالات وواقعات کے پیش وپس منظر میں بعجلت تمام راولپنڈی میں موجود ناردرن آرمی ہیڈکوارٹرز کو جنرل ہیڈکوارٹرز میں تبدیل کیا گیا اور فوج کی شیرازہ بندی کا سلسلہ شروع کردیا گیا' اس وقت مسلح افواج کے فیصلوں کے پیچھے نہ تو کوئی فلاسفر تھا اور نہ ہی کوئی نظریہ ساز' اور یوں بھی فوج کی اعلیٰ قیادت انڈین رائل آرمی کی باقیات سے لی گئی تھی' اس لئے اس امر کی شدید ضرورت تھی کہ نوجوانوں کی قومی بنیادوں پر اٹھان کے لئے کوئی صحیح رہنمائی کرے۔ بانی پاکستان قائداعظم کی طبیعت ناساز رہنے لگی تھی' اس کے باوجود انہوں نے مختلف یونٹوں اور تنصیبات کے دورے شروع کردیئے اوران مواقع پر انہوں نے جو تقاریر یا بات چیت کی' وہ نوجوانوں کے لئے اپنی تاریخ سے رشتہ جوڑنے اور منزل کی نشاندہی کے لئے مشعل راہ ثابت ہوئی۔ قائداعظم نے طاقت وقوت اور کمزوری وناتوانی کے نتائج ومضمرات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فوج کے جوانوں کو بتایا کہ

''اس ناقص دنیا میں کمزور اور تنہا ہونا دوسروں کو جارحانہ اقدام کی دعوت دینا ہے۔امن عالم کو برقرار رکھنے کی تدبیر یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کی غلط فہمی دور کردیں جو ہمیں کمزور سمجھتے ہوئے





ڈرانے' دھمکانے' یا ہم پر حملہ کرنے کی نیت رکھتے ہیں اور یہ اس طرح ممکن ہے کہ ہم اپنے آپ کو اس قدر مضبوط بنائیں کہ کسی کو ہمارے خلاف قدم اٹھانے کی جرات نہ ہو''

(پاکستان نیوی سے خطاب 23 جنوری 1948)

انہوں نے اسلامیان پاکستان بالخصوص مسلح افواج کو اپنے اسلاف کے جذبہ حُریت اور شاندار قومی روایات سے رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

''آپ کو صرف اپنے آباؤ واجداد کی طرح مجاہدانہ جذبہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے آپ اس قوم سے تعلق رکھتے ہیں' جس کی تاریخ بہادری' شجاعت اور بلند کرداری کی ان گنت مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ان روایات کے مطابق زندگی بنایئے اور اپنی تاریخ میں ایک اور درخشاں باب کا اضافہ کیجئے''

(لاہور۔30 اکتوبر 1974)

قائداعظم نے انہیں مزید تلقین کی

''میرا یہ پیغام جس شخص تک پہنچے' وہ اپنے دل میں عہد کرلے کہ ضرورت پڑنے پر وہ پاکستان کو اسلام کی پشت پناہ اور دنیا کی ایک عظیم قوم بنانے میں اپنا سب کچھ قربان کردے گا۔ مسلمان کے لئے اس سے بہتر ذریعہ نجات نہیں ہوسکتا کہ وہ حق کی خاطر شہید ہوجائے''

''خدا کی قسم! جب تک دشمن ہمیں اٹھا کر بحیرہ عرب میں نہ پھینک دیں' ہم ہار نہیں مانیں گے۔ پاکستان کی حفاظت کے لئے میں تنہا لڑوں گا۔ اس وقت تک لڑوں گا جب تک میرے ہاتھوں میں سکت اور میرے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی موجود ہے مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ' اگر کبھی ایسا وقت آجائے کہ پاکستان کی حفاظت کے لئے جنگ لڑنی پڑے تو کسی صورت میں ہتھیار نہ ڈالیں اور پہاڑوں میں' جنگلوں میں' میدانوں میں اور دریاؤں میں جنگ جاری رکھیں۔

''اپنے میں حوصلہ پیدا کیجئے' موت سے خوف نہ کھایئے. ہمارے مذہب نے ہمیں یہی سکھایا ہے کہ موت کے لئے ہمیشہ تیار رہنا چاہیے۔ پاکستان اور اسلام کی عزت بچانے کے لئے ہمیں موت کا مقابلہ بہادری سے کرنا چاہیے۔ مسلمان کیلئے اس سے بہتر وسیلہ نجات کیا ہوسکتا ہے کہ حق کی خاطر شہید کی موت مرے'' (لاہور. اکتوبر 1947)

قائداعظم کی تقریروں نے پاک فوج کے جوانوں میں ایک نئی زندگی اور نئی روح پھُونک دی تھی چنانچہ وہ تمام تر مشکلات اور داخلی محاذ پر ان گنت مسائل کے باوجود کشمیر کے محاذ پر بھی جاڈٹی اور عزم وہمت اور جرات وجانثاری کی نئی داستانیں رقم کیں۔ بھارتی قیادت نے ریاست جموں وکشمیر میں اسلئے اپنی فوجیں اتاری تھیں کہ بہت جلد ریاست کو روندتے ہوئے پاکستان کو مفلوج کردیں گی لیکن ایسا نہ ہوسکا تو وہ اپنی عزت بچانے کے لئے سلامتی کونسل کی طرف دوڑی اور مغربی سرپرستوں کی مدد سے جنگ بندی کی

آڑ میں ایک اور فریب کھیلا گیا یہ داستان بڑی طویل ہے ان باتوں کا ذکر محض اس لئے کیا گیا ہے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ پاک افواج کی تشکیل و تعمیر کن حالات میں ہوئی اور انہوں نے نئے چیلنجوں کا مقابلہ کیسے کیا۔

تعمیر افواج پاکستان کی کہانی میں ہمیں دو بنیادی باتوں کو بیک وقت یاد رکھنے کی ضرورت ہے' اولاً یہ کہ بھارتی قیادت نے قیام پاکستان کو خلوص دل اور خلوص نیت سے اب تک قبول ہی نہیں کیا' اس نے تقسیم ہند سے پہلے اور فوراً بعد ایسے بیانات دیئے اور ایسے اقدامات کئے کہ جن سے ان کے منفی عزائم کا اندازہ کرنا مشکل نہ تھا' مثلاً تقسیم ہند کے فیصلے پر کانگریس کی طرف سے نہرو نے دستخط کئے تھے۔ وہ ایک طرف دستخط کر رہے تھے تو دوسری طرف اپنی قوم سے کہہ رہے تھے۔

''ہماری سکیم یہ ہے کہ ہم اس وقت جناح کو پاکستان بنا لینے دیں۔ اس کے بعد معاشی طور پر یا دوسرے طریقوں سے ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ جن سے مجبور ہو کر مسلمان گھٹنوں کے بل جھک کر درخواست کریں کہ ہمیں پھر سے ہندوستان میں مدغم کر لیجئے۔''

(کتابچہ مطبوعہ آئی ایس پی آر Pakistan Faces India1965)

اہنسا کے پجاری مہاتما گاندھی نے بھی 26 ستمبر 1947 کو پاکستان کے خلاف جنگ کو ہی ''مسئلے'' کا آخری حل قرار دیا۔ ٹھاکر راجہ مہندر پرتاب نے 1950 میں اپنی قوم کو مشورہ دیا کہ

''جب تک پاکستان کا وجود ختم نہیں ہو جاتا ہمارا ملک ترقی نہیں کر سکتا۔ حالات اس طرح بدل رہے ہیں کہ مجھے یقین ہوتا چلا جا رہا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ ناگزیر ہو گئی ہے۔ بنا بریں میں حکومت ہند کو مشورہ دوں گا کہ وہ افغانستان کو اپنے ساتھ ملا کر پاکستان کو ختم کر دے۔''

بھارتی سوشلسٹ جو خود کو بڑا منصف مزاج قرار دیا کرتے ہیں' پاکستان کے حوالے سے اُن کی سوچ بھی ہندو مہاسبھا سے مختلف نہیں رہی' چنانچہ بھارت کی سوشلسٹ پارٹی کے لیڈر ڈاکٹر رام منوہر لوہیا نے اپنی کتاب ''اگلا قدم'' میں لکھا

''ہم زیادہ عرصے تک انتظار نہیں کر سکتے۔ شاید دو تین سال کے عرصے میں امرتسر اور پاکستان کے درمیان حد فاصل مٹ جائیگی۔ ہمیں پاکستان کے ناسور کو ختم کر کے تقسیم ہند کو معدوم کر دینا چاہیے مجھے یقین ہے کہ یہ مصنوعی تقسیم ختم جائیگی۔ اور پاکستان اور ہندوستان پھر سے ایک ملک ہو جائیں گے۔''

## 786

ایک طرف بھارتی قیادت کے اس طرح کے بیانات تھے' اور دوسری طرف ان کا جارحانہ طرز عمل





تھا' جونا گڑھ اور نواحی ریاستوں کے علاوہ حیدر آباد پر ''پولیس ایکشن'' کے ذریعے قبضہ کر لیا گیا اس کے علاوہ نئے بھارتی حکمران ہر اصول اور معاہدے کو روندتے ہوئے کشمیر پر چڑھ دوڑے جس کی 98 فیصد آبادی مسلمان تھی۔ پاک بھارت طویل سرحد پر آئے روز بلاوجہ فوجوں کے اجتماع اور بلا جواز فائرنگ کے واقعات بھی ہونے لگے۔ یوں پاکستان روز اول ہی سے عدم تحفظ کا شکار ہو گیا' اور پھر جب پاکستان کی چودہ سو میل لمبی شمالی سرحد بھی اس وقت کی افغان حکومت کے ''ناموافق'' اور ''معاندانہ'' رویے کے باعث غیر محفوظ محسوس ہونے لگی تو عدم تحفظ کا احساس مزید شدت اختیار کر گیا۔ اس کے نتیجے میں پاکستان میں مسلح افواج کی ضرورت و اہمیت خود بخود بڑھتی چلی گئی اور آج بھی پاکستان میں فوج کی اہمیت اور قومی زندگی میں اسکے عمل دخل کا یہی پس منظر ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ پاکستان کی سٹرٹیجک گہرائی بھی محدود تھی' ان سب عناصر نے مل کر پاکستانی قوم میں اس احساس کو شدت سے ابھارا کہ پاکستان کی مخالفت صرف اسلئے کی جا رہی ہے' کہ وہ اسلام کے نام پر قائم ہوا ہے چنانچہ اسے اپنے تحفظ کے لئے عالمی تناظر میں اپنے لئے ساتھیوں کے انتخاب کی ضرورت پیش آئی۔ پہلے احساس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاک فوج کا رشتہ اسلامی تاریخ اور ورثہ سے جڑتا چلا گیا۔ اس نے قرآن و حدیث کی تعلیمات اور اپنی اسلامی تاریخ کی عظیم روایات سے فیضان حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جی ایچ کیو نے اپنی شناخت کے لئے 786 کا نمبر منتخب کیا جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے حروف کا عددی مجموعہ ہے' فوج کی پہلی اور سب سے بڑی تربیت گاہ پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول میں کمپنیوں کے نام تاریخ اسلام کے عظیم سالاروں' خالد بن ولید' طارق بن زیاد' محمد بن قاسم' اور صلاح الدین ایوبی کی نسبت سے خالد' طارق' قاسم اور صلاح الدین رکھے گئے۔ اور اس کا نصب العین ''نصر من اللہ و الفتح قریب'' قرار پایا۔ اسی طرح پاک فوج کی مختلف یونٹوں اور تنصیبات نے بھی اسی راہ پر چلتے ہوئے اپنے ماٹو (نصب العین) کے لئے اسلامی تعلیمات اور عظیم روایات سے کسب فیض کیا اور کشمیر کی جنگ اس ضمن میں مزید مہمیز ثابت ہوئی۔ اس نے پاک فوج کے اپنے عظیم مسلم ماضی سے رشتہ جوڑنے کی خواہش کو اور بھی تیز کر دیا اور دشمن کی پہچان بھی واضح کر دی۔ محاذ کشمیر پر لڑنے والے جوانوں نے بغیر کسی بالائی ہدایت کے شہید' غازی اور جہاد کے الفاظ استعمال کرنا شروع کر دیئے اور انھیں میدان جنگ میں لڑانے والے افسروں نے اپنے لئے ''خالد'' و ''طارق'' کے لقب اختیار کر لئے۔ بحریہ اور فضائیہ نے بھی انہیں راستوں کو اختیار کیا اور یوں پاک افواج نے اپنے لئے اسلام کو شناخت اور عظیم اسلامی عسکری روایات کو منبع فیض کے طور پر منتخب کر لیا۔

بھارتی قیادت کی حرکتوں اور شماتت ہمسایہ کے تناظر میں پاکستان نے اپنی عسکری استعداد بڑھانے اور بھارتی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لئے امریکہ سے رابطے بڑھانے شروع کئے۔ اور اس

کے نتیجے میں امریکی گولہ بارود اور دیگر جنگی ساز وسامان موصول ہونے لگا۔ پھر اسی عدم تحفظ کے احساس نے اسے سیٹو (SEATO) اور سنٹو (CENTO) جیسے دفاعی معاہدوں میں شامل ہونے پر مجبور کیا۔

وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ پاکستانی افواج نے خود کو جدید سائنسی بنیادوں پر استوار کرنا شروع کردیا۔ اس کے لئے اس نے بیرونی ممالک سے اسلحہ کی خریداری بھی کی اور خود کفالت پر بھی توجہ دی۔ لیکن بھارت کو پاکستان کی ترقی اور استحکام ایک نظر نہیں بھایا۔ اس نے 1965 میں ادھر رن کچھ میں چھیڑ چھاڑ کی اور ادھر مشرقی پاکستان میں پاکستانی علاقہ ڈہاگرام پر دھاندلی سے قبضہ کرلیا۔ پھر کشمیر سے آغاز کرکے پاکستان کی تمام سرحدوں پر کھلی جنگ چھیڑ دی۔ اس نے پوری قوت سے یلغار کی تھی' اس امید کے ساتھ کہ پاکستانی افواج کو شکست سے دوچار اور پاکستان کو جھکنے پر مجبور کردے گا۔ مگر **لا اللہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کا ورد کرتی ہوئی مسلح افواج نے بھارت کی جارحیت اور غرور کا سر کچل دیا اور اسے استخوان شکن شکست سے دوچار کیا۔ اس کے بعد ہندو نے اپنا پینترا بدلا اور جو مقصد کھلے میدان میں حاصل نہیں کرسکا تھا اسے زمین دوز سازشوں کے ذریعے حاصل کرنے کی کوشش شروع کردی۔ 1965 میں محاذ لاہور کے سالار جنرل سرفراز خان اکثر کہا کرتے تھے کہ ''جنگ بندی کے بعد جب ان کی اپنے مقابل بھارتی کمانڈر سے ملاقات ہوئی تو اس نے باتوں ہی باتوں میں کہا جنرل صاحب! اس بار تو آپ نے ہمیں ہرا ہی دیا لیکن اگلی مرتبہ ایسا نہیں ہوگا۔'' یہ دراصل اس اندرونی سازش کی طرف اشارہ تھا۔ جس کے ذریعے دشمن نے بعد کے پانچ سالوں کے مختصر عرصے ہی میں اپنی کامیابی کا سامان کرلیا۔ اور 1971 میں چشم فلک نے ایک درناک منظر دیکھا۔ قیادت کی بے بصیرتی اور سیاسی مہم جوئی کے باعث ملک میں ایسا انتشار پیدا ہوا کہ بھارت نے مشرقی پاکستان میں کھلی جارحیت کرکے پاکستان کو دولخت کردیا۔ دشمن پورے پاکستان کو ختم کرنے کا عزم لیکر نکلا تھا' لیکن خدا کا شکر ہے صد ہزار بار شکر کہ جن قابل افتخار جیوش وعساکر پاکستان نے 1965 میں ہندو عزائم کو خاک میں ملایا تھا۔ ان کی قربانیوں' جانبازیوں اور جراتوں نے دشمن کی اسلحی افرادی اور حکمت عملی کی بالادستی کے باوجود اسے خوفزدہ کردیا' تاہم مشرقی پاکستان ہمارے ہاتھ سے نکل گیا اور اس کے ساتھ ہی پاکستان کی گھٹی میں شامل عدم تحفظ کے احساس کو مزید گہرا کرگیا۔

اپنوں کی سیاسی بے تدبیریوں اور عاقبت نااندیشیوں کے باعث مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور غیروں کی ہلاشیری نے بھارت کے حوصلے بہت بڑھا دیئے تھے اور بھارتی قیادت اور دانشور باقی ماندہ پاکستان کے درپے تھے بلکہ سقوط ڈھاکہ کا سانحہ پاکستانی قوم اور فوج کے حوصلوں پر بری طرح اثر انداز ہوا تھا' اس تناظر میں 1974 میں بھارت نے جب ایٹمی دھماکہ کیا تو جنرل پرویز مشرف کے الفاظ میں

''پاکستان کے لئے خوفناک صورتحال پیدا ہوگئی' علاقے میں طاقت کا توازن یکسر بگڑ گیا عالمی





برادری نے اس پر جس روایتی طرز عمل کا مظاہرہ کیا اس سے واضح ہوگیا کہ پاکستان کو تنہا ہی بھارتی جارحیتوں کا مقابلہ کرنا ہوگا' ہمارے تمام دفاعی اقدامات کا تصور ہی بدل گیا تھا ایسی صورتحال میں صرف خدا ہی کا آسرا تھا۔''

اس تناظر میں محسن پاکستان عبدالقدیر خان قوم اور فوج کے لئے حوصلے اور عزم وہمت کی نوید بن کر آئے اور پاکستان نے بھی ان کی قیادت میں ایٹمی سفر کا آغاز کردیا' یہ بڑا مشکل سفر تھا۔ بایں ہمہ پاکستانی قوم اور مسلح افواج نے ہمت نہ ہاری اور ڈھاکہ میں ذلت ورسوائی کے زخم کے باوجود افواج کی تعمیر وتشکیل کیلئے انقلابی اقدامات کئے ہمسایہ بھارت سے اپنی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کے تحفظ اور دفاع کے لئے پاکستان کو مجبوراً اسلحہ کی دوڑ میں شامل ہونا پڑا' چونکہ پاکستان کی سرحدیں طویل اور وسائل محدود ہیں' اسلئے یقیناً بعض میدانوں میں عسکری توازن برقرار نہ رہ سکا لیکن اس کمی کو جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے پاک فوج نے اپنی نظریاتی اساس سے حاصل کردہ ایثار وقربانی کے جذبہ سے پورا کیا کیونکہ پاک فوج پروفیشنل آرمی ہی نہیں بلکہ ایمان ویقین کی دولت سے مالا مال اور جذبہ شہادت سے سرشار اللہ کے سپاہیوں پر مشتمل فوج ہے' اس انداز پر ان کی اٹھان پہلے ہی چند مہینوں میں ہوئی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے ہوئی۔ مسلح افواج نے بدر وحُنین کے جانبازوں سے روشنی لی اور خالد وطارق کی طرح خود کو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے وقف کردیا' ان کا سب سے کامیاب ہتھیار ان کا جذبہ جہاد ہے انھیں اس بات کا پختہ شعور ہے کہ یہ سرزمین پاک' اسلام کے نام پر عطیہ خداوندی کے طور پر عنایت ہوئی ہے اور اس سرزمین پر اللہ کے دین کے پرچم کو سربلند ہونا ہے۔ یہی وہ جذبہ صادق ہے جس نے پاک افواج سے یہ عہد لے رکھا ہے کہ ان کا جینا اور مرنا سب اللہ کے لئے ہے' انہیں اس بات کا بھی علم ہے کہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے کبھی مرا نہیں کرتے' وہ تو امر ہوجایا کرتے ہیں اور فنا کا بے رحم ہاتھ ان کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ جذبہ شہادت ان کا وہ ہتھیار ہے جس کا توڑ دشمن کے پاس موجود نہیں۔ دشمن کی عددی برتری' ہتھیار' اسلحہ' اور دیگر جنگی ساز وسامان کی فراوانی اور پیشہ ورانہ تربیت اس ہتھیار کے سامنے ہیچ اور بے وقعت ہیں۔

یہ غازی' یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

اور اس کا عملی ثبوت وہ میدان جنگ میں بارہا دے چکے ہیں جب بھی آزمائش کی گھڑی آئی انہوں نے اپنا ملی فریضہ دینی جذبہ سے سرشار ہوکر ادا کیا' اس کی ایک مثال بام دنیا سیاچین گلیشیر کا محاذ جنگ ہے۔ عمودی

سنگلاخ چٹانوں اور نا قابل عبور چٹانوں پر لڑی جانیوالی یہ جنگ ہماری فوج کی جراتوں اور بپھری جوانیوں کی ہی جنگ نہیں حمیت اسلامی کے وقار اور شہادتوں پر کامل یقین کی جنگ ہے۔ پاک فوج کے جوانوں اور افسروں نے ''چند سو یا چند ہزار روپے کی تنخواہ کے لئے'' پیشہ ور فوجیوں کی طرح نہیں لڑی بلکہ پچیس ہزار فٹ بلند خون منجمد کر دینے والی برفانی چوٹیوں پر لڑی جانے والی یہ جنگ اپنی نظریاتی اساس اسلام کے جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر ملک وملت کی عظمتوں کے لئے اس انداز میں لڑی ہے کہ جس میں فنا سے بقا کی نوید ملتی اور شہادتوں کی عظمتوں کے چراغ جلتے ہیں۔ جہاں تا حد نگاہ برف ہی برف' سانس لینا دشوار اور قدم اٹھانا مشکل ہو' وہاں کوئی چند سکوں کے لئے خود کو رضا کارانہ طور پر ''بن آئی موت'' کے لئے پیش نہیں کیا کرتا۔ کون نہیں جانتا کہ بھارتی جارحیت کے بڑھتے ہوئے قدموں کو پاکستانی جوانوں نے کس جذبہ جہاد کے ساتھ روکا ہے اور وہ بھارت جو ابتداً چند سال تک طاقت کے زعم میں اس مسئلے پر بات چیت کے لئے بھی آمادہ نہ تھا اب کئی سال سے ''Face Saving'' کے لئے مختلف حیلے بہانے اس معرکے سے جان چھڑانے کی فکر میں ہیں۔

1997 میں بھارتی وزیر دفاع ملائم سنگھ یادیو یہاں بھارتی دستوں کا معائنہ کرنے کیلئے آئے تو ایک پوسٹ پر خطاب کرتے ہوئے بڑ ہانکی کہ ''تم لوگ روزانہ 500 گز بھی پیش قدمی کرو تو ایک مہینے میں پورے گلیشیر پر قبضہ کر سکتے ہو' پھر آؤ اس آپریشن کا ابھی آغاز کرتے ہیں اور اس یُدھ (حملے) کی قیادت میں کروں گا'' کہتے ہوئے بھارتی سینکوں کے جے ہند کے نعروں کے جلوس میں پیشقدمی شروع کر دی لیکن وہ ڈیڑھ سو گز بھی آگے نہ گئے تھے کہ جذبہ جہاد سے سرشار پاکستانی جوانوں نے فائر کھول دیا اور بھارتی صحافی سریش چیٹر جی کے الفاظ میں یادیو سمیت تمام بھارتی افسر و جوان یوں دم دبا کر بھاگے کہ پانچ ہزار گز سے ادھر نہ رکے اور یادیو اپنی فائلیں اور سلیپر محاذ جنگ پر چھوڑ گئے۔

## نظریاتی جہاد کے مظاہر

اسی طرح 1999 میں کارگل اور اس کی اٹھارہ ہزار فٹ بلند نا قابل رسائی برفیلی پہاڑیوں اور گہری کھائیوں میں پاکستانی مجاہدوں اور پاک فوج کے جوانوں نے ایمان افروز کردار ادا کیا جو ہر لحاظ سے بے مثل اور قابل تقلید ہے۔

جو رکے تو کوہ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گذر گئے

اس معرکے میں جو جوش وخروش' جذبہ جہاد اور شوق شہادت ہم نے اپنی افواج میں دیکھا وہ ہمارے لئے ایک بہت بڑا اثاثہ بھی ہے بہت بڑی طاقت بھی۔ میرے وطن کے جیالوں نے بدر و حنین کی روح تازہ





کر دی' ملت کے ان سچے پاسبانوں نے اس ایثار قربانی کا مظاہرہ کیا جس کا ان سے مطالبہ نہیں کیا گیا تھا انہوں نے اسلاف کی مثالیں سامنے رکھتے ہوئے سینوں پر گولیاں کھائیں جبکہ بھارتی فوج کے نوے فیصد سپاہی بھاگتے ہوئے پیٹھ میں گولی لگنے سے مرے۔ ایک سو پچاس کلومیٹر پر پھیلی ہوئی ایک سو سے زائد پوسٹوں پر دستی ہتھیاروں سے لیس صرف دو ہزار جوانوں نے 74 روز تک ساٹھ ہزار بھارتیوں کا جنہیں فضائیہ اور جدید ترین توپخانے کی حمایت حاصل تھی مقابلہ کر کے ثابت کر دیا کہ صرف اہل ایمان ہی ایسی جنگ لڑ سکتے ہیں اس معرکے نے ایک بار پھر ثابت کر دیا کہ محض اسلحہ کسی قوم کو مضبوط نہیں بناتا اس کا عقیدہ اور اس کا نظریہ اس کو مضبوط بناتا ہے۔ ایٹم بم اور غوری میزائل بھی بہت ضروری ہیں لیکن شہدا کی روحیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ پاکستان کے نظریاتی تشخص کو برقرار رکھیں بلکہ مضبوط بنائیں کہ اسی میں ہمارے وجود کی ضمانت ہے۔

پاکستان کے ممتاز دانشور قدرت اللہ شہاب نے شہاب نامہ میں اپنے یونیسکو سے وابستگی کے دنوں کی یاد تازہ کرتے ہوئے مشرقی یورپ کے ایک اعلیٰ عہدیدار اور ایک امریکی سفارت کار کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان دو حضرات کے مطابق امریکہ کی اصل وفاداری اسرائیل سے ہے پھر اسے بھارت کی خوشنودی بھی مطلوب ہے' اسلئے اسے پاکستان کی مسلح افواج کا نظریاتی تشخص اور اس کے لڑنے کی صلاحیت ایک آنکھ نہیں بھاتے۔

## عوام اور فوج آمنے سامنے

پاک فوج کے پس منظر اسکے مزاج اور اسکے سرمایہ حیات کے حوالے سے مزید تفصیل میں جائے بغیر میں اب یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری فوج کو جو کہ الحمد اللہ ایک مضبوط اور اعلیٰ دفاعی صلاحیتوں کی حامل فوج ہے کمزور کرنے کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ ایک منصوبہ بندی کے تحت پھیلائی جانے والی افواہوں سے پاکستانی فوج اور عوام میں یکجہتی اور ہم آہنگی کی فضا متاثر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اسی لئے اس طرح کا پروپیگنڈہ بھی جاری ہے کہ ''پاک فوج کے اسلامی عناصر پر جنرل پرویز مشرف کی گرفت مضبوط نہیں ہے بلکہ وہ ان سے نالاں ہیں'' سی آئی اے ''را'' اور موساد کی کوشش ہے کہ پاکستان کے دیگر اداروں اور معاشرے کی طرح پاک فوج میں بھی نام نہاد اختلافات اور تضادات کو ابھار کر اسے تقسیم کر دیا جائے اس کا آغاز بہت پہلے ہو گیا تھا لیکن فوجی قیادت کی معاملہ فہمی سے فوج تقسیم ہونے سے بچی رہی۔ اس کے علاوہ یہ غیر ملکی ایجنسیاں کئی دہائیوں سے اس کوشش میں ہیں کہ پاک فوج اور عوام میں اتنی دوریاں پیدا کر دی جائیں کہ عوام بالآخر فوج کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اس کے لئے کبھی فوج پر اٹھنے

والے بھاری اخراجات کوملکی ترقی کی راہ میں رکاوٹ قرار دینے کا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے تو کبھی فوج کو علاقائی ونسلی بنیادوں پر ہدف تنقید بنایا جاتا ہے۔اسے بدقسمتی کہیۓ کہ ہماری عاقبت نااندیشیوں کے باعث یہ پروپیگنڈہ برگ دبار لاسکتا ہے اور بعض عناصر سرمحفل کہنے لگے ہیں کہ ''فوج پر اتنا پیسہ خرچ ہوتا رہا لیکن آپ نے کونسی جنگ جیتی ہے'' یہ بھولے لوگ جارحیت اور دفاع میں فرق نہیں کر پاتے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پاکستان کی ہر حکومت نے وطن عزیز کو تحفظ فراہم کرنے اور واہگہ کے مقام پر کھنچی لکیر کو قائم رکھنے کے لئے پاکستان کی مسلح افواج کی کم ازکم دفاعی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے حتی المقدور کوشش کی اور غریب عوام کا پیٹ کاٹنے سے بھی گریز نہیں کیا۔قطع نظر اس امر کے کہ پاک فوج نے میدان جنگ میں ہمیشہ اپنی استطاعت سے بڑھ کر داد شجاعت دی' یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ پاکستان کے محدود وسائل اور بھاری دفاعی ذمہ داریوں کے باعث عسکری توازن کا پلڑا بتدریج بھارت کے حق میں جھکتا گیا۔اس کے متعدد اسباب ہیں اولاً یہ کہ بھارت کے پاس تقسیم کے وقت ہی فوجی ہتھیار سازی اور دیگر تنصیبات کا انفراسٹرکچر موجود تھا۔ثانیاً بھارت کو بڑی طاقتوں کی طرف سے ایٹمی پروگرام کی بنا پر اس مخاصمانہ رویے اور پابندیوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا جس سے پاکستان پچھلے بیس سال سے دوچار ہے' ثالثاً بھارت اپنے زیادہ وسائل کے زور پر اپنی افواج کو جدید ترین ہتھیاروں سے لیس کرتا گیا اور طاقت کا پلڑا ایک حد تک بھارت کے حق میں جھک گیا ہے' یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بھارت کے مقابلے میں پاکستان کی ان مجبوریوں کا اندازہ پاکستانی قیادت کو روز اول ہی ہو گیا تھا۔اسلئے انہوں نے آنے والے خطرات کو بھانپتے ہوئے اپنے عسکریوں کو ایسے ہتھیار سے لیس کرنے کا فیصلہ کیا جو بھارت کے پاس نہ تھا۔یہ ہتھیار ہے جذبہ شہادت ''اٹھ مرد مجاہد جاگ ذرا اب وقت شہادت ہے آیا'' کا ترانہ مردہ رگوں میں بھی خون کو گرما دیتا ہے پاکستان کی فوج بنیادی طور پر مجاہدانہ جذبوں سے سرشار فوج ہے' وہ محمد بن قاسم' محمد غوری' اور محمود غزنوی کی عظمتوں اور شاندار روایات کی امین فوج ہے۔بے تیغ لڑنے والے سپاہیوں اور ٹینکوں کے آگے لیٹ کر وطن کا دفاع کرنے والی جانثار فوج ہے۔ یہی حال ہماری فضاؤں کے رکھوالے شاہینوں اور ہمارے پانیوں کے پاسبانوں کا ہے۔

فلک نے ان کے تیور میدان میں دیکھے
پناہیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں پیکان فضا ان سے

اسی طرح پاکستان کے ایٹمی پروگرام کا سہرا بھی پاک فوج کے سر ہے' بے شک محسن پاکستان ڈاکٹر خان کے بغیر اسکا کامیابی کی منزل تک پہنچنا ناممکن تھا محسن پاکستان نہ ہوتے تو پاکستان ایٹمی پروگرام کے حوالے سے آج بھی وہاں ہی کھڑا ہوتا جہاں 1975 میں کھڑا تھا۔لیکن ہمیں یہ بات یاد





رکھنی چاہیے کہ پاکستان کا ایٹمی پروگرام شروع ہی سے فوج کی نگرانی وسرپرستی میں آگے بڑھا ہے' جس نے اس کیلئے درکار ہر ضروری سامان مہیا کیا اور اگر ایک طویل عرصے تک دنیا کو پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی حقیقی نوعیت کا علم نہیں ہوسکا تو اس کا کریڈٹ بھی فوج کے اپنے مخصوص اور منفرد طریق کار کو جاتا ہے۔پاک فوج اگر اس پروگرام کو زندگی یا موت کا مسئلہ نہ بناتی تو یہ بیل کبھی منڈھے نہ چڑھتی' اس کو آگے بڑھانے اور اس کے تحفظ کی ذمہ دار اب تو واضح طور پر پاک فوج ہے۔پاکستان دشمن عناصر فوج کے اس کردار سے آگاہ ہیں۔اب جو فوج اپنی اعلیٰ ترین پیشہ ورانہ صلاحیتیں اور جنگی حکمت عملیوں میں غیر معمولی مہارت رکھتی ہے جو ''جہاد فی سبیل اللہ'' اور ''اللہ اکبر'' کے نعروں اور جذبوں سے سرشار نظریاتی فوج ہے' استعماری قوتوں کو کس طرح گوارہ ہوسکتی ہے جو اسلام کے نام پر حاصل کی گئی مملکت خداداد پاکستان کے وجود سے ساٹھ سال میں سے سمجھوتہ نہیں کرسکیں اور جن کے اس خطے میں توسیع پسندانہ عزائم اس وقت تک پورے نہیں ہوسکتے جب تک افواج پاکستان اپنے اساسی نظریے اور حقیقی جوش وجذبے پر قائم ہیں۔امریکی نائب وزیر دفاع اور عراق کے خلاف جنگ کے ماسٹر مائنڈ پال وولفوائٹز کے اس بیان کے پیچھے یہی آرزو کارفرما ہے کہ

> ''پاک فوج میں اسلامی اثرات کم کرنے اور اسلامی عناصر کا زور توڑنے کا ایک نہایت موثر طریقہ یہ ہے کہ پاکستان کے فوجی افسران کو امریکہ کے اعلیٰ فوجی اداروں میں تربیت دی جائے۔''

دراصل استعمار پاکستانی افواج کے جذبہ جہاد اور غازی یا شہید کے تصور سے خوفزدہ ہے حالانکہ یہ سب جانتے ہیں کہ پاکستانی فوج ہی نہیں بلکہ پاکستانی معاشرہ بھی ان معانی میں مذہبی انتہا پسند نہیں جن معانی میں امریکہ انھیں موسوم کرتا ہے البتہ وہ خالصتاً محبّ وطن فوج ہے وہ پاکستان کی سلامتی کے حوالے سے سوچتی ہے اور پاکستان چونکہ اسلام کا قلعہ ہے اسلئے اس کے دفاع کو اپنے ایمان کا حصہ سمجھتی ہے۔

## چند منفی اشارے

امریکہ نے خود ہی 1979 میں پاکستان کی اقتصادی وعسکری امداد بند کر کے تربیتی سہولتوں سے ہاتھ کھینچا اور زیر تربیت افسران کو بھی واپس کر دیا لیکن افسران کی تربیت کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو چکا ہے اس کا مفروضہ ہے کہ دوبارہ یہ سہولتیں فراہم کر کے فوجی افسران کو تربیتی قیام کے دوران حربی امور کے علاوہ ذہنی لحاظ سے بھی اپنی پسند کے سانچے میں ڈھال لے گا۔میری رائے میں ایک خوددار اور باوقار قوم کی حیثیت میں پاک فوج کو امریکہ یا کسی بھی دوسرے ترقی یافتہ ملک میں موجود تربیتی سہولتوں سے استفادہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں' بلکہ ہائی ٹیک وار کے تصّور اور اسکی منصوبہ بندی کے تجربے سے

آ گاہی حاصل کرنا ضروری ہے لیکن اصولی اور بنیادی طور پر افسروں اور جوانوں کی تعلیم و تربیت اور انکی ذہنی نشوونما کا انتظام پاکستان میں ہی ہونا چاہیے بلکہ پاکستان میں فوجی تعلیم و تربیت کے نظام کو وسیع کیا جانا چاہیے تا کہ تیسری دنیا کے اور خاص طور پر مسلمان ممالک کے فوجی ہمارے ہاں آ سکیں۔ ویسے تو جیسا جنرل بیگ نے کہا ہے اور بعض ذمہ دار حلقوں کی طرف سے اسکی تصدیق بھی کی گئی ہے کہ قومی زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح دشمن ہمارے سٹریٹجک اثاثوں تک پہنچ چکا ہے اسی طرح پاک فوج کے ذیلی اداروں اور خفیہ ایجنسیوں میں بھی ایجنٹ پیدا کئے جاسکتے ہیں اگر امریکہ صدام حسین کے حفاظتی دستے میں نقب لگا سکتا ہے تو یہاں بھی ممکن ہے۔ 1970 میں سقوط ڈھاکہ کے وقت فوج کے جرنیلوں نے تسلیم کیا تھا کہ فوج میں ''دشمن کے ایجنٹ'' گھسے ہوئے تھے پھر 1999 میں معرکہ کارگل کے دوران آرمی چیف جنرل پرویز مشرف کی پیکنگ سے جنرل عزیز سے گفتگو ریکارڈ کر کے جس طرح واجپائی کو پہنچ جانے کی باتیں ہوئیں۔ اس سے بھی یہ بدگمانی یقین میں بدل جاتی ہے بعض امریکی اخبارات بھی اس قسم کی خبریں بھی شائع کرتے رہتے ہیں کہ پاکستان میں امریکی ایف بی آئی اور سی آئی اے مختلف انداز میں ڈھائی سے تین سو تک سابق فوجی افسروں کی خدمات حاصل کر چکی ہے جنہیں ڈالروں میں تنخواہ ملتی ہے۔

پاک فوج کی حربی صلاحیتوں اور مجاہدانہ جذبوں کو متاثر کرنے کے لئے کئی اور طریقے بھی ہیں میری دانست میں مارچ 2004 کے دوسرے ہفتے میں بھارتی جریدے انڈیا ٹوڈے کے سیمینار سے بذریعہ سٹلائٹ خطاب کرتے ہوئے جنرل پرویز مشرف نے جو یہ کہا تھا کہ پاکستان بھارت سمیت جنوبی ایشیا میں مشترکہ نصاب تعلیم تشکیل دینے کی تجویز غور کرنے کیلئے تیار ہے اور اپنی فوج میں پچاس ہزار افراد کی کمی اور چار سال سے دفاعی بجٹ منجمد کرنے کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے مزید کمی کی جو پیشکش کی تھی اسے کسی طرح ایسا اعلان یا ڈپلومیسی قرار نہیں دیا جاسکتا جو قومی مفاد میں ہو ظاہر ہے صدر پاکستان نے یہ بیان سیاسی مقاصد کیلئے دیا تھا جسکا مقصد بھارت میں پاکستان کے لئے نرم گوشہ پیدا کر کے مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے راہ ہموار کرنا تھا لیکن سچ یہ ہے کہ ایسی ہی باتوں سے حکومت کے بارے میں منفی تاثر پیدا ہوتا ہے اور مشترکہ نصاب تعلیم رائج کرنے کی تجویز دراصل امریکی تجویز ہے جسکا جیسے میں نے عرض کیا ہے پاکستان میں ذکر پی آر کے ضمن میں آتا ہے۔ لیکن اس امریکی تجویز کے تحت پاکستان، سعودی عرب اور مصر کو مجبور کیا جانا ہے کہ وہ نصاب سے قرآنی و دینوی تعلیمات کو نکال کر اسے سیکولر بنائیں تا کہ ان کے تعلیمی اداروں سے ایسے بے حمیت و بے غیرت اور غلامانہ ذہنیت کے افراد نکلیں جو با آسانی مادر پدر آزاد کلچر میں ڈھل کر نوسامراجی ایجنڈا یعنی نیو ورلڈ آرڈر کی تکمیل کر سکیں بھارت اور پاکستان میں مشترکہ نصاب تعلیم کا مقصد متحدہ ہندوستان کی آرزو کی تکمیل کرنا اور نئی نسل کو اپنی عظیم تاریخی روایات اور جہادی





نظریاتی ہتھیاروں سے غیر مسلح کرنا ہے جو بعض برخود غلط دانشور اس قسم کی تجاویز کو آگے بڑھا رہے ہیں، وہ دراصل دوقومی نظریے کو منہدم کر کے اکھنڈ بھارت کی راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں اور اگر حکومتی ادارے ہمت کر کے ان کی ڈی بریفنگ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ چلمن کے پیچھے کون ڈوری ہلا رہا ہے۔

اسی طرح میرے تجزیے کے مطابق محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور ان کے بعض رفقائے کار پر ایٹمی پھیلاؤ کے مبینہ الزامات کے حوالے سے جو ڈرامہ رچایا گیا اور مغربی میڈیا کی تراشی ہوئی سالوں پرانی کہانیوں کو ان کی تذلیل و توہین کے لئے ''ثبوت'' بنا کر پیش کیا گیا وہ بھی دراصل افواج پاکستان یعنی پاکستان کی دفاعی صلاحیت کو کمزور کرنے کی طرف ایک بڑا اقدام ہے۔

پاکستان کی سیاسی و عسکری قیادت کو یاد رہے کہ پاکستان دشمن عناصر کا حقیقی ٹارگٹ پاک فوج ہے اور پاک فوج کو نظریاتی اور نفسیاتی ہتھیاروں سے غیر مسلح کرنے کے لئے دشمن بالخصوص بھارت کی طرف سے ایک عرصہ سے محض پرنٹ میڈیا ہی نہیں الیکٹرانک میڈیا اور فلموں کے ذریعہ بھی مہم جاری ہے۔ ادھر مغرب بھی اس میدان میں بھارت سے پیچھے نہیں۔ اس کے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا نے حالیہ سالوں میں پاکستان کو دہشت گردی کے حوالے سے رسوا کیا ہے تو 20 سال یعنی 1980 کے عشرے سے ایٹمی پروگرام کے حوالے سے پاکستان کے خلاف مہم جاری رکھی اس حوالے سے کتنی ہی کتابیں لکھی گئیں درجنوں ٹی وی اور ریڈیو پروگرام پیش کئے گئے۔ بلکہ ڈاکٹر خان پر ایٹمی پھیلاؤ کے حوالے سے الزامات کے باعث ملک و قوم جس اضطراب و پریشانی سے دوچار ہوئی ہے کچھ ایسے ہی حالات کے بارے میں معروف یورپی ناول نگار ایسٹو شوگن نے آج سے سولہ سال قبل ایک علامتی ناول ''Pillars of Fire'' لکھا اس کے ہیرو کا نام بھی ڈاکٹر خان ہی ہے۔ اس کے مطابق پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو ختم کرانے کی تمام کوششیں ناکام رہتی ہیں لیکن آخر کار دشمن ایٹمی پروگرام کو داخلی طور پر سبوتاژ کرانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

## آئی ایس آئی

دفاع وطن کے حوالے وطن عزیز کا ایک اور مستحکم و موثر ادارہ انٹر سروسز انٹیلی جنس ہے جو دراصل پاک فوج ہی کا ایک حصہ بلکہ بازوئے شمشیر زن ہے اسے عرف عام میں آئی ایس آئی کہا جاتا ہے یہ بھی مسلسل دشمن کے نشانے پر ہے، کیونکہ دشمن کے لئے یہ اتنا ہی خطرناک ہے جتنا کہ پاکستان کا ایٹم بم۔ بلکہ استعمار پاکستان کو ڈی اسلامائز، ڈی نیوکلرائز اور ڈی ملٹرائز کرنے کے جس خفیہ ایجنڈے کو آہستہ آہستہ آگے بڑھا جا رہا ہے اس میں آئی ایس آئی کو غیر موثر کر دینا سرفہرست ہے۔

اس قومی ادارے نے ماضی میں ایسے سپوت پیدا کئے ہیں جن کے کارناموں کو اگر سامنے لایا

جائے تو ہر کوئی ان پر فخر کرے گا جبکہ آئی ایس آئی کے موجودہ سربراہ اور صدر پاکستان کے معتمد خاص لیفٹیننٹ جنرل احسان الحق نے اپنی شبانہ روز محنت اور اعلیٰ لیڈر شپ کی بنا پر اسے جدید ترین خطوط پر از سر نو منظم کر کے اسے انتہائی فعال اور متحرک ادارہ بنا دیا ہے۔ یہ ادارہ قیام پاکستان کے فوراً بعد 1948 میں قائم ہوا تھا اور اس کے پہلے سربراہ کرنل بعد میں میجر جنرل شیر علی خان تھے۔ اس نازک دور میں جس طرح پاک فوج کی اٹھان فلسفہ جہاد پر ہوئی۔ اس کی نیو بھی انہی عناصر سے اٹھائی گئی۔ اور اس کے مجاہدوں نے گزشتہ نصف صدی میں وطن عزیز کے لئے انتہائی مشکل حالات میں بھی بڑے معرکے انجام دیئے ہیں، جو اس ادارے کی ہیئت ترکیبی کے باعث کبھی کھل کر قوم کے سامنے نہیں آئے۔ جس روز اس ادارے کی تاریخ لکھی گئی تو لوگ بے ساختہ کہہ اٹھیں گے۔

ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی

یہ ادارہ یوں تو ''خفیہ مخابرات'' کا ادارہ ہے لیکن اس نے ہمیشہ پاکستان کے حصار کے پاسبان کا کردار ادا کیا ہے۔ آئی ایس آئی کا آپریشنل عملہ پاکستان کی بری، بحری، اور فضائی افواج سے تین سالہ ڈیپوٹیشن پر آتا ہے۔ جبکہ سویلین عملہ براہ راست بھرتی کیا جاتا ہے، افواج کا عملہ چونکہ دفاعی تربیتی نظام سے گزر رہا ہوتا ہے، اسلئے آئی ایس آئی میں فوج سا نظام اور ڈسپلن قائم رہتا ہے۔ اس کا ہر نوجوان پاکستان کی عزت و آبرو اور سلامتی و یکجہتی کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے کے جذبے سے سرشار، مسلح افواج کی سی جرات وشجاعت، نظریہ پاکستان سے گہری وابستگی اور اعلیٰ پیشہ ورانہ مہارت کا حامل ہوتا ہے۔ اور گوناگوں امور کی انجام دہی حرکت پذیری، مستعدی اور فوج کی سٹرٹیجک ضروریات کے حوالے سے نہایت فرض شناس ثابت ہوتا ہے۔ واقفان حال کے مطابق یہ ادارہ پاکستان کا ایسا سٹرٹیجک ہتھیار ثابت ہوا ہے کہ بلا مبالغہ اسے اللہ کا خصوصی انعام اور عظیم قومی اثاثہ قرار دیا جاسکتا ہے جو ہمہ وقت چاق و چوبند اور چوکس رہتا، دشمن کے وار سہتا بالخصوص نادیدہ حملوں کا مقابلہ کرتا اور انھیں ناکام بناتا ہے۔ دشمن کو اپنے ہی گھر میں مصروف رکھنا اور اپنے ہی مسائل میں الجھائے رکھنا اسکا اہم فریضہ ہے تاکہ دشمن آپ کی طرف، ہماری طرف کم سے کم توجہ دے سکے۔

یہ ادارہ براہ راست چیف ایگزیکٹو کے زیر نگرانی کام کرتا ہے۔ اسلئے حکومت کی وقتی پالیسیاں کم ہی اس پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ ایسی سٹرٹیجک پالیسیوں کو جو سالہا سال میں میچور ہوتی ہیں۔ آگے بڑھانے میں اس ادارے کا کردار نہایت اہم ہے۔ پاکستان کی دفاعی تنصیبات بالخصوص کہوٹہ پر بھارت واسرائیل کے حملوں کی منصوبہ بندی کا قبل از وقت افشا اور راجیو گاندھی کے عہد میں ''براس ٹیکس'' نامی مشقوں کی آڑ میں پاکستان پر حملے کی سازش کا سراغ لگانا، اس کے وہ کارنامے ہیں جن سے سب ہی آگاہ





ہیں۔ پاکستان کے ہمسائے کے حوالے سے اس کے آپریشن اس قدر بروقت اور پریشان کن ثابت ہوتے رہے ہیں کہ ایک مرتبہ بھارت کی تینوں مسلح افواج کے سربراہ وزیراعظم راجیو گاندھی کے پاس مشترکہ طور پر یہ شکایت لیکر گئے کہ ''بھارتی انٹیلی جنس اداروں کی کارکردگی انتہائی ناقص ہے، اس کے برعکس آئی ایس آئی اس قدر فعال ہے کہ ہمارے یہاں پالیسی ڈاکومنٹ پر دستخط نہیں ہوتے کہ اسے پہلے خبر ہو جاتی ہے۔'' اسی طرح ایک مرتبہ بھارتی وزیراعظم کو یہ رپورٹ کی گئی کہ ''آئی ایس آئی کی چوکسی اور فعالیت کے سبب پاکستان میں ہماری Incursion (مداخلت کاری) کی صلاحیت مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔'' محرمان راز کا کہنا ہے کہ آئی ایس آئی کو بھارتی ایجنسیوں پر ہمیشہ ہی سے برتری حاصل رہی اور دنیا بھر کے اس نوعیت کے اداروں میں یہ صف اول میں شمار ہوتی ہے۔ آئی ایس آئی کا سب بڑا کارنامہ سوویت روس کی فغانستان میں ناکامی اور شکست وریخت ہے۔ جس کی دشمنوں نے بھی تحسین کی۔ یہی وہ موڑ ہے جہاں سے دنیا کے سامراجیوں اور استعماریوں کی نگاہ میں آئی ایس آئی بری طرح کھٹکنے لگی ہے۔

افغان جنگ چونکہ آئی ایس آئی نے امریکی سی آئی اے کے تعاون سے لڑی تھی، اسلئے امریکہ کو اس کی ضرب کی شدت اور اس کے طریق کار کی گہرائی و گیرائی کا اندازہ عملی طور پر ہو گیا۔ سب سے بڑی اور خطرناک بات یہی ہوئی۔ آئی ایس آئی نے افغانستان کی جنگ جیت کر دنیا بھر کی انٹیلی جنس ایجنسیوں میں اپنا گراف انتہائی بلند کرلیا۔ یہ امر امریکہ کے لئے سخت تشویش کا باعث بنا، کیونکہ اس جنگ کے دوران آئی ایس آئی کے اندر ایک بڑا Brain ابھر کر سامنے آیا۔ جسے کھل کر اپنی صلاحیتیں دکھانے کا موقع ملا، یہ ایک ایسی منظم ٹیم تھی، جس کی کارکردگی پوری دنیا بالخصوص امریکہ پر واضح ہو چکی تھی اور سی آئی اے کو آئی ایس آئی نے نہ صرف ذہانت کے میدان میں مات دی بلکہ اس پورے علاقے میں ممکن حد تک اسے بے بس کر دیا اور آئی ایس آئی خوف کی علامت بن گئی۔

سینئر بش سی آئی اے میں رہ چکے تھے۔ انھیں آئی ایس آئی کی فعالیت کا اندازہ تھا، انہوں نے 20 جنوری 1989 کو امریکی صدر کا عہدہ سنبھالا تو آئی ایس آئی کے پر کاٹنے کو اپنی اولین ترجیح قرار دیا، اور چونکہ آئی ایس آئی سے ہمسایہ دشمن بھی زچ تھا، اسلئے اسے اور امریکی قیادت کے ''لے پالک'' اسرائیل کو بھی اس سازش میں شامل کرلیا گیا اور پھر آئی ایس آئی پر دوطرفہ حملے شروع ہو گئے۔ پھر وہ مرحلہ بھی آیا کہ جب مغربی اور بھارتی میڈیا نے ستمبر 1995 میں ''خلافت آپریشن'' کے تناظر میں ایسی خبریں شائع کیں کہ محترمہ بے نظیر بھٹو اور امریکہ سے برآمد کردہ وزیراعظم معین قریشی نے امریکہ کو اپنا ''آزاد خیال'' رہنما ہونے کا تاثر دینے کیلئے آئی ایس آئی کی طاقت پر ضرب لگانے اور اس کے نظریاتی تشخص کو تحلیل کرنے کے ضمن میں بعض متنازعہ اقدامات کرنے پڑے۔ آئی ایس آئی کی

سربراہی کرنیوالے جنرل جاوید ناصر اور جنرل اسد درانی کو قبل از وقت فوج سے ریٹائرڈ کیا گیا معین قریشی نے آئی ایس آئی کی تطہیر کے لئے 137 افسران کو نکال باہر کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئی ایس آئی کا Brain جو ایک جگہ اکٹھا ہو کر کام کر رہا تھا' بکھر گیا۔ اس کے نتیجے میں افغان پالیسی اور کشمیر کاز کو نقصان پہنچا' لیکن دشمن کا مقصد پھر بھی پورے طور پر حاصل نہ ہو سکا تھا اسلئے ایک خاص منصوبہ بندی کے تحت آئی ایس آئی کی کردار کشی شروع کر دی گئی۔

آئی ایس آئی چونکہ ہمیشہ بھارت کے توسیع پسندانہ اور اسکی خفیہ تنظیم را کے عزائم میں حائل رہی ہے۔ اسلئے ''را'' نے آئی ایس آئی کے خلاف ہمیشہ افواہوں اور پروپیگنڈہ کی مہم جاری رکھی ہے۔ کچھ عرصہ قبل پاکستان کے دفتر خارجہ نے بھارتی ایجنسی ''را'' کے بارے میں ایک رپورٹ غیر ملکی سفارتکاروں کو بھجوائی تھی اس رپورٹ میں کہا گیا تھا' کہ آئی ایس آئی اپنی صلاحیتوں کے بلند معیار کی وجہ سے ''را'' کے منصوبوں کا اہم ہدف بن چکی ہے۔ اس حوالے سے بعض بھارتی اخبارات میں آئی ایس آئی کے خلاف شائع ہونے والی خبروں کو بطور مثال پیش کیا گیا تھا کہ آئی ایس آئی کس طرح بھارتی حکمرانوں کے ذہنوں پر چھائی ہوئی ہے۔ وہ آئی ایس آئی کو بھارتی پنجاب اور مقبوضہ کشمیر میں ہی بغاوت کا ذمہ دار قرار نہیں دیتے بلکہ بھارت میں برہمنوں کی بالادستی کے خلاف ناگالینڈ' میزورام' جھاڑکھنڈ اور آسام وغیرہ میں جاری تحریکوں کے حوالے سے بھی آئی ایس آئی کے خلاف مسلسل زہر اگلا جا رہا ہے۔ رپورٹ کے مطابق بھارت یعنی را کی طرف سے 1964 ہی سے آئی ایس آئی کے خلاف منفی پروپیگنڈہ جاری ہے۔ کشمیری مجاہدین اور بھارت کے مختلف علاقوں میں جاری ایک درجن سے زائد حق خود اختیاری کی تحریکوں کی کی مدد کے الزام لگا کر آئی ایس آئی کے ہاتھ باندھنا اس زہر افشانی کا اصل مقصد ہے۔ بھارت میں معمولی ڈکیتی ہو یا دہلی اور کلکتہ میں ریل گاڑیاں آپس میں ٹکرائیں' بلکہ اشیائے خوردنی میں ملاوٹ قیمتوں میں اضافے' بازار حصص میں اتار چڑھاؤ کے لئے بھی ''آئی ایس آئی'' کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ قبل بھارت کے بعض علاقوں میں طاعون زدگی کے واقعات سامنے آئے تو اسے بھی آئی ایس آئی کی کارکردگی بتایا گیا کہ آئی ایس آئی کے ایجنٹ طاعون زدہ چوہے بھارت میں چھوڑ گئے۔ ''را'' کے مطابق آئی ایس آئی بھارت کے ہزاروں دینی مدارس کے اساتذہ کو تنخواہ دیتی بلکہ طلبا کو دہشت گردی کے ہتھیاروں کی تربیت بھی مہیا کرتی ہے۔ گذشتہ دور حکومت میں بھارتی نائب وزیر اعظم ایڈوانی کو تو رات کو سوتے میں بھی آئی ایس آئی کے ڈراؤنے خواب آتے تھے اور حالیہ دنوں میں بھارتی وزارت خارجہ کے بعض ذمہ دار اس مرض میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ بی جے پی کے دور حکومت میں انتہا پسند ہندوؤں نے اقلیتوں کی مذہبی عبادت گاہوں پر جو حملے کئے' عیسائی مشزیوں کو زندہ جلایا۔ ایڈوانی کے





مطابق یہ سب آئی ایس آئی کے کارنامے تھے۔ وہ تو بھارتی عیسائی رہنماؤں نے یہ کہہ کر بھارت کا بھانڈہ پھوڑ دیا کہ یہ سب کارنامے بی جے پی' وشوا ہندو پریشد اور بجرنگ دل نے انجام دیئے۔ مختصر یہ کہ بھارت کو ہر معاملے میں آئی ایس آئی کا ہاتھ ہی نظر آتا ہے۔ چنانچہ مارچ 2004 میں بھارتی حکومت نے مشرقی اور شمالی ریاستوں کو ہدایت کی کہ پاکستان کی خفیہ تنظیم آئی ایس آئی کے ایجنٹوں کو بنگلہ دیش سے بھارت میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے سخت اقدامات کئے جائیں اخبارات کے مطابق ایک مراسلہ کے ذریعہ بھارتی حکومت نے سرحدی صوبوں کو خبردار کیا کہ ''آئی ایس آئی نے بھارت میں تخریب کاریوں کے لئے بنگلہ دیش میں نئے مراکز قائم کر لئے ہیں۔ جبکہ کشمیر میں پہلے ہی اپنی کاروائیاں جاری رکھے ہوئے ہے۔ لیکن اس وقت عالمی توجہ کے باعث آئی ایس آئی کشمیر کے بجائے بھارت کی دوسری سرحدوں پر تخریب کاری کرنا چاہتی ہے۔ اس مراسلہ میں کہا گیا ہے کہ پاکستان ریڈیو بنگال کے ذریعہ بھارت کی سرحدی ریاستوں مغربی بنگال' آسام' تری پورہ اور میزورام کے لوگوں کی برین واشنگ کر کے ان کو بھارتی حکومت کے خلاف اکسا رہا ہے۔'' جبکہ بنگلہ دیشی حکومت نے ان الزامات کو بے بنیاد قرار دیا ہے۔

بدقسمتی سے بھارتی عوام بھی ''را'' کے اس جھوٹ کے شاہد ہیں ''را'' ہی نے اسرائیلی موساد کے تعاون سے 90 کے عشرے میں کئی سال تک پاکستان کو دہشت گرد ملکوں کی فہرست میں لانے کی راہ ہموار کی' 93-94 میں اس سلسلے میں پاکستان پر بہت دباؤ تھا' امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے اس کا جو سبب بیان کیا تھا وہ بھی ''را'' کی طرف سے پیدا کردہ تھا۔ ادھر آئی ایس آئی نے پاکستان میں ''را'' کی سرگرمیوں کا جو اندازہ لگایا ہے اس کے مطابق کراچی سمیت سندھ میں ''را'' کے پانچ ہزار تربیت یافتہ ایجنٹ موجود ہیں' اور بھارت میں 34 ایسے کیمپ قائم ہیں جن میں صرف پاکستان میں دہشت گردی کرانے کے لئے تربیت دی جاتی ہے۔ اسی طرح افغانستان میں بھارت نواز ناردرن الائینس کی حکومت ہونے کی وجہ سے بھارت کو وہاں درجن بھر قونصلیٹ دفاتر کھولنے کی سہولت حاصل ہے جن میں ''ر'' ا کے ایجنٹ دندنا رہے ہیں اور آجکل (2004 میں) یہ عناصر بلوچستان میں اُودھم مچا رہے ہیں۔

حالیہ برسوں میں کارگل آپریشن ایسا کارنامہ ہے جس پر غیروں نے بھی خراج تحسین پیش کیا ہے ''ہسٹری آف دی پاکستان آرمی'' کے مصنف اور معروف برطانوی جنگی تجزیہ نگار کرنل برائن کلاؤلی (BrianCloughley) نے کثیر الاشاعت برطانوی جریدہ ''آرمی کوارٹرلی اینڈ ڈیفنس جرنل'' کے شمارہ نمبر 3 جلد نمبر 129 میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ

> ''اوائل 1999 میں کارگل اور دراس میں جو کچھ ہوا بڑی مہارت سے پلان کیا گیا تھا اس میں تقریباً 900 کے قریب تربیت یافتہ بے قاعدہ جوان شامل تھے جن کو ناردرن لائٹ انفنٹری کے

> سولجرز کی سپورٹ حاصل تھی۔کوئی صاحب عقل وہوش یہ باور نہیں کرسکتا کہ یہ لوگ گذشتہ برس کے اوائل میں کنٹرول لائن کے اس پار چلے گئے تھے کہ یہاں راستے اور پگڈنڈیاں مقرر اور متعین ہیں۔اگر ان سے ایک قدم بھی ہٹ کر حرکت کی جائے تو گہری برفانی غاریں نگلنے کے لئے منہ کھولے کھڑی ہوتی ہیں تاہم جن لوگوں نے یہ کارنامہ انجام دیا ان کی جرات وہمت بے پناہ اور بے حساب ہوگی۔پاکستان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ کیا ہو رہا ہے جبکہ بھارت اس سے بے خبر تھا۔ایک بھارتی بریگیڈیر اور ایک کرنل کو اس بے خبری کے باعث سیک (Sack) کیا گیا۔تاہم فرائض سے غفلت برتنے کا الزام ان سے اوپر والوں پر بھی عائد ہوتا ہے 15000 ہزار فٹ سے بلند چوٹیوں پر مسلح ٹروپس کو برقرار رکھنا کسی بھی فوج کے انصرامی نظام (لاجسٹک) پر بہت بڑا بوجھ تصور کیا جاتا ہے۔اس دراندازی کی پشت پناہی اگرچہ پاکستان نے کی تاہم جن لوگوں نے اس مشن کی تکمیل کی ان کی ہمت اور حوصلے کی داد دینی پڑتی ہے۔''

کرنل برائن نے اپنے تبصرہ میں ''دراندازی'' کے انکشاف پر بھارت میں مچنے والی کھلبلی، اعلیٰ ترین فوجی وسیاسی قیادت کی بوکھلاہٹ، بھارتی اقدامات اور فضائیہ کی ناکامی کا ذکر کرتے ہوئے مزید لکھا ہے کہ

> ''بھارت کا یہ ایکشن اس کے لئے ایک ڈراؤنا خواب تھا، بھارت کے محکمہ دفاع نے اس جنگ کو فتح کا جو نام دیا ہے اور جو بے بنیاد دعوے کئے ہیں وہ اتنے جھوٹے اور باطل ہیں جتنا ان کی وہ پست حرکت جو انہوں نے اپنے نوجوانوں کو بغیر کسی تیاری کے اس لڑائی میں جھونک کر کی''

کرنل برائن نے اس معرکہ کے بعد بھارتی فوج کے انتظامی ڈھانچے میں کی جانے والی تبدیلیوں اور اس پر اٹھنے والے اربوں ڈالر کے اخراجات کا بھی ذکر کیا ہے جبکہ بھارت کی پندرھویں کور کے جنرل کرشن پال نے اس معرکے کی سنگینیوں کا یوں اعتراف کیا ہے کہ'' کارگل کے بعد سیاچین بہت آسان لگتا ہے۔کارگل پر تو سیاچین کے مقابلے میں دوگنی فوج رکھنی پڑے گی۔'' کرنل برائن نے 1990 کے عشرے میں مقبوضہ کشمیر کی 700 کلومیٹر کنٹرول لائن اور مجاہدین کے تربیتی کیمپوں کے دورے اور ذاتی مشاہدے کے حوالے سے لکھا ہے کہ

> ''مقبوضہ کشمیر میں تحریک آزادی یا بغاوت کو کچلنے کے لئے بھارتیوں نے جو ظلم وستم کیا، اس نے پاکستانیوں کے جذبہ اخوت کو جگا دیا۔ان کے سینوں میں ایک انتقام پرورش پا رہا تھا جس کا اظہار انہوں نے کارگل میں کیا، راقم الحروف نے ان ٹریننگ کیمپوں کا کئی بار دورہ کیا میں نے دیکھا ان کیمپوں میں پاکستانی حکومت کی طرف سے کوئی سرکاری سپورٹ نہیں دی جا رہی تھی لیکن اس عمل کو پاکستانی حکومت کی مخالفت کا بھی سامنا نہ تھا۔''

دنیا بھر نے یہ اعتراف کیا کہ کارگل کے معرکے میں خفیہ بھارتی ایجنسیوں کو آئی ایس آئی کے





ہاتھوں شہ مات ہوئی۔اس پر ہندوستان بھر میں حکومت اور خفیہ اداروں کی نالائقی اور نااہلیت پر زبردست تنقید کی گئی۔بی جے پی حکومت نے اپنے تحقیقاتی کمیشنوں اور کمیٹیوں کی مدد سے جو نتیجہ نکالا اس سے تو ہم پرست ہندوؤں کے دلوں پر آئی ایس آئی کی اور بھی دھاک بیٹھ گئی۔بھارتی حکومت اور فوجی قیادت کی طرف سے زبان حال سے آئی ایس آئی کو خراج تحسین پیش کیا گیا' کہا گیا کہ آئی ایس آئی نے ایسی چال چلی کہ دشمن خاموشی سے ڈیڑھ سو کلومیٹر میں پھیلے ہوئے بھارتی مورچوں پر قابض ہو گیا اور بھارتی فوج اور خفیہ ادارے کئی ماہ تک اس بات کا سراغ نہ لگا سکے۔

آئی ایس آئی کے ایک سابق سربراہ کے مطابق 9/11 کے بعد تو بہت کچھ بدل گیا ہے۔ آئی ایس آئی دراصل سرد جنگ کا ہتھیار ہے۔اور 9/11 کے بعد تو اسے پاکستان کے حوالے سے مزید موثر اور فعال بنانے کی ضرورت ہے' کیونکہ پاکستان اور امریکہ کے تعلقات اس وقت جس نہج پر جا رہے ہیں وہ یوں سمجھیئے ''زبردستی کی شادی'' ہیں اور ایسی شادیوں میں پائیداری نہیں ہوتی۔امریکہ اپنے مفادات کے حصول کے لئے جس طرح پاکستان پر دباؤ بڑھا رہا ہے' اور کبھی کشمیر اور کبھی افغانستان' اور کبھی دہشت گردی کے حوالے سے پاکستان کے حساس اداروں میں ''انتہاپسندوں'' کی موجودگی کے بارے پروپیگنڈہ کرتا رہتا ہے' وہ دراصل آئی ایس آئی کو بدنام اور کمزور کرنے کیلیئے ہے۔وہ پاکستان سے کام بھی لے رہا ہے اور اسے بدنام بھی کر رہا ہے اور یوں بھی امریکی ایجنڈا ہمارے قومی مقاصد کے منافی ہے۔ 5 فروری 2004 کے بعد امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ''قریب ترین'' اخبار واشنگٹن ٹائمز میں ایک امریکی دانشور اور تجزیہ نگار ہرے گریو نے ایٹمی پھیلاؤ کے لئے ڈاکٹر خان کو ذمہ دار قرار دیتے ہوئے اس پروجیکٹ میں آئی ایس آئی کو جسطرح ملوث کرنے کی کوشش کی وہ دراصل اس قابل فخر عسکری ادارے کے خلاف امریکی عزائم کا ایک اشارہ ہے۔

ہمسایہ دشمن کے ذہن وقلب پر آئی ایس آئی کا خوف کس قدر مسلط ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگا لیجئے کہ اور تو اور وہ سیاسی جماعتوں اور سیاسی قیادت میں اتھل پتھل اور سرکاری اداروں کی کارکردگی میں گڑبڑ کا ذمے دار بھی آئی ایس آئی کو ٹھہراتا ہے ''خوئے بد را بہانہ بسیار'' یعنی ہر گناہ دشمن کے سر تھوپ دو ہر الزام پاکستان کے ذمہ لگا دو ہر جرم آئی ایس آئی کے کھاتے میں ڈال دو چنانچہ 2004 کے قبل از وقت قومی انتخابات میں بھی یونائیٹڈ نیوز آف انڈیا اور ہندوستان ٹائمز کے مطابق بھارت کی وفاقی حکومت نے اترپردیش اور مغربی بنگال میں ''ریڈ الرٹ'' کئے رکھا اور ان ریاستوں کی سرحدوں کو سیل کرنے کا حکم دیا کیونکہ خفیہ کی رپورٹوں میں کہا گیا تھا کہ آئی ایس آئی نے انتخابات کے دوران ملک کو غیر مستحکم کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔حالانکہ گذشتہ اپریل (2003) میں واجپائی کی طرف سے پاکستان کے لئے دوستی کے

پیغام کے بعد بھارت کی طرف سے اس قسم کی کسی حرکت کی توقع نہیں تھی۔اسی طرح کشمیر میں بامقصد مذاکرات کے وعدوں کے پس منظر میں بھارت کی نئی حکومت کی طرف سے آئی ایس آئی پر اگست 2004 کے اوائل سے مقبوضہ کشمیر میں دراندازی کے الزامات کا اعادہ دراصل امن مذاکرات کو ناکام بنانے کی حکمت عملی کا حصہ ہے' کیونکہ پاکستان نے سارک سربراہی کانفرنس کے بعد جس تیزی سے امن مذاکرات کی کامیابی کے لئے گرم جوش خیر سگالی کا مظاہرہ کیا ہے وہ بھارت کے لئے مسئلہ کشمیر اور بعض دوسرے معاملات کے ضمن میں دردسر بن گیا ہے۔اسلئے اس نے امن مذاکرات سے دامن چھڑانے کیلئے آئی ایس آئی کو پھر سے اپنی الزامی مہم کا حصہ بنالیا ہے۔یو این آئی کی رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا کہ آئی ایس آئی صرف مقبوضہ جموں وکشمیر میں ہی نہیں بلکہ پورے بھارت میں سرگرم عمل ہے۔اس قسم کی الزام تراشی کا ایک اور سبب یہ نظر آتا ہے کہ 9/11 کے بعد کے سنگین حالات میں جسطرح پاکستان صدر پرویز مشرف کی حکمت عملی سے سرخرو ہو کر نکلا ہے اور امریکہ نے اس کے اعتراف میں ''پاکستان کو نان نیٹو اتحادی'' کا درجہ دیا ہے۔اس نے بھارت کے پاکستان کی فوج کو ''بدمعاش فوج'' قرار دینے کے کھیل کا (فی الحال) خاتمہ کردیا ہے۔مغربی میڈیا پاک فوج اور آئی ایس آئی کو بدنام کرنے کے لئے طرح طرح کی خبریں دے رہا ہے چنانچہ ایک مغربی ویب سائٹ Strat for جو (Sofar) کے نام سے جانی جاتی ہے اس نے مارچ 2004 کی جیو پولیٹکل ڈائری کے تحت انکشاف کیا کہ

''امریکہ نے ڈاکٹر خان کو دی جانے معافی کو اس لئے مسئلہ نہیں بنایا کہ صدر پرویز مشرف بن لادن کی تلاش کیلئے ہزاروں امریکی فوجیوں کو پاکستان میں داخل ہونے کی اجازت دینے پر رضا مند ہوگئے ہیں امریکہ نے صدر پرویز مشرف پر واضح کردیا ہے کہ امریکہ ایٹمی سرگرمیوں کے حوالے سے آئی ایس آئی کے سرکردہ افراد کے کردار سے پوری طرح باخبر ہے اسی طرح 9/11 سے قبل اور بعد میں اسامہ بن لادن کو پاکستان کے قبائلی علاقے میں آئی ایس آئی کے لوگوں نے تحفظ اور اعانت دی اس سے بھی امریکہ باخبر ہے۔واشنگٹن نے صدر پرویز مشرف سے دوٹوک الفاظ میں کہا ہے کہ آئی ایس آئی سے اسلامی عناصر کا اثر ورسوخ ختم نہ کیا گیا تو امریکہ پاکستان کے خلاف انتہائی اقدام اٹھانے پر مجبور ہوگا۔''

اسی طرح اگست کے پہلے ہفتے میں سی این این نیوز چینل نے خبر دی کہ قبائلی علاقوں میں آئی ایس آئی کی معاونت سے القاعدہ کے تربیتی کیمپ اب بھی موجود ہیں جس کی تردید پاکستانی وزارت خارجہ کے ترجمان نے 6 اگست 2004 کو کردی۔

مغربی اور بھارتی میڈیا کی ان الزام تراشیوں کا مقصد ایک ہی ہے کہ کسی طرح آئی ایس آئی





کو دنیا بھر میں بدنام کرنے کے ساتھ ساتھ اسے اہل وطن بالخصوص سیاسی وعسکری قیادت کی نظروں میں بھی گرادیا جائے۔ایسا کرنے کیلئے وہ کہتے رہتے ہیں کہ آئی ایس آئی ریاست کے اندر ریاست ہے اور اس کا اپنا ہی ایجنڈا ہے۔چنانچہ ان حلقوں کی طرف سے وقفے وقفے کے ساتھ اس قسم کی خبریں دی جاتی ہیں کہ آئی ایس آئی پر جنرل پرویز مشرف کی گرفت زیادہ مضبوط نہیں اور آئی ایس آئی کے افسران پہلے کی طرح از خود فیصلے کر رہے ہیں حالانکہ صدر پرویز مشرف ایک سے زیادہ مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ

''الفاظ کی بجائے عمل زیادہ وقیع ہوتا ہے۔آئی ایس آئی کا جو افسر میری بات نہیں مانے گا حکومت کی پالیسی کے خلاف چلے گا اسے گھر بھیج دیا جائے گا''

پاکستان مخالف عناصر ایسی خبریں بھی پھیلاتے رہتے ہیں کہ امریکہ نوازی کے سبب جنرل پرویز مشرف کے خلاف بغاوت ہوسکتی ہے۔پھر نامعلوم امریکی حکام کے حوالے سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر صدر جنرل پرویز مشرف کا تختہ الٹنے کی کوشش کی گئی یا بنیاد پرستوں نے ایٹم بم پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تو امریکہ پاکستان کے ایٹمی ہتھیاروں کو تباہ کردے گا۔دراصل آئی ایس آئی کے بارے میں ریاست کے اندر ریاست ہونے اور بہتان کے انداز میں نظریاتی انتہاپسندی کا الزام دینے کے پیچھے دشمن کی ایک ہی خواہش کارفرما ہے کہ کسی طرح اس عظیم ادارہ کو متنازعہ' مشکوک اور کمزور کردیا جائے اور یوں پاکستان بھی دفاعی لحاظ سے کمزور ہوجائے۔

دریں اثنا برطانوی جریدہ ''اکانومسٹ'' نے مارچ 2004 کے دوسرے شمارے کے ساتھ "Fore cast Pakistan" کے عنوان سے جو رپورٹ چھاپی ہے' اس نے قومی حلقوں کو مزید مضطرب کردیا ہے۔یہ دراصل فوج اور آئی ایس آئی کی صفوں میں کشیدگی اور تضادات کو ابھارنے کی مذموم کوشش ہے اکانومسٹ نے اپنے خفیہ ذرائع کے حوالے سے دعویٰ کیا ہے کہ

''صدر جنرل پرویز مشرف نے کشمیر پر بھارت کے ساتھ خفیہ مفاہمت اور پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر کام کرنے والے سائنسدانوں کو منظر سے ہٹانے کے بعد' علاقے کے لئے امریکی منصوبے کے دوسرے مرحلے پر عمل شروع کردیا ہے۔اور یہ مرحلہ افغانستان پر امریکی گرفت کو مضبوط بنانے' پاکستان کی اہم ترین خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی کو ختم کرنے اور فوج کو امریکہ مخالف ہارڈ لائنرز سے پاک کرنے پر مشتمل ہے''

امریکی وزارت خارجہ نے 28 فروری 2004 کے شکاگو ٹربیون میں ایک نہایت حساس سیاسی مضمون چھپوایا تا کہ پاک فوج اور اس کی خفیہ ایجنسی میں موجود امریکہ مخالف انتہاپسندوں کے ردعمل کا اندازہ کیا جاسکے۔مضمون میں ''گمنام'' فوجی ذرائع کے حوالے سے کہا گیا کہ

''بش انتظامیہ نے افغانستان میں القاعدہ کے خلاف فوجی کاروائی کے ضمن میں جو منصوبے بنائے ہیں۔اس میں پاکستان کی حدود میں امریکی کاروائی بھی شامل ہے۔''

امریکی انتظامیہ کے نزدیک کہ آئی ایس آئی میں ''ہارڈ لائن'' عناصر کی موجودگی بھارت' افغانستان اور چین کے بارے میں اس کے علاقائی منصوبے کیلئے سب سے بڑا خطرہ ہے۔امریکی میڈیا اور سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کئی بار آئی ایس آئی پر افغانستان اور پاکستان کی قبائلی پٹی میں امریکی فوج اور کرزئی کے خلاف طالبان اور القاعدہ کی حمایت کرنے کا الزام لگا چکے ہیں۔ یکم اکتوبر 2003 کو امریکی نائب وزیر خارجہ رچرڈ آرمائیج نے اپنے بیان میں افغان صدر کرزئی اور پاکستان کی قبائلی پٹی میں القاعدہ کے خلاف کاروائی کی حمایت کے ضمن میں صدر مشرف کے کردار کی تعریف کرتے ہوئے پاکستان کی سیکورٹی ایجنسی کے افسروں اور دوسرے عملے کو امریکہ کے ساتھ تعاون میں ''زیادہ پرجوش'' نہ ہونے کے لئے مطعون کیا' اسی طرح واشنگٹن پوسٹ نے جو امریکی وزارت خارجہ کے بہت قریب ہے۔اپنے ایک سے زائد اداریوں میں یہ دعویٰ کیا کہ واجپائی کے جنوری 2004 میں اسلام آباد کے دورہ کے بعد امریکی سفیر نینسی پاول نے صدر پرویز مشرف سے ملاقات کر کے انہیں آئی ایس آئی کو ختم کرنے کا مشورہ دیا۔امریکہ کی خواہش ہے کہ آئی ایس آئی کو توڑ دیا جائے اور اس کے ذمے جو فرائض ہیں وہ دوسری خفیہ ایجنسیوں کو منتقل کر دیئے جائیں' اور اگر سیاسی مخالفت کے باعث ایسا ممکن نہ ہو تو ڈی جی آئی ایس آئی کی خصوصی مانیٹرنگ کے ذریعہ اسکی سرگرمیوں کو محدود کر دیا جائے اور پالیسی پلاننگ کی ذمہ داری بیرونی ''تھنک ٹینکوں'' کو منتقل کر دی جائے۔اکانومسٹ کے مطابق آئی ایس آئی کو ختم کرنا فوج میں موجود ''ہارڈ لائنرز'' کی تطہیر کے بغیر ممکن نہیں۔اور اس کے لئے امریکہ فوج میں سالانہ ردوبدل سے فائدہ اٹھائے گا جس کے بعد پاکستان کے خفیہ ادارے پر امریکی گرفت اور مضبوط ہو جائیگی۔

اکانومسٹ نے مزید لکھا کہ امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ سے متعلق اداروں میں پاکستان کے خفیہ اداروں اور فوج کے سابقہ افسروں کی بھرتی سے امریکی خفیہ اداروں کے اثر ورسوخ میں پہلے ہی خاصا اضافہ ہو گیا ہے۔اکانومسٹ نے لکھا ہے کہ آئی ایس آئی کا خاتمہ پاکستان کے سٹریٹجک اثر ورسوخ کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوگا۔اس کے بعد افغانستان کے پشتون' بھارت نواز شمالی اتحاد کی حکمرانی کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے اور کشمیریوں کو بھارت کی شرائط کے مطابق مسئلہ کشمیر کے حل کو تسلیم کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

امریکہ کا خیال ہے کہ آئی ایس آئی کے خاتمہ سے طالبان کی مزاحمت ختم ہو کر رہ جائیگی اور امریکہ مخالف پشتونوں پر بھی با آسانی غلبہ حاصل کیا جا سکے گا۔کیونکہ افغانستان وسط ایشیا سے بھارت تک





امریکی آئل پائپ لائن کے خواب کی تعبیر' بھارت کی توانائی کی ضرورتوں کی تکمیل اور وسط ایشیائی ریاستوں سے تجارت میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔مزید براں بھارت کی کیسپین کے تیل کے ذخائر تک رسائی اور چین کے خلاف بھارت کو علاقائی طاقت کے طور پر تیار کرنے کے امریکی منصوبہ میں بھی نہایت اہمیت رکھتی ہے اسی طرح تصادم کی صورت میں بھارت کو توانائی کی سپلائی مسلسل جاری رہے گی۔اکانومسٹ نے دعویٰ کیا ہے کہ جس طرح صدر مشرف نے کشمیری مجاہدین کو بھارت کے ہاتھوں ختم کرانے کے لئے ان کے اڈوں اور کیمپوں کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں' اس طرح کا جال وہ آئی ایس آئی کے لئے بچھا رہے ہیں اور اس کیلئے پاکستان میں امریکی فوجوں کی تعیناتی کے لئے امریکہ کو ضروری معلومات اور جواز فراہم کیا جا رہا ہے۔آئی ایس آئی میں افغان ڈیسک پہلے ہی بند کیا جا چکا ہے۔جبکہ صدر پرویز مشرف بتدریج آئی ایس آئی کے باقی ماندہ ڈھانچے کے خاتمے کیلئے کام کر رہے ہیں۔''

قارئین کرام۔پاک فوج اور پاک فوج کے قابل فخر ادارے آئی ایس آئی کو کمزور کرنے کے حوالے سے مذکورہ بالا بیانات اور غیر ملکی میڈیا کے زہریلے پروپیگنڈے سے چند اقتباس صورت حال کو سمجھنے کیلئے کافی ہیں۔جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ ان اداروں کو کسی بھی لحاظ سے متنازعہ بنانے' انکے حوالے سے شکوک وشبہات پیدا کرنے اور ان اداروں کو طرح طرح کی افواہوں کا مرکز بنانے کا مقصد خود پاکستان کو کمزور کرنا ہے بلکہ اسے تحلیل کرنا ہے۔لہذا اس نازک موڑ پر پوری قوم کا اتفاق واتحاد وقت کی ضرورت ہے۔غیر ملکی نفسیاتی جنگ کی کاروائیوں کو سمجھنا ہم سب پر لازم ہے۔اس حوالے سے میڈیا کا بھی فرض ہے کہ وہ ان غیر ملکی افواہوں اور زہریلے پروپیگنڈے اور غیر محتاط ملکی بیانات کو غیر ارادی طور پر نہ اچھالیں جن سے دفاع پاکستان کو کسی بھی لحاظ سے نقصان پہنچتا ہو۔میرا یہ تجزیہ ہے اور میرا یہ ایمان ہے کہ جس طرح پاکستان کے ایٹمی پروگرام کا تحفظ لازمی ہے اسی طرح مضبوط افواج پاکستان اور فعال ومتحرک آئی ایس آئی وطن عزیز کے دفاع اور پاکستان کے سٹریٹجک مفادات کے حصول کے لئے ضروری ہیں پاکستان کی بقا کی ضمانت اسکے بنیادی نظریہ حیات اور اسکی ناقابل تسخیر دفاعی صلاحیتوں میں مُضمر ہے۔

# صدر پرویز مشرف کا المیہ

محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی ڈی بریفنگ ان کی کردار کشی انکی توہین بلکہ تذلیل کے حوالے سے لکھی جانے والی اس کتاب میں میں نے کئی ابواب میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ حکومت پاکستان اور خود صدر پاکستان نے محسن پاکستان اور انکے رفقا کے حوالے سے نام نہاد ایٹمی پھیلاؤ کے معاملے سے عہدہ براہونے کیلئے جو حکمت عملی اختیار کی مجھے ذاتی طور پر اس سے اختلاف ہے۔ میرا ان سے بنیادی اختلاف یہ ہے کہ وہ آئی اے ای اے (یا امریکہ کہہ لیجئے) کی طرف سے اس حوالے سے دباؤ کے پیش نظر غیر جانبدارانہ اور آزادانہ تحقیقات کراتے خود الزام تراشی کے اس مکروہ عمل میں شامل نہ ہوتے اور ان کم بخت پاکستانیوں کو محسن پاکستان کی کردار کشی سے روکتے جنہوں نے کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی کردار کشی کر کے انہیں شدید اذیت دی۔ لیکن میں زیر نظر باب میں اس سارے انتہائی تکلیف دہ معاملے کے ایک ایسے پہلو کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں جسے میں صدر پرویز مشرف کا المیہ کہتا ہوں۔ صدر صاحب کا المیہ یہ ہے کہ انہوں نے بعض ایسے اقدامات کئے جن کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ وہ پاکستان کے وسیع تر مفاد میں کئے گئے اور حالات کے جبر کے تحت کئے گئے اور غیر جانبدار ملکی وغیر ملکی مبصر اور تجزیہ نگار بھی انکے اس موقف کی تائید کرتے ہیں لیکن وہ عوام کو ان اقدامات کے پاکستان کے حق میں ہونے کا یقین نہیں دلا سکے۔ میں اسے حکومت کی اطلاعاتی ناکامی (Information Failure) قرار دیتا ہوں۔

مجھے یاد آ رہا ہے کہ ان کے اقتدار میں آنے کے کچھ ہی عرصہ بعد کور کمانڈر پشاور لیفٹیننٹ جنرل (ر) سعید الظفر نے امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد کے داخلے پر پابندی لگائی تو مجھے اس وقت عسکری ذرائع سے معلوم ہوا تھا کہ صدر پرویز مشرف نے ذاتی طور پر جنرل سعید الظفر کو اس پابندی کو ہٹانے کا کہا۔ جنرل سعید الظفر نے پابندی ہٹانے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''قاضی صاحب کو ابھی سے ''دائرے'' میں نہ رکھا گیا تو آگے چل کر وہ بہت مشکلات کھڑی کریں گے۔ جنرل پرویز مشرف نے نہ صرف پابندی ہٹوادی بلکہ ایک فوجی افسر کے ذریعہ محترم قاضی صاحب سے اظہار افسوس بھی کیا تھا۔ اسی طرح مجھے یاد آ رہا ہے کہ کلنٹن کے دور میں (جنوری 2000) امریکی سینٹروں کے وفد کو جو پاکستان کے دورے پر آیا ہوا تھا۔ جنرل پرویز مشرف نے قائل کر لیا تھا کہ جہاد مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے اور آج کل مقبوضہ کشمیر اور فلسطین سمیت دینا کے بعض حصوں میں مسلمان اپنی آزادی کے لیے جہاد کر





رہے ہیں اور امریکہ کو دہشت گردی اور جہاد میں بنیادی فرق کو سمجھنا ہوگا۔ انہوں نے امریکی سینٹروں کو یاد دلایا تھا کہ یہ جہادی تنظیمیں ہی ہیں جنہوں نے سوویت یونین کو افغانستان میں شکست دی تھی۔ جہادی تنظیموں کو چھیڑا گیا تو پاکستان میں داخلی امن وسلامتی کے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں بلکہ صدر کلنٹن 25 مارچ 2000 کو جب اسلام آباد آئے تھے اور کشمیر' سی ٹی بی ٹی' بحالی جمہوریت' افغانستان اور اسامہ بن لادن وغیرہ بات چیت کا موضوع بنے۔ اس شام جنرل پرویز مشرف نے صدر کلنٹن سے مذاکرات کے حوالے سے اخبار نویسوں کو جو کچھ بتایا اس کے مطابق جنرل مشرف نے پاکستان کے مفادات کے منافی کوئی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا اور اس کا اعترف امریکی ترجمان لاک برٹ نے بھی کیا تھا کہ ''ہم خالی ہاتھ واپس جا رہے ہیں'' یہ جنرل پرویز مشرف ہی تھے جنہوں نے امریکی لیڈروں کو مذاکرات کی راہ اپنانے کا مشورہ دیا تھا اور امریکہ اور طالبان کے درمیان رابطوں اور مذاکرات کا سلسلہ قائم کرنے میں کردار ادا کیا تھا۔ گویا انہوں نے کسی قسم کی مصلحتوں کو خاطر میں لائے بغیر اپنے موقف کا برملا اظہار کی روایت قائم رکھی تھی۔

میرے تجزیئے کے مطابق صدر اور عوام کے بعض حلقوں میں فاصلہ 9/11 کے بعد شروع ہوتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ صدر پاکستان نے یا صدر مشرف نے 9/11 کے بعد جو بھی حکمت عملی اختیار کی 9/11 سے پہلے کی حکمت عملی ہی کا تسلسل تھا۔ پاکستان میں 9/11 سے پہلے ہی سے مذہبی انتہا پسندی' فرقہ واریت اور دہشت گردی کے خلاف اقدامات کا آغاز ہو چکا تھا اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں دہشت گردی میں بعض ایسے افغانی اور دیگر غیر ملکی اور اور پاکستانی بھی ملوث رہے ہیں جنہوں نے افغانستان میں طالبان اور القاعدہ کے کیمپوں میں پناہ لے رکھی تھی ان دہشت گردوں کو وہاں تربیتی سہولتیں ہی نہیں وہاں سے مالی اعانت بھی حاصل ہوتی تھی۔ پاکستان میں مذہب اور فرقوں کے نام سے گذشتہ کئی سال سے جو دہشت گردی جاری تھی وہ محض انتہا پسندی اور پاگل پن تھا بلکہ میں کہوں گا کہ پاکستان نے 9/11 کے بعد جو حکمت عملی اختیار کی حقیقت میں اسکی بنیاد صدر مشرف کے دور سے بھی پہلے رکھی جا چکی تھی اور وہ اس لئے کہ پاکستان کی اس وقت کی اجتماعی دانش نے سمجھ لیا تھا کہ انتہا پسندی اور پاکستان ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ 14 اکتوبر 1999 کو سابق وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے افغانستان سے دہشت گرد ریاض بسرا جو کئی فرقہ وارانہ وارداتوں میں ملوث تھا اسے اور اس کے ساتھیوں کو پاکستان کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔ وزیر اعلیٰ نے اپنی پریس کانفرنس میں طالبان کا ذکر نہیں کیا تھا لیکن ان کا واضح اشارہ طالبان کی طرف تھا انہوں نے طالبان کو پاکستان میں ہونے والی دہشت گردی کا ملزم ٹھہرایا تھا۔ بی بی سی کے تبصرہ نگار اور لاہور میں

نمائندہ شاہد ملک نے اپنے تبصرہ میں کہا کہ وزیراعلیٰ نے پاکستان میں دہشت گردی کے حوالے سے طالبان اور افغانستان کا نام لیا ہے۔وزیراعلیٰ سیکرٹریٹ کے ترجمان نے اس کی تردید کی کہ جناب شہباز شریف نے افغانستان یا طالبان کا نام لیا تھا' تاہم حکومت میں موجود اور حکومت سے باہر تمام لوگ جانتے تھے کہ ان کا واضح اشارہ کس طرف تھا۔دہشت گردوں کی پناہ گاہیں افغانستان میں تھیں اور انھیں طالبان کی پشت پناہی حاصل تھی۔جنرل پرویز مشرف کی حکومت نے بھی طالبان سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ افغانستان میں موجود دہشت گردی کے کیمپ بند کردیں اور دہشت گردوں کو پاکستان کے حوالے کردیں اور خود جنرل پرویز مشرف نے اقتدار سنبھالنے کے ایک ہفتے بعد ملک بھر سے منشیات فروشوں اور دہشت گردوں کی فہرستیں طلب کرلی تھیں' صدر پرویز مشرف کے سابق وزیر داخلہ کا اپریل 2000 کا یہ بیان ریکارڈ پر ہے کہ ''طالبان کی حکومت پر واضح کردیا گیا ہے کہ وہ اپنی سرزمین پر موجود تربیتی کیمپ بند کردے جہاں پر پاکستان سے تعلق رکھنے والے لوگ مسلح تربیت حاصل کرتے ہیں' علاوہ ازیں سپاہ صحابہ اور سپاہ محمد پر واضح کردیا گیا ہے کہ وہ فرقہ وارانہ قتل وغارت گری بند کردیں اور اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تو حکومت ان سے سختی سے نمٹے گی۔''

حکومت کا انتہا پسندی' فرقہ واریت اور دہشت گردی کے خلاف موقف یہاں تک مضبوط ہوتا گیا بالآخر 14 اگست 2001 کو کنونشن سنٹر اسلام آباد میں ناظمین اور نائب ناظمین کے ملک گیر اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے صدر جنرل پرویز مشرف نے ملک سے فرقہ وارانہ انتہا پسندی کو ختم کرنے کے لئے لشکر جھنگوی اور سپاہ محمد پر پابندی لگانے کا اعلان کرتے ہوئے تحریک جعفریہ اور اور سپاہ صحابہ کو وارننگ دی کہ اگر وہ انتہا پسندانہ سرگرمیوں میں ملوث پائے گئے تو ان پر بھی پابندی لگادی جائے گی انہوں نے کہا

> ''پاکستان فرقہ وارانہ اور لسانی انتہا پسندی کا شکار ہے' اور اس میں بے گناہ افراد کی جانیں ضائع ہوتی ہیں بلکہ ایسے لوگ بھی قتل کردیئے جاتے ہیں جو پاکستان کے لئے بہترین کام کررہے ہیں۔''

اسی طرح دینی مدارس میں جدید علوم کی تدریس اور ان کو باقاعدہ نظام سے منسلک کرنے کی تجویز بھی صدر پرویز مشرف کے برسراقتدار آنے سے پہلے سے زیرغور تھی اور اس بارے میں بہت سا پیپرورک ہوچکا تھا اور صدر جنرل پرویز مشرف کے ابتدائی عہد میں ان کے وزیر داخلہ جنرل معین الدین حیدر اور وزیر خارجہ عبدالستار کے کئی بیانات ریکارڈ پر ہیں۔بات یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ ان لوگوں کے اشتعال انگیز بیانات کے باعث بعض اوقات معاملہ بگڑتا نظر آیا اور قومی حلقوں میں تشویش پیدا ہوگئی مثلاً وزیر خارجہ عبدالستار نے (اپریل 2000) ایک پریس کانفرنس میں دینی مدارس کو ''مسلح تربیت گاہیں'' اور جنرل معین الدین





حیدر نے علمائے کرام کو ''چند قاعدے پڑھنے والے جاہل لوگ'' اور دینی درسگاہوں کو ''دہشت گردوں کی نرسریاں'' قرار دیا۔اس سے چند روز قبل وہ علماء کے متعلق یوں گویا ہوئے تھے۔

> ''حکومت سٹریٹ پاور سے نہیں ڈرتی جوتا دکھانے والوں کے سر پر جوتے برسائیں گے حکومت دین کی اشاعت کے لبادے میں منافرت پھیلانے والوں سے سختی سے نپٹے گی۔''

(اوصاف 10 دسمبر 2001)

انہوں نے یہ بیان دارالعلوم کورنگی میں میں مفتی رفیع عثمانی جسٹس تقی عثمانی اور دیگر علماء کرام سے گفتگو کے دوران دیا' گویا رسمی مروت اور لحاظ کو بھی ملحوظ خاطر نہیں رکھا تھا۔میرے نزدیک حقیقت میں جنرل معین الدین حیدر کا لب و لہجہ قابل اعتراض اور اشتعال انگیز تھا اسی طرح جنرل پرویز مشرف نے بھی 5 جون 2001 کو اسلام آباد کنونشن سنٹر میں ہونے والی سیرت کانفرنس میں عالمی میڈیا کے سامنے مذہبی فرقہ واریت کے حوالے سے دینی حلقوں کو ڈانٹ پلائی اور تمام علماء کو انتہا پسندی سے باز رہنے یا پھر سخت اقدامات کا سامنا کرنے کیلئے تیار رہنے کی بھی دھمکی دی لیکن صدر پاکستان کا لب لہجہ انتہائی مہذب تھا۔

جہادی تنظیموں کو سمیٹنے اور ان پر کنٹرول کرنے کا عمل بھی 9/11 سے پہلے شروع ہوگیا تھا۔اور حکومت نے اگست 2001 میں جہادی تنظیموں کے چندہ جمع کرنے اور اشتہاری بورڈ لگانے پر پابندی عائد کردی تھی اور جہاں تک ان کے ''ترقی پسندانہ اسلام'' اور 'روشن خیال اعتدال پسندی' کے فلسفہ کا تعلق ہے اس کا بھی وہ 9/11 سے پہلے اظہار کرتے رہتے تھے بایں ہمہ اس کے حوالے سے وہ صورت حال پیدا نہیں ہوئی تھی جو آج ہے مثلاً 21 اپریل 2000 کو انہوں نے انسانی حقوق کمیشن کی ایک تقریب میں جو یہ اعلان کیا تھا کہ ''آئندہ قانون توہین رسالت کے تحت مقدمے کا اندراج ڈپٹی کمشنر کی تحقیق واجازت کے بغیر نہیں ہوگا۔'' تو عوام اور دینی حلقوں کے ردعمل پر 16 مئی 2000 کو صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے اسے واپس لے لیا اور واضح کیا کہ

> ''حکومت نے قانون توہین رسالت کے تحت مقدمے کے اندراج کا پرانا طریقہ بحال کردیا ہے۔ اب اس مقدمے کی ایف آئی آر بھی دوسرے مقدمات کی طرح درج ہوگی' حکومت نے علماء اور دینی جماعتوں کے متفقہ مطالبے پر اپنی مجوزہ تبدیلی واپس لے لی ہے۔''

اسی طرح اس سے چند دن بعد جب صدر پرویز مشرف مولانا محمد یوسف لدھیانوی کے نامعلوم دہشت گردوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کرنے پر ان کے گھر تعزیت کے لئے تشریف لے گئے تو انہوں نے وہاں موجود حضرات سے مخاطب ہوکر کہا

> ''بعض لوگوں نے مجھے اور میرے خاندان کو قادیانی مشہور کررکھا ہے' الحمدللہ ہم مسلمان ہیں

قادیانی نہیں میں واحد حکمران ہوں کہ جس نے امریکہ کو جہاد اور دہشت گردی کا فرق سمجھایا۔''

اور وزیر داخلہ معین الدین حیدر نے جب نیو یارک ٹائمز کو (۱۱ جون 2001) انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ

''پاکستان کو جدید متحمل مزاج اور سیکولر سٹیٹ ہونا چاہیے''

تو جنرل مشرف نے عوامی حلقوں کے سخت ردعمل پر بیان دیا کہ

''پاکستان کا مستقبل سیکولرزم سے نہیں اسلام سے وابستہ ہے۔''

جنرل صاحب کو خدا نے اپنی بات بیان کرنے اور اپنا دفاع کرنے کا ملکہ عطا فرمایا ہے کہ کمزور استدلال رکھنے والے ان کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ 11 ستمبر کے بعد جنرل صاحب نے 16 اکتوبر کو علماء اور مشائخ سے پہلی ملاقات کی تو اس میں انہوں نے علماء کو حالات کی نزاکت اور قومی مفادات کو سمجھنے کی تلقین کی اور ملاقات خوشگوار رہی اسی طرح 27 دسمبر کو وزارت مذہبی امور کے اہتمام میں 36 علماء نے جو ملاقات کی، تو اس میں بھی انہوں نے میزبان کی حیثیت سے اس قدر حسن اخلاق اور مروت کا مظاہرہ کیا کہ علماء چاہنے کے باوجود بعض حرف ہائے شکایات زبان پر نہ لائے، اس موقع پر صدر پرویز مشرف نے اپنے خطاب میں مختلف امور، حالات حاضرہ نیز فرد وملت کے کردار کا جائزہ لیتے ہوئے پاکستان کی قومی اور بین الاقوامی صورت حال کا تجزیہ پیش کیا مسلکی تعصب اور مذہبی دھڑے بندی پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لگی لپٹی رکھے بغیر بعض فرقہ وارانہ تنظیموں کا نام لیتے ہوئے بتایا کہ وہ دہشت گردی میں ملوث ہیں علماء سے اپیل کی کہ وہ منافرت پھیلانے والوں کے خلاف حکومت سے تعاون کریں۔ اسی اجتماع میں مدارس اور جہادی تنظیموں پر کریک ڈاؤن کی خبروں کو جھوٹا پروپیگنڈہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ

''میں تو بیرونی دوروں میں بھی مدارس کی تعریف کرتا ہوں میں کہتا ہوں یہ بہترین فلاحی ادارے ہیں مفت میں قوم کے بچوں کو تعلیم دیتے اور دس لاکھ بچوں کی کفالت کرتے ہیں، ہماری خواہش ہے کہ جس طرح دوسری تعلیم کے فضلاء ہر سطح پر ملازمت کرتے ہیں، اسی طرح دینی مدارس کے فضلاء کو بھی ملازمت کے مواقع حاصل ہوں، ہم نے مدرسہ ایجوکیشن بورڈ آرڈی ننس نافذ کیا ہے، اس کے تحت ماڈل دینی مدارس قائم کئے جائیں گے جو لوگ چاہیں اس سے منسلک ہو جائیں جو چاہیں آزادانہ طور پر کام کریں۔''

اس موقع پر انہوں نے وزیر داخلہ معین الدین حیدر کے بعض اشتعال انگیز بیانات کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ

''حکومتی پالیسی یہ نہیں ہے وہ بھلے آدمی ہیں اگر آپ لوگوں کو ان سے شکایات ہے تو انھیں سمجھایا جائے گا۔''





واقعہ یہ ہوا کہ 11 ستمبر 2001 کے بعد پاکستان نے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا جس طرح ساتھ دیا ہے اور پاکستان کی سرزمین سے امریکی افواج کی افغانستان میں کاروائیوں نے جو قیامت ڈھائی ہے اور اس تعاون کے بدلے صدر پرویز مشرف پر امریکہ نے تعریف وتحسین کے جو ڈونگرے برسائے اور شاباش کی جو بارش شروع کی ہے اس سے پاکستان میں ایک منفی ردعمل پیدا ہوا۔ ہمارا الیکٹرانک میڈیا روزانہ کسی نہ کسی مقتدر امریکی شخصیت کی طرف سے صدر پرویز مشرف کی پالیسیوں کو سرا ہے جانے کا مژدہ سناتا رہتا ہے۔ ''دہشت گردی'' کے خلاف مہم میں کلیدی کردار ادا کرنے پر تعریف کی جاتی ہے دہشت گردوں کے ٹھکانے ڈھونڈنے اور فرنٹ لائن سٹیٹ بننے پر پاکستان پر تحسین کے ڈونگرے برسائے جاتے ہیں اور شاباش کی بارش اسوقت انتہا کو پہنچ گئی کہ جب کیمپ ڈیوڈ میں مذاکرات کے بعد صدر بش نے مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے صدر مشرف کے سامنے انھیں ایک جرات مند اور نڈر لیڈر قرار دیا۔ جس نے عوام کے ذہنوں میں اس بات کو واضح کر دیا کہ صدر مشرف ''خفیہ مذاکرات'' میں کوئی نیا روڈ میپ قبول کر آئے ہیں۔

مختصر یہ کہ افغانستان کے معاملات میں پاکستان کی امریکہ کو لاجسٹک سپورٹ کی فراہمی اور مکمل تعاون، القاعدہ کے دہشت گردوں کے خلاف اندرون ملک نت نیا آپریشن ایک ہزار کے قریب غیر ملکی شہریوں کو امریکہ کے حوالے کرنے پاکستان میں محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور ان کے ساتھی ایٹمی سائنسدانوں کے خلاف کاروائی، سکولوں اور کالجوں کے نصاب سے قرآن مجید وحدیث نبوی کی جہادی تعلیمات کو نکالنے کی کوشش بھارتی فلمی طائفوں کی پاکستان میں تواتر کے ساتھ آمد اور پاکستان میں ان کی پذیرائی، امن وصلح کے نام پر پاکستان کے نسوانی دستوں اور ثقافتیوں کی ہندوستان بلکہ سرینگر یاترا ٹیلی ویژن پر دکھائے جانے والے مخرب اخلاق پروگرام قانون تحفظ ناموس رسالت اور حدود آرڈی ننس جیسے طے شدہ امور جو (اسلامی نظریاتی کونسل، وفاقی شرعی عدالت، شرعی اپیلیٹ بینچ اور سپریم کورٹ آف پاکستان جیسے آئینی اداروں سے تمام آئینی مراحل سے گذر کر قومی اسمبلی کے ذریعہ آئین کا حصہ بنے) پر نظر ثانی کا تاثر اور لاہور میں بسنت اور دیگر میلوں ٹھیلوں پر مجرے اور اعلیٰ حکومتی شخصیات کی ان میں بھرپور شرکت وغیرہ ایسی باتیں اور ایسے اقدامات ہیں کہ جن سے ملک کے مذہبی حلقوں میں یہ تاثر گہرا ہو گیا کہ پاکستان اپنی اس منزل سے دور ہو رہا ہے جو علامہ محمد اقبال اور بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے اس کے لئے متعین کی تھی۔

بدقسمتی سے صدر جنرل پرویز مشرف روز اول ہی سے ان مذہبی حلقوں میں تنقید کا نشانہ بنے ہوئے ہیں کہ جب انہوں نے مشرف باقتدار ہونے کے پانچ دن بعد آرمی ہاؤس میں ایک پریس

کانفرنس کی جس میں غیر ملکی صحافی بھی مدعو تھے۔اس میں وہ اپنی بغلوں میں دو کتے دبائے نمودار ہوئے یہ شعوری اور لاشعوری طور پر بیرونی دنیا میں اپنا اس طرح کا امیج بنانے کی کوشش تھی' جسے مغربی دنیا دیکھنا چاہتی اور پسند کرتی ہے۔اس پریس کانفرنس میں انہوں نے بڑے رچاؤ سے اعلان کیا کہ

''کمال اتاترک میرے ہیرو ہیں'' ______ اس وقت عام خیال یہ تھا کہ وہ پاکستانی معاشرے اورنظریاتی اساس کے تناظر میں اس مختصر سے جملے کی معنویت کا شاید احساس نہیں کر سکے جیسے ہی احساس ہوا کہ اہل پاکستان کے دلوں میں ترکوں سے گہری محبت کے باوجود کمال اتاترک کا وہ احترام ومرتبہ نہیں ہے جس کا مشاہدہ انہوں نے ترکی میں کیا تھا اپنے اقتدار کے شروع ہی میں اپنی شخصیت کو متنازعہ نہ بنانے کے خیال سے جلد ہی اس کی وضاحت کردی کہ

> ''کمال اتاترک یقیناً ترکوں کے ہیرو ہیں' وہ جدید ترکی کے معمار ہیں اور انہوں نے یورپ کے مردِ بیمار ترکی کو ایک ترقی یافتہ ملک بنا ڈالا' تاہم ہمارے رہنما بابائے قوم قائداعظم ہیں' جن کے اصولوں پر کاربند رہنے کے ہم پابند ہیں میں اتاترک کا بے حد احترام کرتا ہوں لیکن ہمارے ملک کا اصول ترکی کے اصول سے مختلف بھی ہوسکتا ہے۔'' (روزنامہ نوائے وقت)

اس وضاحت کے باوجود شعوری یا لاشعوری طور پر جو بات ان کی زبان سے نکل گئی تھی وہ دینی اور عوامی حلقوں کے دل میں کانٹا بن کر چُبھ گئی اور ان کی جانب سے جنرل پرویز مشرف کی سوچ کے بارے میں متواتر ذہنی تحفظات کا سلسلہ جاری رہا بالآخر ایک موقع پر جنرل صاحب کو صاف لفظوں میں کہنا پڑا کہ

> ''میں پکا مسلمان ہوں اور پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے''

بہرحال یہ تاثر برقرار رہا کہ جنرل پرویز مشرف موقع محل دیکھ کر بات کرتے ہیں' اور مغربی بیل کے مزاج کو خوب سمجھتے ہیں اسلئے وہ اسلام کا سرخ رومال دکھا کر کسی طور پر بھی مشتعل نہیں کرنا چاہتے۔وہ جب بھی مغربی میڈیا کے سامنے آئے ہمیشہ ترقی پسندانہ لبرل' متحمل مزاج اور روشن خیال اسلام کی بات اور دہشت گردی میں ملوث نام نہاد دینی رہنماؤں کو انتہا پسند قرار دے کر ان کے خلاف سخت اقدامات کا اعلان کرتے رہے لیکن وہ پاکستان کی اپنی اساس سے آگاہ رہے۔پھر امریکی ہفت روزہ نیوز ویک (22 تا 28 جنوری 2002) میں جنرل پرویز مشرف کا تفصیلی ٹائیٹل انٹرویو ان الفاظ کے ساتھ شائع ہوا کہ

> ''وہ (مشرف) اب بھی اتاترک کی تعریف کرتے ہیں لیکن ان کا کہنا ہے کہ پاکستان ترکی سے زیادہ اسلامی رجحان کا حامل معاشرہ ہے وہ کہتے ہیں ان کے لئے حقیقی آئیڈیل محمد علی جناح بانی پاکستان کی ذات ہے جنہوں نے ایک جدید سیکولر مسلم ریاست کا خواب دیکھا۔''





جنرل مشرف کے اس بیان پر شدید احتجاج ہوا تو 22 جنوری 2002 کو صدارتی ترجمان کی وضاحت شائع ہوئی

> ''صدر نے نیوز ویک کو انٹرویو میں یہ نہیں کہا کہ قائداعظم پاکستان کو ایک سیکولر ریاست دیکھنا چاہتے تھے۔فقرہ احتیاط سے پڑھا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ سیکولر کا لفظ صدر نے نہیں' انٹرویو کرنے والے نے استعمال کیا صدر نے ہمیشہ یہ کہا ہے کہ وہ قائداعظم کی خواہش کے مطابق ایک حقیقی جدید ترقی پسند جمہوری اور اسلامی ریاست بنانا چاہتے ہیں (نوائے وقت)

صدر جنرل پرویز مشرف کے حوالے سے تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ ان کے قریبی رفقا غیر جانبدار اور اہل الرائے مبصر یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ اگر صدر جنرل پرویز مشرف 9/11 کے بعد دہشت گردی اور القاعدہ کے خلاف عالمی مہم کا ساتھ نہ دیتے' تو پاکستان کو ابتک ناقابل تلافی نقصان پہنچ چکا ہوتا' جس طرح کہ 1981 میں اسرائیل نے ایک انتہائی ڈرامائی اور سنسنی خیز آپریشن کے ذریعہ عراق کی ایٹمی تنصیبات کو تہس نہس کردیا تھا۔پاکستان امریکہ کو افغانستان کے خلاف لاجسٹک سپورٹ نہ دیتا اور امریکہ ایسی صورت میں بھارت کے دست تعاون کو تھامنے پر مجبور ہوتا تو پاکستان کا (خاکم بدہن) بقول شیخ رشید احمد کے ''تورابورا'' ہوچکا ہوتا' ان حلقوں کا کہنا ہے کہ صدر پرویز مشرف نے اپنی شخصیت' اپنی شہرت بلکہ اپنی جان کو داؤ پر لگا کر پاکستان کو بچالیا ہے یہ بات طے شدہ ہے کہ پاکستان استعماری قوتوں کی نظر میں کھٹکتا ہے اور پاکستان کا ایٹمی پروگرام کسی بھی صورت امریکہ سمیت بہت سے ممالک کو قبول نہیں لہذا یہ مبصرین پاکستان اور پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو بچالینے اور امریکہ کا نان نیٹو اتحادی قرار دیئے جانے کو صدر پرویز مشرف کی حکمت عملی کا شاہکار قرار دیتے ہیں۔

قارئین کرام: محسن پاکستان کی ڈی بریفنگ کے حوالے سے زیر نظر کتاب صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف کی بعداز 9/11 حکمت عملیوں کے حوالے سے مندرجہ بالا مختصر ساذکر اس لئے ضروری سمجھا گیا آیا کیا اس ساری صورت حال کا تعلق پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی بقا سے ہے۔میرا یہ تجزیہ ہے کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی بقا پاکستان کی بقا کیلئے ازحد ضروری ہے۔ایٹمی ڈیٹرنٹ کے بغیر پاکستان روایتی جنگی ساز وسامان کے پلڑے کا بھارت کے حق میں بہت زیادہ جھک جانے کی وجہ سے بھارت کے جارحانہ اور توسیع پسندانہ عزائم کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔پاکستان نے اپنا ایٹمی پروگرام بھی خطے میں طاقت کا توازن برقرار رکھنے کیلئے شروع کیا تھا۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا صدر پاکستان کا طرز عمل اور امریکہ کے حوالے سے ہماری حکمت عملیاں ہمارے ایٹمی پروگرام کے تحفظ کی ضمانت دے سکتی ہیں۔اس سوال کا میرے پاس واضح اور دوٹوک جواب یہ ہے کہ مذکورہ ناپسندیدہ طرز عمل کے علاوہ

پاکستان کے پاس اور کوئی چارہ کار نہیں ہے امریکہ کے (اور اسرائیل و بھارت کے بھی) ہمارے ایٹمی پروگرام کے بارے میں اور خود پاکستان کے بارے میں کیا عزائم ہیں اسکا تفصیلی ذکر باب ''پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر امریکہ کا دباؤ'' میں کیا جاچکا ہے۔ افغانستان اور عراق میں امریکہ کا غاصبانہ قبضہ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ تاریخ کے اس موڑ پر امریکہ سے ٹکرا ایٹمی پروگرام کی تباہی اور خود پاکستان کی بربادی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اگر پاکستان بھارت کی ہمسائیگی میں واقعہ نہ ہوتا اور اگر پاکستان کی عرب کاز کی بناپر اسرائیل سے دشمنی کی سی کیفیت نہ ہوتی تو پاکستان کی حکمت عملی مختلف ہوسکتی تھی۔ لیکن اب نہیں ہوسکتی۔ میں یہاں اپنے اس تجزیے کا بھی ذکر کرنا چاہوں گا کہ اگر کسی طریقہ سے صدر پرویز مشرف منظر سے ہٹ جائیں یا انہیں ہٹادیا جائے تو انکے بعد عنان حکومت سنبھالنے کے لئے تیار سیاسی شخصیت ''امریکہ نواز'' پالیسی کے حوالے سے صدر پرویز مشرف سے دو ہاتھ آگے ہوگی۔ صدر پرویز مشرف جس راہ پر بوجھل دل کے ساتھ بہ امر مجبوری اور رک رک کر چل رہے ہیں وہ سیاسی شخصیت اسی راستے پر برضا و رغبت اور برق رفتاری سے چلے گی۔ وہ شخصیت تیار بیٹھی ہے لیکن فی الحال انہیں گرین سگنل نہیں مل رہا۔ میں یہاں اپنے اس تجزیئے کا بھی ذکر کرنا چاہوں گا کہ اگر فرض کیا کسی بھی طریقے سے جنرل پرویز مشرف کی جگہ کوئی اور فوجی شخصیت صدر پاکستان کے منصب پر فائز ہوجاتی ہے تو بھی وہ اس راستے پر چلے گی جس پر موجودہ صدر چلنے پر مجبور ہیں۔

قارئین کرام: یہ جو میں کہہ رہا ہوں کہ صدر جس راہ پر چل رہے ہیں وہ کسی حکمت عملی کے تحت بہ امر مجبوری چل رہے ہیں وہ میں دو بڑے حوالوں سے کہتا ہوں اولاً جنرل مشرف اپنی شخصیت اور کمانڈو تربیت کے لحاظ سے ایک بہادر، نڈر اور بڑے سے بڑے خطرے کا بھرپور سامنا کرنے کی صلاحیت و طاقت رکھتے ہیں اور اگر وہ بظاہر فدویانہ طرز عمل اختیار کئے ہوئے ہیں تو انکی مجبوری قابل فہم ہے اور ثانیاً امریکی میڈیا کے وہ تبصرے جن میں پاکستان اور صدر پاکستان کو ''ناقابل اعتبار'' قرار دیتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں

(ا) پاکستان اب افغانستان میں ناردرن الائینس اور امریکہ کی حکومت کو غیر مستحکم کرنے کیلئے طالبان کو گوریلا کارروائیوں کی تربیت دے رہا ہے۔

(ب) پاکستان نے عالمی دباؤ کے تحت بھارت کو لائن آف کنٹرول پر باڑ لگانے کی اجازت تو دے دی ہے لیکن وہ اب بھی ''دراندازی'' کررہا ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی سپاہیوں کی بڑھتی ہوئی ہلاکتیں اس امر کا ثبوت ہے۔

(ج) پاکستان کی سپر انٹیلی جنس ایجنسی کو 9/11 کی واردات کا پیشگی علم تھا۔

(د) پاکستان نے القاعدہ کے جن بڑوں کو بھی پکڑا ہے وہ اس وقت پکڑا ہے جب ایف بی آئی اور دیگر





امریکی اداروں نے پاکستان کو ناقابل تردید ثبوت و شواہد فراہم کرکے ایسا کرنے پر مجبور کردیا۔ پاکستان نے ازخود القاعدہ کے کسی اہم رکن کو نہیں پکڑا۔

(ر) مشرف لومڑی کی طرح مکار ہے۔ اس پر اعتبار کرنا امریکہ کی بہت بڑی غلطی ہے۔ وغیرہ وغیرہ

قارئین کرام: پاکستان قومی یک جہتی کے حوالے سے مضبوط وکٹ پر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اکثر حکومتی شخصیات اور فوجی حضرات سے بھی کہتا رہتا ہوں کہ قومی اتفاق اور اتحاد پاکستان کی بقا کیلئے ضروری ہے اور افواج پاکستان اور قوم میں مکمل ہم آہنگی ہونی چاہیے۔ محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے ساتھ انکے شان شایان باوقار حسن سلوک ان مقاصد کے حصول کیلئے مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان پاکستان کی واحد ایسی شخصیت ہیں جو سنی ہے نہ شیعہ ہے جو پنجابی ہے نہ سندھی جو سرتاپا پاکستانی اور صرف پاکستانی شخصیت ہے۔ صدر جنرل پرویز مشرف کی بعض مجبوریاں اپنی جگہ لیکن میں سمجھتا ہوں محسن پاکستان سے بہتر سلوک اور قومی زندگی میں انکی فلاحی تعلیمی اور تنظیمی صلاحیتوں کا بہتر استعمال وطن عزیز میں ہمہ پہلو خوشگوار اثرات مرتب کرسکتا ہے۔ مجھے علم ہے کہ اگر صدر پرویز مشرف تدبر اور جرات کا مظاہرہ نہ کرتے تو محسن پاکستان کو بیرون ملک بھیجا جاسکتا تھا انکو مانگنے کی باتیں ہونے لگی تھیں۔ اسی تدبر اور جرات کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے اسی میں ملک و قوم کی خیر اور سلامتی ہے۔

# ایٹمی اثاثوں کی ممکنہ تباہی

ہم اپنی ایٹمی قوت کی حفاظت کر سکتے ہیں؟ قوم کنفیوزڈ ہے وسوسوں اور وہموں کا شکار ہے کہ پاکستان کے دشمن کہیں ہمارے ایٹمی پروگرام کا بھی وہی حشر نہ کر دیں جو اسرائیل نے 1981 میں امریکہ کی ملی بھگت سے عراق کے ایٹمی پروگرام کا کیا تھا۔

آیئے! اس ضمن میں پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر عراق کے ایٹمی پروگرام پر اسرائیلی حملے جیسے اچانک حملے کے امکان پر مختصر طور پر بات کرتے ہیں بھارتی اخبار انڈین ایکسپریس میں مارچ 2004 کے پہلے ہفتے ایک خبر شائع ہوئی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ اسرائیل پاکستان کی ایٹمی تنصیبات پر حملے کرنے پر غور کر رہا ہے اسی خبر میں بتایا گیا ہے کہ ''ماضی میں بھی اسرائیل نے اس قسم کی منصوبہ بندی کی تھی جب امریکہ نے 1979 میں پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر اپنی تشویش ظاہر کی تھی۔''

پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو تباہ کرنے کی سازشیں ماضی میں تین چار مرتبہ ہوئی ہیں مگر ہر بار آخری مرحلے پر انھیں ترک کر دیا جاتا رہا ہے۔سب سے پہلی سازش کی خبر نیویارک ٹائمز نے 11 اگست 1979 کو رچر برٹ (Richer Burt) کے حوالے سے شائع کی تھی کہ ''امریکی انتظامیہ نے پاکستان کے یورینیم انرچمنٹ پلانٹ کو تباہ کرنے کے لئے تین متبادل صورتوں پر غور کیا ہے جن میں پلانٹ کو سبوتاژ کرنا' یا کمانڈو ایکشن کے ذریعہ اسے اڑا دینا یا ڈاکٹر خان کو نشانہ بنانا شامل ہے اور اس مقصد کیلئے وزرات خارجہ میں جرارڈ سمتھ (Gerard Smith) کے زیر نگرانی ایک انٹر ایجنسی ٹاسک فورس بھی قائم کر دی گئی ہے'' لگتا ہے کہ امریکہ نے بعد ازاں افغانستان کی صورت حال کے پیش نظر اس منصوبے کو ترک کر دیا البتہ انہی دنوں بھارت اور اسرائیل کو اشارے دیئے۔ ہندوستان ٹائمز نے امریکی دفتر خارجہ کے حوالے سے یہ خبر شائع کی کہ امریکہ کا خیال ہے کہ ''جو بھارت 14 دن میں مشرقی پاکستان میں اپنے مشن میں کامیاب ہوسکتا ہے کیا وہ انرچمنٹ پلانٹ کو 13 منٹ میں تباہ نہیں کر سکتا ہے؟'' لیکن بھارت نے اس کی ہمت نہ کی البتہ اسرائیل کے بارے میں خبر آئی کہ وہ ایسے کسی منصوبے پر غور کر رہا ہے بعد میں (27 اپریل 1980) بھارت کے معروف جریدے ''سنڈے'' نے اسرائیلی وزیر خارجہ موشے دایان کے خفیہ دورہ بھارت کا انکشاف کرتے ہوئے جو خبر دی' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے دورے کا مقصد اسی حوالے سے پاکستان کے خلاف مشترکہ منصوبہ بنانا تھا مگر بھارتی وزیر اعظم مرار جی ڈیسائی نے اتفاق نہ کیا اور اس طرح انکار کر دیا جس طرح وہ روس کی پاکستان پر حملہ کرنے کی تجویز سے انکار





کر چکے تھے۔یاد رہے مرار جی ڈیسائی کی اسی پاکستان دوستی کی وجہ سے حکومت پاکستان نے انہیں اعلیٰ ترین سول ایوارڈ ''نشان پاکستان'' عطا کیا تھا۔لیکن بعد میں محترمہ بےنظیر بھٹو کی حکومت نے اس ایوارڈ کو منسوخ کر دیا تھا!!

اسرائیل پہلے ہی روز سے پاکستان کو اپنا حریف سمجھتا رہا ہے اور 1967 کی عرب اسرائیل جنگ (جس میں پاکستان نے عربوں کی مدد کی تھی اور جسکی تفصیل آگے آ رہی ہے) کے بعد تو اسرائیلی رہنماؤں نے اس بارے میں کھل کر اظہار کرنا شروع کر دیا تھا اس جنگ کے فوراً بعد سوبورن یونیورسٹی پیرس میں یہودیوں سے خطاب کرتے ہوئے اسرائیلی وزیر اعظم ڈیوڈ بن گوریاں نے کہا۔

> '' بین الاقوامی صیہونی تحریک کو کسی طور بھی پاکستان کے بارے میں غلط فہمی کا شکار نہیں رہنا چاہیے پاکستان درحقیقت ہمارا حقیقی اور نظریاتی حریف ہے. پاکستان کا ذہنی وفکری سرمایہ اور عسکری قوت وکیفیت آگے چل کر ہمارے لئے کسی وقت بھی مصیبت کا باعث بن سکتی ہے ہمیں اس کا حل سوچنا چاہیے. ہندوستان سے ہمارے لئے دوستی نہ صرف ضروری ہے بلکہ ہمیں اس تاریخی عناد سے فائدہ اٹھانا چاہیے جو ہندو' پاکستان اور اس میں بسنے والے مسلمانوں کے خلاف رکھتا ہے. یہ تاریخی عناد ہمارا سرمایہ ہے۔''

اسی طرح اسرائیل کے سابق وزیر دفاع موشے درایان نے ایک مرحلہ پر کہا کہ ''بھارت کی سرحدیں کراچی تک پھیلی ہوئی ہیں'' اور 1981 میں جب عراقی تنصیبات تباہ کرنے کے بعد اسرائیلی وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ ''ہم ایسے حملے اور بھی کر سکتے ہیں پاکستان بھی خود کو اس قسم کی کاروائی سے محفوظ نہ سمجھے'' 1979 میں تو بھارتی وزیر اعظم کے عدم اتفاق کے باعث اسرائیل کچھ نہ کر سکا تھا لیکن اندرا گاندھی کے دوبارہ برسر اقتدار آتے ہی اسرائیل کو بھارتی تعاون میسر آ گیا اور بھارتی اخبار ''ہندو'' میں 2 فروری 1982 کو ریٹائرڈ بریگیڈیر اے سی کری آپا نے ایک مضمون میں پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر بھارتی حملے کا جواز بیان کرتے ہوئے انکشاف کیا ''اس وقت تو بھارتی وزیر اعظم نے پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کے حملے کا منصوبہ مسترد کر دیا ہے۔کیونکہ وہ فی الحال عالمی دباؤ کے ذریعہ پاکستان کا ایٹمی پروگرام رکوانے کے حق میں ہیں مگر ہمیشہ ایسا نہیں ہوسکتا۔''

1984 کے آتے آتے یہ خبر عام ہوئی اور مغربی اور بھارتی میڈیا نے خوب پروپیگنڈہ کیا کہ پاکستان ایٹمی دھماکہ کر چکا یا کرنے والا ہے تو بھارت نے اسرائیل کے تعاون سے یہ خطرناک کھیل کھیلنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔اور ستمبر 1984 میں ایک روز امریکہ کے دوسرے بڑے ٹیلی ویژن نیٹ ورک اے بی سی نے سی آئی اے کے حوالے سے انکشاف کیا کہ ''بھارت نے کہوٹہ پلانٹ پر حملہ کرنے کا منصوبہ

بنالیا ہے' اور اسے اسرائیل کی مدد حاصل ہوگی۔'' بھارت نے سرکاری سطح پر اس کی تردید کی لیکن پاکستان کے پاس پورا منصوبہ پہنچ چکا تھا جس پر صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے بھارت پر واضح کر دیا کہ ''ہماری ایٹمی تنصیبات پر حملہ کرنے کا مطلب کھلی جنگ ہوگا اور بھارتی ایٹمی تنصیبات کو چند سیکنڈ میں اڑا دیا جائے گا'' اس پر بھارت اور اسرائیل کا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔

بعد ازاں 12 فروری 1985 کو بھارت کے سرکار نواز جریدہ ''بلٹز'' (Bultz) نے اعتراف کیا کہ ''گذشتہ اگست میں جب مسز اندرا گاندھی نے کہوٹہ پلانٹ پر حملے کیلئے بھارتی افواج اور ''را'' کے چند اعلیٰ افسروں سے صلاح مشورہ کیا تو اس اجلاس کی تمام کاروائی 48 گھنٹوں کے اندر اندر جاسوسوں کے پاس پہنچ گئی تھی۔'' اس منصوبے کے مطابق ستمبر 84 میں دوطرفہ حملہ کیا جانا تھا' بھارت نے سرینگر سے جیگوار طیاروں کے ذریعے اور اسرائیلیوں نے سری لنکا سے راجستھان سے گذرتے ہوئے اور گریٹر تھل کے راستے حملہ آور ہونا تھا لیکن پاک فضائیہ اور دیگر سیکیورٹی اداروں کی چوکسی کے باعث انھیں اپنا منصوبہ ترک کرنا پڑا۔ نومبر 85 میں ایک سرائیلی ایجنٹ جوناتھن پولارڈ کی گرفتاری پر یہ بات سامنے آئی کہ یہ سب کچھ امریکہ ہی کی شہہ پر ہو رہا تھا۔

بھارتی پارلیمنٹ کے سابق رکن اور ممتاز سیاستدان ڈاکٹر سبرامینم سوامی 1984 میں پاکستان کے دورے پر آئے تو انکشاف کیا کہ وہ دسمبر 82 میں اسرائیل گئے تو ملاقات میں اسرائیلی لیڈروں نے انھیں یہ تاثر دیا تھا کہ اسرائیل پاکستان کے ایٹمی منصوبوں سے خائف ہے اور عراق کی مانند پاکستان کی ایٹمی تنصیبات تباہ کرنے کا پلان بنا رہا ہے' بشرطیکہ بھارت اسرائیل کو ایندھن بھرنے کی سہولت فراہم کرے۔ ڈاکٹر سوامی کے مطابق بھارت جمنا نگر میں یہ سہولت دینے پر رضامند ہو گیا تھا جبکہ سری لنکا اور اسرائیل کے درمیان تعلقات قائم کرانے اور اسرائیلی ماہرین کو سری لنکا میں ضروری سہولتیں فراہم کرانے میں امریکہ نے پوری معاونت کی تھی۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسّی کے عشرے کے اوائل میں بھارتی مصنف روی ریکھے (Ravi Reakhy) کی کتاب "The Fourth Round" شائع ہوئی تھی اسکے مطابق کہوٹہ کی تباہی کے لئے حملہ 9 اکتوبر 1984 کیا جانا تھا۔ اس کے بعد بھی اگرچہ ایسی خبریں آتی رہیں مگر وہ محض افواہیں ثابت ہوئیں۔ البتہ کہوٹہ کو نشانہ بنانے کی ایک ٹھوس کوشش جون 1997 میں ہوئی جب ایک بھارتی طیارے نے پاکستان کی فضائی حدود میں داخل ہونے کی ناکام کوشش کی اس کے انکشاف پر ہی چیف آف آرمی سٹاف جنرل جہانگیر کرامت نے بھارت کو کھلے الفاظ میں جوابی کاروائی کی دھمکی دی تھی۔ یہاں واشنگٹن میں ہندوستان ٹائمز کے سابق نامہ نگار اور دفاعی ماہر بھارت کرناد کے ایک ڈسپیچ کا حوالہ ضروری محسوس ہوتا ہے جو اس امر کا ثبوت ہے کہ امریکی' پاکستان کے





ایٹمی پروگرام کو بھارت اور اسرائیل کے ہاتھوں تباہ کرانے کی کوشش اور آرزو ہمیشہ کرتے رہے ہیں۔ کرناد نے لکھا ہے کہ

> ''میری خواہش ہے کہ میں رازداری کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بات کروں کہ کس طرح اسرائیل اور بھارت یا کوئی اور ملک پاکستان کو ایٹمی ہتھیار سازی کی صلاحیت سے محروم کرسکتا ہے۔''

مئی 1998 میں بھی پاکستان کے ایٹمی دھماکوں سے قبل بھارت اور اسرائیل نے باہمی گٹھ جوڑ سے پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کی تباہی کا ایک جامع منصوبہ بنایا تھا' جس کے تحت مہلک میزائلوں سے لیس اسرائیلی جنگی طیارے 11 مئی سے ایک ہفتہ قبل دہلی پہنچ گئے تھے اور 26 مئی کو انھیں جموں پہنچا دیا گیا۔ منصوبہ کے مطابق 28 مئی کی صبح پاکستان کی ایٹمی تنصیبات اور آزاد کشمیر پر بیک وقت حملہ کیا جانا تھا۔ یہ رپورٹ ملتے ہی پاک افواج کو ریڈالرٹ کا سگنل دیدیا گیا. اور فضائیہ کے شاہین بھی اپنے طیاروں کے کاک پٹ میں جا بیٹھے۔ 26/27 کی درمیانی شب مزید اسرائیلی طیاروں کے بھارت آنے کی اطلاع ملی۔ اسلام آباد میں بھارتی ہائی کمشنر ستیش چندرن کو رات ایک بجے فون پر دفتر خارجہ طلب کیا گیا۔ انہوں نے لیت ولعل سے کام لیا تو دفتر خارجہ کے بعض افسران انہیں زبردستی لے آئے۔ یہاں وزیر خارجہ گوہر ایوب نے ان سے کہا کہ ''بھارت کل صبح اسرائیل کی مدد سے کہوٹہ پر حملہ کرنے والا ہے؟'' تو چند صاف مکر گئے اس پر انھیں ایک بھارتی اڈے پر ایف-15 طیاروں کی فلم دکھائی گئی اور استفسار کیا گیا کہ بھارت کے پاس ایف-15 اور ایف-16 کب آئے؟ تو وہ لاجواب ہوگئے انھیں اسی وقت فون پر بھارتی حکومت کو پاکستان کی تشویش سے آگاہ کرنے پر مجبور کیا گیا۔ بھارت اور اسرائیل نے اگرچہ تردید کی لیکن دونوں کے پاس اس بات کا جواب نہ تھا کہ بھارتی ہوائی اڈوں پر ایف-15 اور ایف-16 طیارے کہاں سے آئے؟ اسی باعث ایٹمی دھماکے 29 مئی کی بجائے 28 کو کرنے کا فیصلہ کیا گیا تاکہ دشمن کوئی نیا کھیل نہ کھیل سکے۔ میں نے اپنی کتاب ''ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور اسلامی بم۔ حصہ دوئم'' میں اس حوالے سے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

اب ایک بار پھر یہ سوال تازہ ہو گیا ہے کہ کیا بھارت یا کوئی دوسرا ملک ایسی مہم جوئی کرسکتا ہے؟ ایک اطلاع کے مطابق 5 فروری 2004 کے بعد اسرائیل امریکہ اور بھارت کی ملٹری انٹیلی جنس کے سربراہوں کا نئی دہلی میں ہنگامی اجلاس ہوا اس موقع پر امریکی اور اسرائیلی سفیر کے علاوہ بھارتی آرمی چیف اور ''را'' کے اعلیٰ حکام بھی موجود تھے۔ یہ خبریں بھی شائع ہو چکی ہیں کہ اسرائیل' امریکہ اور بھارت نے پاکستان کے ایٹمی نظام کے خاتمے کیلئے کثیر رقم پر مشتمل مشترکہ فنڈ کی منظوری دیدی ہے۔ پاکستان

کے ایٹمی سائنسدانوں کے حوالے سے امریکہ کو جو معلومات ہاتھ لگی تھیں وہ بھارت تک پہنچ گئی ہیں' بھارت کو امریکہ اور اسرائیل نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو جام کرنے کے لئے جدید آلات فراہم کرنے کی یقین دہانی بھی کرائی ہے جو اسی سال فراہم کردیئے جائیں گے۔ مطلب یہ کہ میرے تجزیے کے مطابق پاکستان کی ایٹمی تنصیبات پر بھارت اور اسرائیل کے مشترکہ حملے کا آپشن موجود ہے اور اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا' لیکن مبصرین کے نزدیک اب پاکستان ایک ڈی فیکٹو ایٹمی طاقت ہے اور کسی بھی طرف سے کسی بھی قسم کی ایڈونچر برصغیر میں تباہی لانے کے علاوہ کھلی جنگ کے مترادف ہوگی۔ ماہرین اس بات پر بھی متفق ہیں کہ دونوں ممالک کو بڑی حد تک ایک دوسرے کی ایٹمی تنصیبات' ایٹمی اڈوں اور دوسرے ٹھکانوں کا علم ہوگیا ہے اسلئے کامیاب جوابی حملے کا زیادہ خطرہ ہے مزید برآں اب سارے انڈے ایک ہی ٹوکری میں نہیں رکھے جارہے خود امریکی یہ کہہ چکے ہیں کہ پاکستان کے ایٹمی ہتھیاروں کے مختلف حصے اور اجزاء مختلف مقامات پر محفوظ کردیئے گئے ہیں اسلئے کسی ایڈونچر کے حسب منشا نتائج برآمد ہونے کے بجائے خوفناک جوابی کاروائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

ماہرین کا کہنا ہے قابل اعتماد ڈیٹرنس کے لئے صرف چند بم کافی ہیں اور غیر ضروری ہتھیاروں کے ڈھیر لگانے کی ضرورت نہیں' ماہرین کے نزدیک پاکستان اور بھارت کے لئے بہترین راستہ یہی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو ڈی فیکٹو ایٹمی قوت تسلیم کرتے ہوئے ایٹمی ڈیٹرنس قائم رکھیں اور روایتی ہتھیاروں کی دوڑ کو ختم کرنے کیلئے مذاکرات کریں۔ چین نے بھی یہی راستہ اختیار کیا ہے اور روس بھی بتدریج اسی راہ پر چل رہا ہے۔ پاکستان کو تو بطور خاص اس بات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ ایٹمی ڈیٹرنس کو برقرار رکھنا اس کی سلامتی کے تحفظ ہی کا تقاضا نہیں بلکہ روایتی عسکری طاقت پر بڑھتے ہوئے اخراجات سے بچنے کا راستہ بھی ہے۔ ہمارے حکمرانوں کو بھارت کے سابق آرمی چیف جنرل سندر جی کے اس قول کو سامنے رکھنا چاہیے کہ ''خلیجی جنگ نے ایک بار پھر ثابت کردیا ہے کہ اصل فیصلہ کن قوت ایٹمی ہتھیار ہیں. عراق کے پاس اگر ایٹمی ہتھیار ہوتے تو امریکہ کبھی حملے کی جرات نہ کرتا۔'' اس لئے پاکستان کو امریکہ یا کسی اور کی طرف سے پاکستان کی سلامتی کی ضمانت یا روایتی ہتھیاروں کی باقاعدگی سے فراہمی کے وعدوں کے فریب میں نہیں آنا چاہئے۔ بھارت اگر اپنے ایٹمی ہتھیار تلف کرنے پر آمادہ ہو' تب بھی پاکستان کو یہ راہ اختیار نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ایٹمی ڈیٹرنس کے بغیر بھارت کا مقابلہ کرنے کے لئے نہ تو ہمارے پاس وافر ہتھیار ہیں' نہ انھیں مہنگے داموں خریدنے کے لئے وافر سرمایہ۔ امریکہ اور روس کئی معاہدوں کے باوجود اپنے ایٹمی ہتھیار تلف کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں' اور سرد جنگ کے بعد دونوں حلیف بن چکے ہیں اس صورت حال میں پاکستان کو اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارنے کی کیا ضرورت ہے۔





جہاں تک اسرائیل اور بھارت کے گٹھ جوڑ کے نتیجہ میں پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کی ممکنہ تباہی کے خدشہ کا تعلق ہے تو اس سارے معاملے کے کئی پہلو ہیں۔ میری اطلاع کے مطابق اس وقت بھارت میں اسرائیل کے دس ہزار مشیر اور ہنر مند مختلف شعبوں میں کام کررہے ہیں۔ اسرائیل کے مشیر اور جنگجو جموں میں بھی موجود ہیں اور مصدقہ اطلاع کے مطابق اسرائیل کے صلاح کار اور جنگی کاروائیوں کے ایکسپرٹ اب کابل میں بھی آپہنچے ہیں۔ گویا پاکستان کے تین اطراف میں اور پاکستان کی سرحدوں کے بالکل پاس اسرائیل آپہنچا ہے۔ کیوں؟ اس سوال کا جواب حالات واقعات سے مطلع سب لوگوں کو علم ہے۔

# ذوالفقار علی بھٹو اور پاک فضائیہ شام میں

پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے حوالے سے اسرائیلی عزائم اور منصوبہ بندی کا گزشتہ باب میں مختصر طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ پاکستان بجا طور پر الرٹ ہے اور متفکر بھی۔ لیکن پاکستان کو اسرائیل سے جو نسبتاً زیادہ شکایت ہے وہ اسکی فلسطین دشمنی اور فلسطینی مسلمانوں پر اسرائیلی ظلم وستم ہیں۔ یہ بھی خدشہ بیان کیا جاتا ہے کہ اسرائیلی توسیع پسندانہ کاروائیوں سے مصر، شام، اردن، لبنان اور دیگر عرب ریاستوں کو بھی خطرات لاحق ہیں یہ خبر بھی شائع ہو چکی ہے کہ خاکم بدہن اسرائیل مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف اور مدینہ منورہ میں روضہ رسول پر بھی حملہ آور ہو سکتا ہے۔ یہی وہ پس منظر ہے کہ ماضی میں پاکستان کی ہر حکومت اسرائیل سے شاکی رہی ہے اور مشرق وسطٰی کے عرب بھائیوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کرتی رہی ہے۔ حقیقت میں پاکستان نے اپنے اس قومی موقف کی خاطر بہت قربانیاں دی ہیں۔ زیر نظر باب میں اسی حوالے سے چند واقعات بیان کئے جارہے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے اگر ایران یا لیبیا کے ایٹمی پروگراموں کی کسی بھی حوالے سے کوئی مدد کی تو ممکن ہے اس کے محرکات بھی وہی ہوں جنکا کے اس باب میں ذکر کیا جارہا ہے اور ان سارے معاملات کا کوئی نظریاتی پہلو بھی ہو۔ لیکن میں جو بات یقینی طور پر یہ کہہ سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان ٹیلی ویژن کی سکرین پر مظلوم اور بے بس فلسطینیوں پر اسرائیلی مظالم دیکھتے تھے تو انکی آنکھیں پرنم ہو جایا کرتی تھیں۔

1973 میں جب اسرائیل عرب جنگ شروع ہوئی تو شام سمیت بعض دیگر عرب ممالک نے پاکستان کو مدد کیلئے پکارا۔ پاکستان نے فوراً لبیک کہا۔ ہوا یوں کہ جب یہ تاریخی جنگ چھڑی تو شام کے قد آور صدر حافظ الاسد نے پاکستان کے دمشق میں سفیر میاں سلیم اللہ کو ملاقات کیلئے طلب کیا۔ شام اور دیگر ممالک میں بھی جب کوئی سفیر کسی صدر سے ملاقات کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو اسے ہفتوں اور بعض اوقات مہینوں انتظار کرنا پڑتا ہے۔ لیکن میاں سلیم اللہ نے تو ملاقات کی درخواست بھی نہیں کی تھی۔ جب شام کی وزارت خارجہ نے پاکستانی سفیر کو صدر حافظ الاسد سے ملاقات کے وقت سے آگاہ کیا تو انہیں اس غیر متوقع ملاقات پر قدرے تعجب ہوا لیکن وہ اپنے تجربے اور فہم و فراست کی بنا پر سمجھ گئے کہ ملاقات کا موضوع اسرائیل عرب جنگ ہی ہو گا۔ صدر حافظ الاسد نے رسمی علیک سلیک پر وقت ضائع کئے بغیر کہا "وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو تک ہمارا پیغام فوری طور پر پہنچائیں کہ ہمیں پاکستانی پائلٹوں کی اشد





ضرورت ہے۔ ہم پاکستان کے ممنون ہونگے۔"------- اتفاق سے وزیراعظم پاکستان سعودی عرب کے دورے پر تھے اور اس دن ریاض میں مقیم تھے۔ میاں سلیم اللہ فوراً بذریعہ کار بیروت روانہ ہو گئے تاکہ وہاں سے ریاض کیلئے فلائٹ پکڑ سکیں۔ بیروت میں میاں سلیم اللہ سیدھے وہاں متعین پاکستان کے سفیر ڈاکٹر ایس ایم قریشی کے ہاں پہنچے جنہیں انہوں نے دمشق سے روانگی کے وقت اپنی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ بیروت میں پاکستان کے دونوں تجربہ کار سفراء سر جوڑ کر بیٹھ گئے بالآخر انہوں نے اپنے تجربات اور فہم و فراست کی روشنی میں وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کیلئے ایک مختصر سا نوٹ تیار کیا۔ "ہم ایک ایسے نازک موقع پر جب شام سمیت دیگر برادر عرب ممالک شدید دباؤ کا شکار ہیں پاکستان کی طرف سے مطلوبہ مدد کی فراہمی کی پرزور سفارش کرتے ہیں------"

میاں سلیم اللہ ریاض ائیر پورٹ سے سیدھے وزیراعظم پاکستان سے ملاقات کیلئے انکے ہوٹل میں پہنچے۔ صبح کا وقت تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو شیو بنا رہے تھے جب انہیں شام میں پاکستانی سفیر کی اچانک آمد کی اطلاع ملی تو انہوں نے اسی حالت میں میاں سلیم اللہ کو اپنے پاس بلا لیا۔ وہ شیو کرتے رہے اور پاکستانی سفیر کی معروضات بڑے انہماک کے ساتھ سنتے رہے۔ شیو بنانے کے بعد انہوں نے وزیر مملکت برائے خارجہ امور جناب عزیز احمد کو، جو اس دورے میں وزیراعظم کے ہمراہ تھے۔ طلب کیا اور کہا یہ نوٹ پڑھنے کے بعد اپنی رائے دو۔ وزیر مملکت نے حالات کی سنگینی اور ممکنہ مغربی ردعمل کے مضمرات کا خدشہ ظاہر کیا اور رائے دی کہ "پاکستان کو سرکاری اور حکومتی سطح پر اس جنگ میں ملوث نہیں ہونا چاہئے۔ اس مشورہ کی روشنی میں وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی طبیعت کے عین مطابق فوری فیصلہ کیا اور احکامات جاری کئے۔ "میری طرف سے ائیر چیف کو ہدایت جاری کرو کہ "تمام ہوابازوں سے پوچھا جائے کہ جو کوئی اپنے طور پر یعنی رضا کارانہ طور پر شام جانا چاہتا ہے اسے ایک خصوصی جہاز کے ذریعہ فوراً دمشق پہنچا دیا جائے ائیر چیف خود کسی کو نامزد نہ کریں"------ سولہ ہوابازوں نے رضا کارانہ طور پر اپنی خدمات پیش کیں۔ ان میں سے 8 کو شام اور 8 کو مصر پہنچا دیا گیا۔

## معرکہ گولان

پاکستانی فضائیہ کے جواں ہمت گروپ کیپٹن قیصر طفیل نے ایک مضمون میں جو انہی دنوں بعض اخبارات میں شائع ہوا تھا بتایا کہ کس طرح ایک پاکستانی ہواباز نے اپنی غیر معمولی شجاعت سے اسرائیلیوں کا غرور خاک میں ملا دیا تھا۔ گزشتہ دنوں جناب اکرام سہگل کے معروف ماہنامہ ڈیفنس جرنل میں بھی ایک ایسے لڑاکا پاکستانی پائلٹ کا مضمون شائع ہوا تھا جس نے شام میں خدمات میں سرانجام دی تھیں۔

1973ء کی عرب اسرائیل جنگ کے دوران مشرق وسطی سے آئی ہوئی درخواست کے جواب میں پاک فضائیہ کے لڑاکا ہوابازوں پر مشتمل ایک دستے نے بہر حال جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے رضا کارانہ طور پر اپنی خدمات پیش کیں۔ ان جانبازوں کو پاک فضائیہ کے فوکر طیارے کی خصوصی پرواز سے روانہ کیا گیا جو پشاور سے براستہ کراچی بغداد پہنچی۔ وہاں سے وہ ایک تھکا دینے والی طویل پرواز کے بعد دمشق پہنچے۔ دمشق آمد پر انہیں دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ نصف کو مصر روانہ کر دیا گیا جبکہ بقیہ نصف شام میں ہی رہے۔ لیکن ہوابازوں کہ پاک فضائیہ کے دستے کی قاہرہ آمد سے پہلے ہی مصر فائر بندی پر رضا مند ہو چکا تھا لہٰذا انہیں بطور انسٹرکٹر پائلٹ خدمات انجام دینے کے لیے مامور کر دیا گیا مگر شام میں معاملہ اس کے برعکس تھا۔ جو پائلٹ شام میں رہے وہ ایک بار پھر مانوس حالات میں اپنے پسندیدہ جہاز مگ 21 پر پرواز کے لیے تیار تھے۔ انہیں نمبر 27 اسکوارڈرن کے ''الفا گروپ'' میں تعینات کیا گیا جو صرف پاکستانی ہوابازوں پر مشتمل تھا۔ چند ابتدائی آزمائشی پروازوں کے فوراً بعد ضمیر ایئر بیس سے ہنگامی فضائی دفاع اور جنگی فضائی گشت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

گولان پر اسرائیل کی بڑھتی ہوئی جارحانہ سرگرمیوں کے باعث شام فائر بندی سے انکار کر چکا تھا اسی اثنا میں اسرائیلی فضائیہ نے اپنے حملے جاری رکھے جس میں ریڈیو جامنگ سے بھی مدد لی گئی۔ پاک فضائیہ کے شاہینوں نے جلد ہی اس کا پتہ چلا لیا۔ پاک فضائیہ کے آٹھ ہوابازوں پر مشتمل فارمیشن نے جس کا نام ''شہباز'' رکھا گیا جلد ہی اپنے نئے اور دلیرانہ فضائی حربوں سے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھا دی اور دشمن ان سے ٹکر لینے سے گھبرانے لگا۔ اس سے پیشتر ریڈیو جامنگ سے ناواقفیت کی بنا پر اس فضا میں اپنا بچاؤ شہباز کی توجہ کا مرکز تھا۔ احتیاطاً پاکستانی ہوابازوں نے دوران پرواز بات چیت کے لیے انگلش کی جگہ اردو کا انتخاب کیا تاکہ دشمن ان کی گفتگو سمجھ نہ سکے۔ لیکن ایک دن حیران کن واقعہ ہوا۔ خلاف توقع ایک پرواز کے دوران پاکستانی پائلٹوں کو پنجابی کے ناشائستہ الفاظ کی بوچھاڑ کا سامنا کرنا پڑا۔ اس واقعے نے انہیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ شاید موساد نے ان کی آپس میں گفتگو سمجھنے کے لیے اوران کے توڑ کے لیے سکھ خالصوں کو بھرتی کر لیا ہے۔

کئی ماہ کی اکا دکا سرگرمیوں کے بعد یوں لگتا تھا کہ جیسے دشمن کی جارحیت میں کمی آ گئی ہو چنانچہ شہباز کی لبنان اور شام پر گشتی پروازوں میں بھی کمی آ گئی اور معمول کی تربیتی پروازوں میں اضافہ ہونے لگا۔ ان قدرے پر امن حالات میں 26 اپریل 1974ء کی دوپہر زیر زمین بنکر میں بجنے والا خطرے کا سائرن تمام ہوابازوں کے لیے حیران کن تھا۔ شطرنج کی بساط اور گرما گرم قہوہ جوں کا توں چھوڑ کر آٹھوں ہوابازا اپنے مگ-21 کی طرف بھاگے اور چند ہی لمحوں میں پرواز کرتے ہوئے ضمیر سے





بیروت اور بحر روم کے ساحل کے ساتھ ساتھ صیدون تک اور پھر بالآخر مشرق میں دمشق کو چھوتے ہوئے واپس آ رہے تھے۔ مگ 21 کے اس ابتدائی ماڈل میں ایندھن کی کم مقدار کی وجہ سے پرواز صرف تین منٹ تک محدود تھی۔ یہ وقت ختم ہونے کو تھا کہ زمینی ریڈار نے ریڈیو پر اسرائیل کی جانب سے آتے ہوئے دو نا معلوم جہازوں کے متعلق خبردار کیا۔ اس موقع پر ایندھن کی کمی کے باعث ان جہازوں سے الجھنا انتہائی نا مناسب تھا۔

بادل ناخواستہ ''شہباز'' فارمیشن کے لیڈر نے دفاعی حربہ استعمال کرتے ہوئے ان کی طرف مڑنے کا فیصلہ کیا عین اسی وقت شدید ریڈیو جامنگ کا آغاز ہو گیا جس کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ریڈیو پر آنے والی آواز چانپ کی دکانوں سے آنے والی ''ٹکا ٹک'' کی آواز سے مشابہہ تھی۔ فارمیشن ابھی مڑنے کے بعد اکٹھی ہو رہی تھی کہ اسرائیلکے دو ایف 4 فینٹم طیارے ان کے سامنے سے یوں گزر گئے جیسے لڑنے کا کوئی ارادہ نہ رکھتے ہوں۔ کیا یہ دشمن کی کوئی چال تو نہیں تھی؟ اسی اثنا میں فارمیشن کے سب سے پیچھے پرواز کرنے والے فلائٹ لیفٹیننٹ ستار علوی اپنی پوزیشن سنبھال ہی رہے تھے کہ انہوں نے مزید دو میراج 3 طیارے دیکھے جو کہ بہت نیچے سے عمودی پرواز کرتے ہوئے ان پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ ریڈیو جامنگ کی وجہ سے ستار علوی کے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو اس خطرے سے آگاہ کرتے لہٰذا انہوں نے تن تنہا ان سے نمٹنے کا فیصلہ کیا۔ اپنی فارمیشن سے علیحدہ ہوتے ہوئے وہ ان میراج طیاروں پر اس طرح لپکے کہ ایک میراج تیزی سے ان سے آگے نکل گیا۔ دوسرے کے خلاف وہ اس مہارت سے مڑے کہ ان کے اپنے جہاز کی رفتار واقعتاً صفر ہو گئی (ایسے حالات میں آٹھ ٹن وزنی جہاز کی رفتار اس حد تک گرانے کے لیے دل گردے کی ضرورت ہوتی ہے) اور پھر نتیجہ یہ ہوا کہ چند لمحوں کے اندر وہ میراج ان کی طرف مڑا۔ یوں مدد آتی دیکھ کر پہلے میراج نے بھاگنے کا فیصلہ کیا۔ اس موقع پر حاضر دماغ ستار علوی نے فاصلے کو بڑھتا دیکھ کر گن کی بجائے میزائل داغنے کا فیصلہ کیا۔ بٹن دبانے کی دیر تھی کہ ایک کے-13 میزائل میراج کے تعاقب میں لپکا اور اسے تباہ کر دیا۔

ستار علوی ان لمحوں کو یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں ''اس وقت مجھے یوں لگا کہ جیسے یہ اسرائیلی جہاز کی تباہی نہیں بلکہ اسرائیلیوں کا غرور خاک میں مل رہا ہو'' ایندھن کی شدید کمی کے باعث انہوں نے واپس لوٹنے کا فیصلہ کیا۔ نیچے غوطہ لگاتے ہوئے ان کے جہاز کی رفتار آواز کی رفتار سے بھی تیز ہو گئی جس سے دمشق کی فضا دھماکوں (سونک بوم) سے گونج اٹھی۔ کہا جاتا ہے کہ صدارتی محل ان دھماکوں کی آواز سے کچھ زیادہ محظوظ نہیں ہوا۔ ضمیر لینڈ کرنے تک ان کے جہاز کا ایندھن تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ دوسری طرف جب ''شہباز'' فارمیشن نے اپنی ترتیب درست کی تو ستار علوی کو وہاں موجود نہ پا کر فارمیشن کے لیڈر

سکواڈرن لیڈر عارف منظور نے پریشانی کے عالم میں ستار علوی کو ریڈیو پر پکارا۔ سب کا خیال یہ تھا کہ اپنی مہم جو طبیعت کے باعث ستار علوی کسی مشکل کا شکار نہ ہو گیا ہو مگر جونہی انہیں یہ پتہ چلا کہ ستار نے ایک اسرائیلی میراج طیارہ مار گرایا ہے تو ریڈیو پر ان کے خوشی کے نعرے گونج اٹھے۔

پاکستانی شاہینوں کے اس کارنامے کی خبر ملتے ہی شام میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے مٹھائیاں تقسیم کی گئیں اور سکولوں میں چھٹی کا اعلان کر دیا گیا۔ عوام نے ستار کو اپنے سگے بھائی کا رتبہ دیا کیونکہ ان کے نزدیک ان کے اس مشترکہ دشمن کو مارتے ہوئے اس نے یہ بات ثابت کر دی تھی۔

ادھر ستار کا شکار بننے والے کیپٹن ایم لٹز جو، ہروٹز بیس کے نمبر 5 ائیر ونگ میں تعینات تھے تباہ ہونے والے جہاز سے بذریعہ پیراشوٹ چھلانگ لگا گیا۔ بعدازاں یہ انکشاف ہوا کہ یہ میراج طیارے رمات ڈیوڈ ائیر بیس کے نمبر 1 ونگ کے فینٹم طیاروں کی ہمراہی میں جاسوسی مشن پر تھے۔ فینٹم طیاروں کا کام کسی ممکنہ حملہ آور کو روکنا اور میراج طیاروں کا مشن جاسوسی کرنا تھا۔ ریڈار کنٹرولر (جس کا تعلق بھی پاک فضائیہ سے تھا) کی جانب سے خطرے کی بروقت آگاہی نے یہ بازی ستار علوی کے حق میں پلٹ دی۔ اس سلسلے میں ستار علوی کا کہنا ہے کہ ''یہ معرکہ پاک فضائیہ کے ہوابازوں کی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے اگر اس دن کوئی اور بھی میری جگہ ہوتا تو یہ سعادت اس کے نصیب میں آتی۔''

ستار علوی اور اس کے لیڈر عارف منظور کو ان کی بہادری اور شجاعت کے صلے میں شام کے دو اعلیٰ ترین اعزازات ''وصام فارس'' اور ''وصام شجاعت'' سے نوازا گیا۔ حکومت پاکستان نے بھی دونوں کو ستارہ جرات عطا کیا۔ ستار علوی نے جن کا شمار پاک فضائیہ کے چوٹی کے ہوابازوں میں کیا جاتا ہے بعد میں ترقی کی کئی منزلیں طے کیں۔ انہوں نے پاک فضائیہ کے ایک اعلیٰ ادارے کومبیٹ کمانڈرز سکول (Combat Commanders School) اور ایک اہم ہوائی اڈے پی اے ایف بیس رفیقی کی قیادت کے فرائض سرانجام دیئے اور بطور ایئر کموڈور پاک فضائیہ سے ریٹائرڈ ہوئے۔

## شادی کی سالگرہ والے دن شہادت

جذبہ شہادت سے سرشار پاکستان کے ان شاہینوں نے اسرائیل کی ایئر فورس کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ اس حوالے سے میں معرکہ گولان کا قدرے تفصیل سے ذکر کرنا چاہوں گا لیکن پہلے مختصر طور پر یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ ان شاہینوں میں سے تمام پائلٹ (سوائے ایک کے) پہلے بھی شام میں خدمات سرانجام دے چکے تھے اور جنگ سے کچھ عرصہ پہلے ہی پاکستان لوٹے تھے۔ جب یہ شاہین پہلی مرتبہ شام گئے تھے تو میں وہاں انکی فلاح و بہبود اور انکی کارکردگی میں اس لئے ذاتی دلچسپی لیتا رہا کہ ان





پائلٹوں کی کمان اس دور کے ممتاز سفارت کار اور آج کے منجھے ہوئے تجزیہ نگار اور مبصر جناب ڈاکٹر ایس ایم قریشی کے کزن سکواڈرن لیڈر عارف منظور کر رہے تھے۔ عارف منظور کو 1965 کی پاک بھارت جنگ کے دوران کشمیر کی فضاؤں میں ایک سنسنی خیز جھڑپ کے دوران بھارت کے چھ مگ (MIG) لڑاکا طیارے مار گرانے کی بنا پر حکومت پاکستان نے ستارہ جرات کا اعزاز دیا تھا۔ سکواڈرن لیڈر عارف منظور اس لحاظ سے بھی منفرد اور محترم تھے کہ وہ انتہائی ایماندار افسر تھے۔ انکی شجاعت اور ایمانداری کی بہت سی داستانیں افواج پاکستان کے آج کے افسران کیلئے مشعل راہ ہیں۔ شام میں اس قابل فخر سکواڈرن لیڈر کی شہادت کے بعد پاکستانی فضائیہ کی دیو مالائی شخصیت جناب ایم ایم عالم نے شام میں پاکستانی پائلٹوں کا کمان سنبھالی تھی۔

میں معرکہ گولان بیان کرنے سے پہلے جناب ڈاکٹر ایس ایم قریشی کے کزن کا یہاں ذکر اس لئے بھی کر رہا ہوں کہ شام میں انکی شہادت اس بات کا ایک اور ثبوت ہے کہ پاکستان اپنے عرب اور مسلم بھائیوں کی مدد کیلئے کیا کیا قربانی دیتا رہا ہے اور آج بھی دے رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ سکواڈرن لیڈر عارف منظور کی شہادت کا واقعہ اس لئے بھی قابل ذکر ہے کہ انکی شہادت عین انکی شادی کی دوسری سالگرہ اور انکے پہلے بچے (بیٹی) کی پہلی سالگرہ کے دن ہوئی۔ حسن اتفاق سے یہ دونوں سالگرہیں ایک ہی دن تھیں۔ عارف منظور کی بیگم اپنے خوبصورت اپارٹمنٹ میں دونوں سالگرہیں منانے کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ انہوں نے کچھ شامی مہمانوں کو بھی مدعو کر رکھا تھا۔ سکوارڈن لیڈر عارف منظور نے پاکستان سے کچھ پاکستانی مٹھائیاں منگوا رکھی تھیں اور صبح گھر سے جاتے وقت انہوں نے اپنی بیگم کو کہا کہ یہ پاکستانی کلچر کو نمایاں کرنے کا اچھا موقع ہوگا۔ دعوت میں کھانے پینے کی تمام اشیا پاکستانی ہی ہونی چاہیں۔ انکی بیگم دن بھر گھر کو سجاتی بھی رہیں اور مہمانوں کی تواضع کیلئے معروف پاکستانی کھانے بھی تیار کرتی رہیں وہ انتہائی خوش تھیں کہ انکی خوشگوار شادی کی سالگرہ ہے اور انکی بیٹی کی بھی پہلی سالگرہ ہے۔ جب سالگرہوں کا مقررہ وقت قریب آن پہنچا اور استقبالیہ کے تمام انتظامات مکمل ہو گئے تو عین اس وقت سکواڈرن لیڈر عارف منظور کے آنے کی بجائے انکی شہادت کی خبر آن پہنچی !! بیگم عارف منظور بے ہوش ہو گئیں------ نہ جانے کیا ہوا۔ جب سکواڈرن لیڈر عارف منظور ایک شامی پائلٹ کو تربیت دے رہے تھے اور انہیں اپنے وسیع تجربے کی روشنی میں جنگی اسرار و رموز سمجھا رہے تھے کہ انکا جہاز فضا میں پھٹ گیا۔ انہوں نے فوری طور پر زیر تربیت شامی پائلٹ کو پیراشوٹ سے نیچے کود جانے کیلئے کہا۔ لیکن وہ اپنی بات مکمل نہ کر سکے پھٹنے والے طیارے کا ایک نوکیلا ٹکڑا انکے دل کے آر پار ہو گیا اور انکا جسد خاکی دمشق کی پہاڑیوں پر جا گرا جناب ڈاکٹر ایس ایم قریشی کا کہنا ہے کہ جب میں بیروت سے دمشق پہنچا اور

سکواڈرن لیڈر عارف منظور کی میت کو دیکھنے ہسپتال کے مردہ خانے میں گیا تو یوں محسوس ہوا جیسے عارف منظور متبسّم اور پرسکون چہرے کے ساتھ گہری نیند سو رہے ہیں۔ادھر جب شام کی فضائیہ کے ایک کرنل ایک خصوصی شامی طیارے میں سکواڈرن لیڈر منظور کے جسد خاکی کو لے کر پاکستان پہنچے اور انہوں نے شامی حکومت کی طرف سے سکواڈرن لیڈر عارف منظور کیلئے بعداز وفات اعلیٰ ترین اعزاز انکے والد کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے پرنم آنکھوں کے ساتھ اس اعزاز کو چوما اور پھر اپنے شہید بہادر بیٹے کے منہ کو چوما۔

''میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ تشریف لائے۔لیکن ہمیں رونا نہیں چاہیئے۔میرا بیٹا شہید ہے اور وہ ایک برادر مسلم ملک کیلئے شہید ہوا ہے''۔سکواڈرن لیڈر عارف منظور کے والد تعزیت کیلئے آنے والے سوگواروں سے کہتے۔

جب عارف منظور کی شادی ہوئی تو انکی ہونے والی بیوی جو میڈیکل کالج کراچی کی طالبہ تھی۔عارف منظور کی شام میں شہادت کے بعد عارف منظور کے والد نے اپنی بہو کو دوبارہ میڈیکل کالج میں داخلہ دلوادیا۔وہ شب وروز محنت اور لگن سے اپنی تعلیم مکمل کرنے لگیں۔بالآخر ڈاکٹر بن گئیں اور عام محاورے کے مطابق اپنے پاؤں پر کھڑی ہوگئیں شہید عارف منظور کے والد محترم نے اپنی بیٹی (بہو) کی شادی ایک اچھے خاندان میں کرا دی۔وہ ایک صابر اور شاکر مسلمان تھے۔ انکا اسم گرامی منظور تھا۔الحمدللہ آج کے دور اور آج کے پاکستان میں بھی ایسے ایسے واقعات دیکھنے اور سننے میں آتے ہیں جن سے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔

## میں نے شام میں کیا دیکھا

مجھے 20 نومبر 2003ء کو دوبارہ شام جانے کا موقع ملا میں اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ شام جا چکا ہوں۔اب کی مرتبہ میری بیگم میرے ساتھ تھی۔انہیں درگاہوں اور مزارات پر حاضری دینے اور دعائیں مانگنے کا بڑا شوق ہے۔ہمیں دمشق کے بارونق اور قیمتی ملبوسات فروخت کرنے والی بڑی بڑی دوکانوں کے علاقے میں واقع جس فائیوسٹار ہوٹل (شام پیلیس) میں قیام کا موقع ملا حسن اتفاق سے اسی ہوٹل میں عراق کے بڑے بڑے قبائلی سرداروں پر مشتمل ایک 20 رکنی وفد بھی ٹھہرا ہوا تھا۔یہ وفد عراق پر امریکی جارحیت کے بعد کی صورتحال پر شامی قیادت سے تبادلہ خیال کے لیے دمشق آیا ہوا تھا۔وفد کا ہر جگہ اور ہر سطح پر کھلے بازوؤں کے ساتھ استقبال کیا جارہا تھا۔شام کے جواں سال صدر جناب بشارالاسد کے ساتھ انکی ملاقات میں جو باتیں ہوئیں انکا خلاصہ خود وفد کے سربراہ نے مجھے ہوٹل میں ٹرکش کافی پیتے ہوئے





بتایا۔وفد کے تمام اراکین عراق اور عرب کے مخصوص لباس پہنے ہوئے تھے جبکہ وفد کے سربراہ جناب ہاشم الصروت (Mr Hashem al Srout) ٹائی کے بغیر مغربی سوٹ پہنے ہوئے تھے۔

وفد کے سربراہ پہلے تو بہت ہی محتاط انداز میں اور رسمی وروائتی الفاظ میں بات چیت کرنے لگے لیکن جب میں نے انہیں کچھ اپنے بارے میں بتایا تو وہ کھل کر باتیں کرنے لگے۔ مجھے جناب صدر بشارالسد اور عراق کے بااثر قبائل کے سرداروں کے درمیان ہونے والی گفتگو کا خلاصہ سن کر خوشی ہوئی۔دل کو قدرے اطمینان ہوا کہ جلد یابدیر حق اور سچ کی فتح ہوگی۔میں جب بھی ناشتے کی میز پر یا دوپہر اور رات کے کھانے کے موقع پر انہیں ہوٹل کے بوفے ریستوران میں ملتا تو انہیں گلے لگاتا وہ بھی بہت خوش ہوتے۔ مجھے انکی عقابی آنکھوں میں ایک واضح پیغام کی جھلک نظر آتی۔

اس دورے کے دوران میری شامی وزیراعظم جناب ناجی اوتری' شام کے کہنہ مشق اور جہاندیدہ نائب صدر جناب عبدالحلیم خدام (جو کہ مرحوم صدر حافظ الاسد کے بااعتماد ساتھی تھے) وزیر اطلاعات جناب احمد الحسن (سابق سفیر برائے ایران) اور حکمران جماعت (بعث پارٹی) کی قیادت سے ملاقاتیں کرنے اور اسلامی اُمہ کو درپیش مسائل کے حوالے سے تبادلہ خیال کا موقع ملا۔

لیکن زیرنظر کتاب میں ان امور پر لکھنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی اس حوالے سے کچھ ذکر کرنا ضروری ہے کہ ان ہی دنوں دمشق کا دورہ کرنے والے لبنانی صدر جناب ایمل لہود اور دیگر ہمسایہ عرب ممالک کی اعلیٰ حکومتی شخصیات اس حوالے سے متفکر تھیں کہ عراق سے بہنے والا دہکتا ہوا لاوا دیگر ہمسایہ ممالک کو بھی اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے لیکن کتاب کے موضوع کے حوالے سے میں ضمنی طور پر یہ بیان کرنا چاہوں گا کہ میں نے شامی علاقوں میں اسرائیلی بربریت کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔مجھے تفصیلی بریفنگ کے لیے گولان کے اس مرکزی شہر قنیطرہ (Qnaytra) لے جایا گیا جس پر 1967 میں اسرائیل نے قبضہ کرلیا تھا اور جب ایک معاہدہ کے تحت اسرائیل نے اسے خالی کیا تو 26 جون 1976 کو شام کے مرحوم صدر حافظ الاسد نے اس تاریخی شہر پر ایک مرتبہ پھر شام کا جھنڈا لہرایا تھا۔

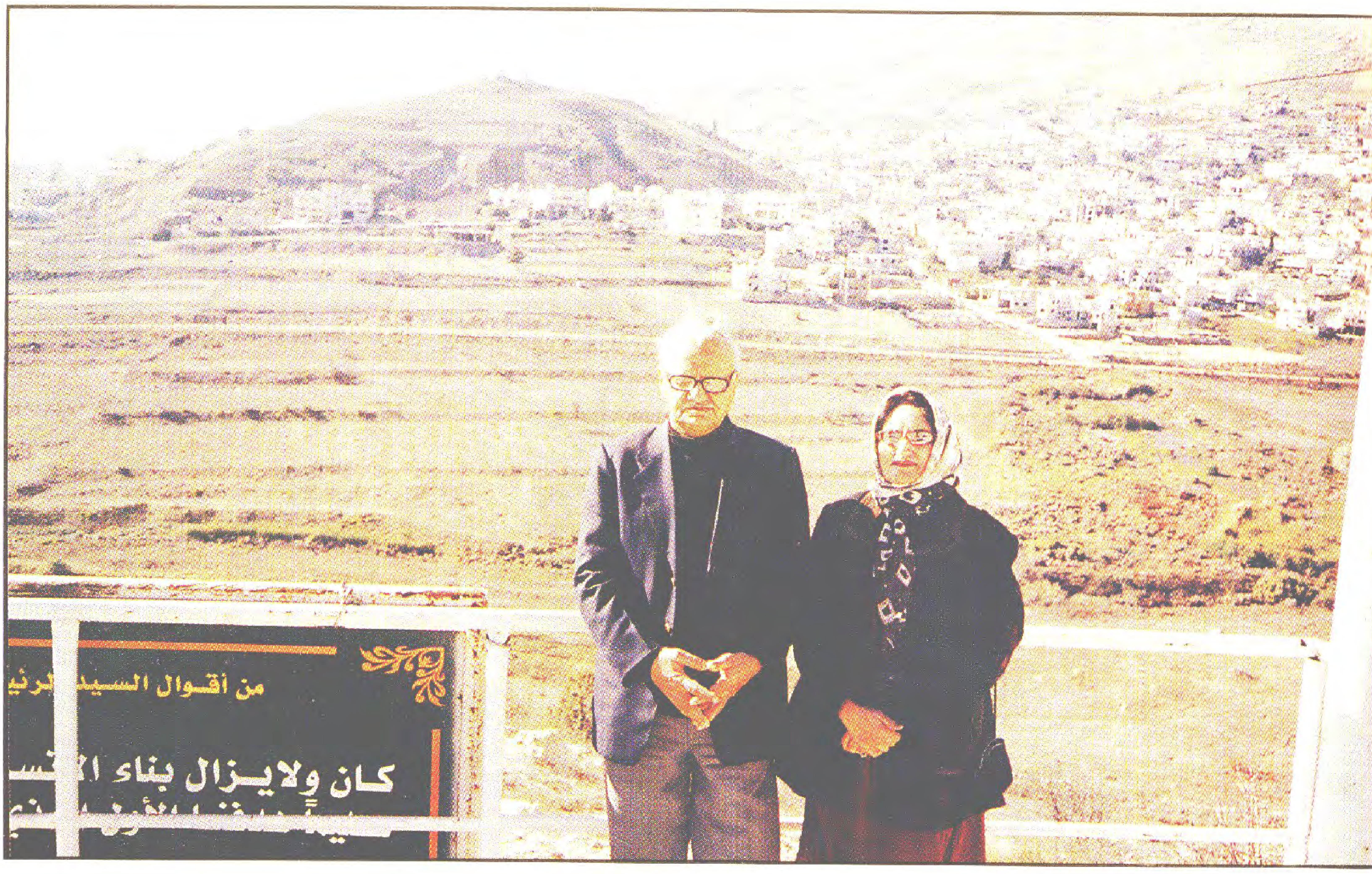
میں نے دیکھا کہ اسرائیل نے یہ علاقہ خالی کرنے سے پہلے ٹینکوں کی مدد سے اور گولہ باری کرکے جس طرح ہر گھر کو مسمار کردیا تھا اور پورا شہر جس طرح ویران کردیا تھا وہ ہولناک ویرانی ابھی تک باقی ہے۔شہر میں مساجد،شفاخانے اور گرجاگھر بھی تباہ کردیئے گئے تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ ظالم اسرائیلیوں نے مساجد اور گرجاگھروں کو بیت الخلا کے طور پر اور قرآن حکیم اور بائیبل کے مقدس اوراق کو ٹائیلٹ پیپر کے طور پر استعمال کیا۔میں نے ایک تین منزلہ تباہ حال عمارت کی ٹوٹی پھوٹی سیڑھیوں کی مدد سے چھت پر چڑھ کر چاروں طرف دیکھا تو زمین بوس عمارتوں کے ملبے کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔حتیٰ کہ درخت بھی جلے

ہوئے تھے البتہ بعض ٹوٹے ہوئے اور جھلسے ہوئے درختوں سے نئی سبز شاخیں لہرا رہی تھیں۔تھوڑے ہی فاصلے پر گولان کی چوٹیوں پر اسرائیل کی چیک پوسٹیں نظر آ رہی تھیں۔ میں نے دوربین کی مدد سے وہاں اسرائیلی فوجی دستوں کو بھی دیکھا۔اسرائیل نے ان چوٹیوں تک سڑک بنائی ہوئی ہے اور اس سڑک پر ایک آدھ فوجی جیپ آتی جاتی دکھائی دیتی ہے۔

لیکن اس ویرانے سے بھی زیادہ دل کو ویران کر دینے والے وہ مناظر ہیں جو شام کے ان علاقوں میں دیکھنے میں آتے ہیں جہاں اب بھی اسرائیل پوری ڈھٹائی کے ساتھ قابض ہے۔گولان ہی کے علاقے میں اب بھی ایک شامی گاؤں پر اسرائیل کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔اس گاؤں سے متصل ایک پہاڑی جس پر شام کی فوجی چوکی ہے پر میں ایک گھنٹہ تک تقریباً سکتے کی حالت میں کھڑا اس بدقسمت گاؤں کو دیکھتا رہا۔اسرائیلی جھنڈے تلے زندگی بسر کرنے والے محکوم و مجبور شامیوں میں اب بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اسرائیلی قبضہ کے دوران یہاں ہی پیدا ہوئے اور اب بڑھاپے اور موت کی طرف رواں دواں ہیں۔ میں بڑی دیر تک یہ دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ ان محکوم شامیوں کے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔ میں جس پہاڑی پر کھڑا تھا اسکے نیچے ایک طرف اسرائیل نے مائنز بچھا رکھی ہیں۔ان مائنز کے پار کھڑے ہوکر شام کے وہ لوگ جن کے عزیز واقارب اس مقبوضہ گاؤں میں ہیں میگا فون پر بلند آواز میں اپنے رشتہ داروں کی خیریت دریافت کرتے ہیں جو مقررہ وقت پر مائنز کی دوسری طرف اپنے گاؤں میں کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ مائنز کے خوف سے دور ہی سے میگا فون پر بات کرتے ہیں۔

دریں اثنا اسرائیلی فائٹر بمبار طیارے لبنان اور شام کی فضائی حدود کی خلاف ورزیاں کرتے رہتے ہیں اسرائیل کے ہائی ٹیک ایف 15 اور ایف 16 تیز رفتار طیارے جب ساؤنڈ بیریئر توڑتے ہیں تو شدید گڑگڑاہٹ سے کانوں کو بہرہ کر دینے والا ڈراؤنا ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔خواتین اور بچے خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور آسمان کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔ جیسے اللہ کو مدد کیلئے پکار رہے ہوں آسمان کو تکتے تکتے انکی نگاہیں تھک جاتی ہیں۔آسمان سے کوئی جواب نہیں ملتا یا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آسمان سے فی الحال کوئی جواب نہیں مل رہا۔

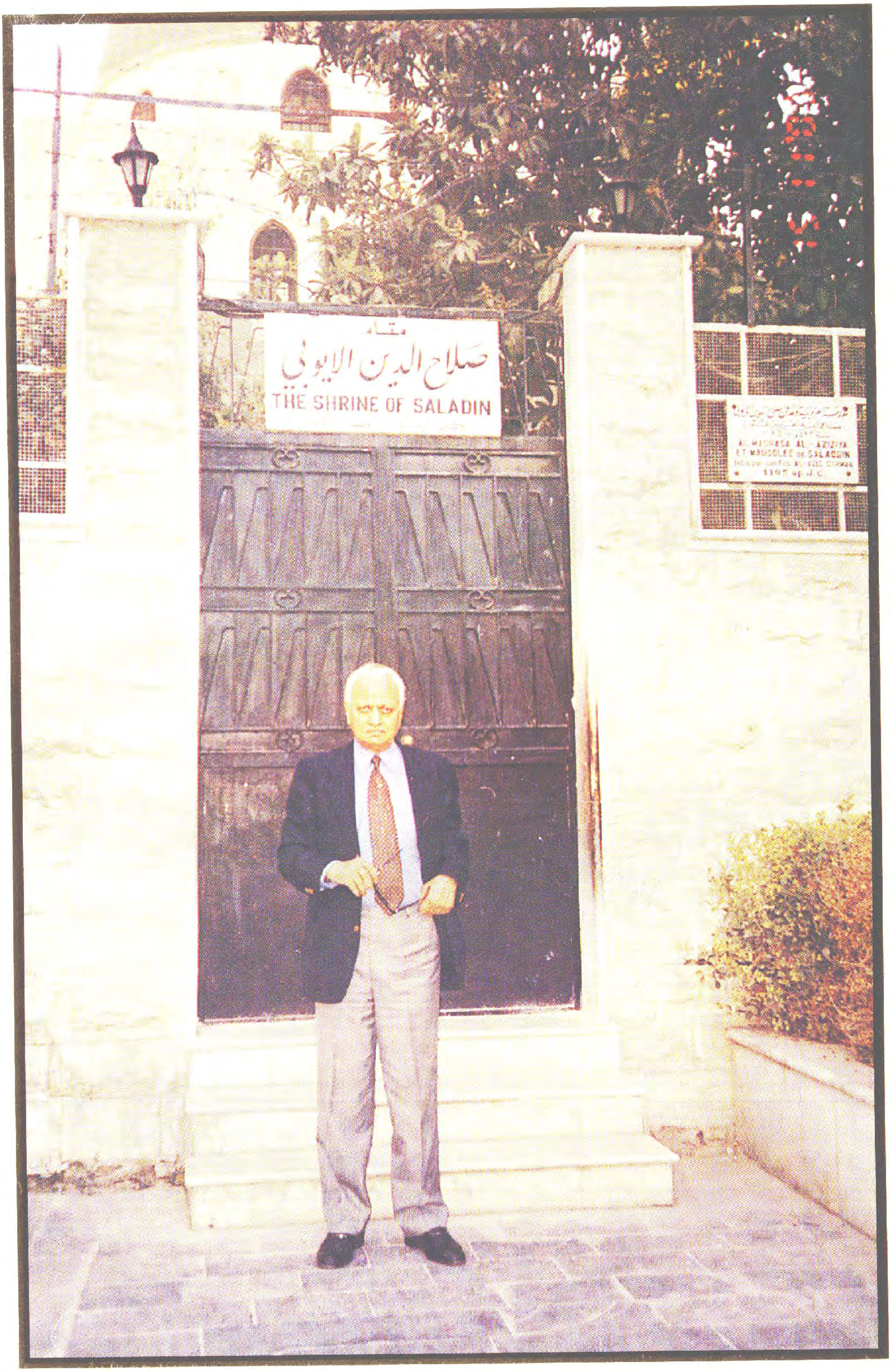
جہاں تک شام کی حکومت کا تعلق ہے وہ پرامید ہے کہ بالآخر حالات تبدیل ہو جائیں گے۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے وہ مایوس ہیں۔شام میں بہت سے فلسطینی بھی ہیں جو 1948 میں ہجرت کر کے شام آ گئے تھے۔شام کی وزارت اطلاعات نے میری مدد اور راہنمائی کیلئے جس خاتون کو مقرر کر رکھا تھا۔وہ بھی فلسطینی تھی۔32 سالہ عائدہ غیر شادی شدہ تھی اور اپنے مستقبل سے شدید مایوس تھی۔عائدہ نے ایک دن انتہائی افسردگی کے عالم میں اور نمناک آنکھوں کے ساتھ جو کچھ کہا اس سے عام شامیوں اور




شام کے ایک مقبوضہ علاقہ میں اسرائیل کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ کتاب کے مصنف اور انکی بیگم



شام کے فوجی حکام ایک زیرزمین کنٹرول روم میں کتاب کے مصنف کو بریف کر رہے ہیں کہ شام کے کون کون سے علاقے اسرائیل کے قبضے میں ہیں۔




سلطان صلاح الدین ایوبی کے حضور۔ بصد ادب و احترام

فلسطینیوں کی مایوسی سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ عائدہ نے کہا ''میرا کوئی مستقبل نہیں 1970 کی دہائی میں عربوں کے پاس تیل کا کارڈ تھا۔ اب 21 ویں صدی میں انکے پاس کچھ بھی نہیں۔ ہم کب تک پتھروں کے ساتھ انکے ٹینکوں کا مقابلہ کرتے رہیں گے.........؟''

میں جب تک دمشق میں رہا اسلام کے نامور سپہ سالار سلطان صلاح الدین ایوبی کے مزار پر حاضری دیتا رہا۔ جبکہ میری بیگم نے دمشق میں قیام کے دوران حضرت زینبؓ کے روضہ پر حاضری دی۔ میں بھی بعض مذہبی اور تاریخی مقامات پر انکے ساتھ تھا۔ جب ہم دمشق سے واپس پاکستان کیلئے روانہ ہونے لگے تو فلسطینی گائیڈ عائدہ نے اپنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا

"Mr Malik your wife all the time graves,graves. I live here 32 years. Graves for the first time."

عائدہ نے کہا ملک صاحب آپکی بیگم بھی عجیب خاتون ہیں۔ ہر وقت قبریں۔قبریں میں 32 برس سے یہاں رہ رہی ہوں لیکن میں نے ان قبروں کو پہلی مرتبہ دیکھا ہے!

قارئین کرام۔ کیا آپ نہیں سمجھتے کہ محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے اگر ایران یا لیبیا کے ایٹمی پروگراموں کے حوالے سے ان ممالک کے مسلمان سائنسدانوں کی کوئی بھی مدد کی ہے تو اس کا کوئی نظریاتی اور اسلامی پہلو بھی ہوسکتا ہے۔؟

# یہ صرف اور صرف ڈاکٹر خان کا کریڈٹ ہے

محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور ان کے بعض جانباز ساتھیوں پر ایٹمی پھیلاؤ کے حوالے سے ڈی بریفنگ کے المناک منظر کا یہ پہلو بھی قوم کے لئے بڑا تکلیف دہ ہے کہ بعض سابق حکمرانوں کے دسترخوانوں سے اپنا راتب چرانے والوں نے ایک بار پھر وہی راگ الاپنے اور اس بہانے ڈاکٹر خان کے قد کو گھٹانے کی کوشش کی جو انہوں نے 28 مئی 1998 ایٹمی دھماکوں کے فوری بعد الاپے مگر منہ کی کھائی تھی۔ان فکری بونوں کی تحریروں سے یوں لگتا ہے جیسے ڈاکٹر خان کو ہیرو تسلیم کئے جانے میں ان کا بڑا ذاتی نقصان ہو رہا ہو۔ایک طرف تو فکری دیوالیہ پن کے شکار مضمون نویس یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ 28 مئی کے دھماکے پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن کا کارنامہ تھا اور اس منزل کو سر کرنے میں اگر ڈاکٹر خان کا کوئی حصہ ہے تو وہ صرف یورینیم افزودگی تک کا ہے جو بقول ان کے سارے عمل کا صرف چوبیسواں حصہ تھا اور دوسری طرف پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن کے سابق چیئرمین ڈاکٹر منیر احمد خاں (اللہ انھیں بخشے) کو ''پاکستانی ایٹم بم کا بابا'' اور ڈاکٹر ثمر مبارک مند کو ''ماما'' ثابت کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف ہیں۔اس حوالے سے اگرچہ اتنا ہی کہہ دینا ان لوگوں کے عقلی دیوالیہ پن کو بے نقاب کرنے کے لئے کافی ہے کہ گذشتہ ربع صدی سے بیرونی طاقتوں اور ماہرین نے جس شخص کو اپنا ہدف بنایا ہوا ہے وہی پاکستان کے ایٹم بم اور ایٹمی پروگرام کا تخلیق کار ہے' اور مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے بعد دوسروں کے لئے عبرت بنانے کے لئے (خاکم بدہن) وہ اسی نابغہ کے تعاقب میں ہیں اور یہ نابغہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں۔

ظاہر ہے کہ ایٹمی پروگرام ایک انتہائی حساس اور پیچیدہ ٹیکنالوجی ہے اور اس کا حصول صرف کسی ایک شخصیت کا کام نہیں ہوسکتا۔یہ ایک ٹیم ورک تھا اور اس میں ہزاروں سائنسدانوں' انجینئروں اور دیگر ہنرمندوں کا بھی حصہ تھا اور یہ حصہ اپنی جگہ بہت اہم ہوتا ہے اس حوالے سے ہر وہ سائنسدان اور ہنرمند قابل تعریف ہے اور مبارک باد کا مستحق ہے جس نے کسی بھی حوالے سے پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے میں کوئی بھی کردار ادا کیا۔اس پس منظر میں ڈاکٹر ثمر مبارک مند یا پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کے دیگر کسی بھی ایسے سائنسدان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جو پاکستان کے ایٹمی پروگرام سے کسی بھی حیثیت میں وابستہ تھا یا ہے وہ قوم کیلئے محترم ہے۔لیکن ایٹمی پروگرام کے حوالے سے ساری خرابی یا بحث ومباحثہ کا سلسلہ اس وقت شروع ہوتا ہے جب محسن پاکستان مخالف لابی پاکستان کو ایٹمی طاقت بنانے میں انکے



بنیادی اور کلیدی کردار کو گہنانے کی کوشش کرتی ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر پاکستان کے ایٹمی پروگرام کا سہرا کسی ایک سائنسدان کے سر باندھا جاسکتا ہے تو وہ صرف اور صرف ڈاکٹر عبدالقدیر خان ہیں اس باب میں اس حوالے سے بات کی جارہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے وہ کارنامہ انجام دیا ہے جس کا قوم آج تک صحیح طور پر ادراک ہی نہیں کرسکی صرف یورنیم انرچمنٹ ہی ایک ایسا کام ہے کہ اس کی نزاکتوں اور پیچیدگیوں کو سمجھ لیا جائے تو لوگ ورطہ حیرت میں ڈوب جائیں گے۔جبکہ ڈاکٹر خان نے تو اس کی افزودگی کے پلانٹ کے لئے درکار ضروری مشینری اور پرزہ جات کے معاملے میں بھی پاکستان کو دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ فرانس کے صدر ڈیگال سے دریافت کیا گیا کہ امریکہ' برطانیہ' اور نیٹو کی ایٹمی چھتری کی موجودگی میں فرانس کا ایٹمی پروگرام شروع کرنے کا کیا فائدہ؟ تو انہوں نے برجستہ کہا تھا جوہری پروگرام سے جو تکنیکی مہارت حاصل ہوتی ہے اس کی وجہ سے آپ عالمی منڈی میں ہزارہا طریقوں سے مقابلہ کرنے کے قابل ہوجاتے ہیں۔ہمارا ایٹمی پروگرام بھی وطن عزیز کے دفاع کے شعبے میں خود کفالت کی منزل تک لے جانے میں انتہائی مفید ثابت ہوا۔کے آر ایل نے ڈاکٹر خان کی رہنمائی میں ملکی دفاع کو ناقابل تسخیر بنانے اور انتہائی جدید ہتھیاروں کی تیاری کے نظام کو فروغ دینے اور خود کفالت اور بھاری زرمبادلہ بچانے میں موثر کردار ادا کیا ہے اور جنرل اسلم بیگ کا یہ خراج تحسین بہت کچھ کہے دیتا ہے کہ ''ڈاکٹر خان ایک جن ہیں ان سے جو کچھ کہو بنا دیتے ہیں۔''یورینیم کی افزودگی کے علاوہ کے آر ایل نے جو مختلف حربی نظام قوم کو دیئے مختصراً وہ یوں ہیں:

(1) **غوری میزائل**: زمین سے زمین تک مار کرنے والے بیلسٹک میزائل جسے میزائل لانچنگ سسٹم سے چھوڑا جاتا ہے۔جو 1000 کلوگرام وزنی وارہیڈ کو 1500 سے 2000 کلومیٹر تک لے جاسکتا ہے۔

(2) **عنزہ میزائل سیریز**: زمین سے فضا میں مار کرنے والا گائیڈڈ میزائل جو آسانی سے منتقل کیا جاسکتا ہے اور اپنے ہدف تک ٹھیک ٹھیک پہنچنے والا لیزر رینج میزائل ہے۔

(3) **بکتر شکن اینٹی ٹینک میزائل**: یہ میزائل شعاعوں کی رینج کے ذریعہ خود پیدا کردہ اور فاصلے سے دیئے جانے والے اپنے سگنل کے ذریعے ہدف تک پہنچنے اور جام کئے جانے سے محفوظ رہنے کی بے پناہ صلاحیت رکھتا ہے۔تین ہزار میٹر کے فاصلے سے ہر قسم کے ٹینک کو تباہ کرسکتا ہے۔

(4) **بارودی سرنگیں صاف کرنے والے مائن چارجر**: تین مختلف رینج کے ان چارجروں کو راکٹ لانچر کے ذریعے بارودی سرنگوں کے کسی بھی علاقے میں بارودی سرنگیں صاف کرنے کے لئے پھینکا جاتا ہے اور چند سیکنڈ بعد فاصلاتی برقی ذرات کے ذریعے ڈیٹونیٹ کیا جاتا ہے۔اور انکی بدولت فوجی اس

علاقے سے بحفاظت گزر جاتے ہیں۔

**(5) ملٹی بیرل راکٹ لانچر:** 132.4 ملی میٹر قطر کے لانچر جو 25 کلومیٹر تک مار کر سکتے ہیں۔

**(6) لیزر رینج فائنڈرز:** تاریکی میں بیس کلومیٹر کے فاصلے تک دشمن کی نقل وحرکت کا ٹھیک ٹھیک تعین کرنے اور سراغ لگانے کا بہت مفید آلہ ہے۔

**(7) کیمیائی توانائی پر مبنی بکتر بند گاڑی:** یہ انتہائی جدید قسم کے ہتھیاروں کا موثر مقابلہ کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔

کے آر ایل میں ڈاکٹر اے کیو خان کی قیادت میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں اعلیٰ تعلیم اور تحقیق کو خصوصی اہمیت حاصل رہی' اور اس حوالے سے انہوں نے مختلف شعبوں میں پیش قدمی کی اس میں ایڈوانس مڈلیچیز سائنس کو خصوصی اہمیت دی گئی اور ان کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے' جس کی وجہ سے دنیا پاکستان سے جلتی ہے۔ اس کے علاوہ میکینٹس اور مقناطیسی مواد' سوفٹ ویئر' پاور الیکٹرونک اور OPTO الیکٹرونکس' ویکیوم ٹیکنالوجی کے شعبے بھی قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ ان کے کام کے کئی میدان تھے۔ جن کا تذکرہ طوالت کا باعث ہوگا۔ پاکستان کو تعلیمی اور تکنیکی میدان میں بہت آگے لے جانے کا بھی ان کا ایک منصوبہ تھا جو اب شاید شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے۔

اب آیئے چند انتہائی ذمہ دار شخصیات اور عینی شاہدوں کی شہادتیں ملاحظہ فرمائیں۔ جن سے واضح ہوگا کہ پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے کا سہرا کس کے سر ہے۔

پاکستان کے سابق صدر جناب غلام اسحٰق خان نے جن کی پاکستان کے ایٹمی پروگرام سے گہری وابستگی پر ایک الگ کتاب لکھی جا سکتی ہے میرے ایک خط کے جواب میں 16 اگست 1999 کو لکھا:

## محترم زاہد ملک صاحب!

آپ کے مکتوب کا شکریہ' جس میں آپ نے ڈاکٹر اے کیو خان کی شخصیت' امتیازی اوصاف' خدمات کامیابیوں اور پاکستان کے ایٹمی پروگرام سے میرے قریبی تعلق کے باعث بحیثیت انسان اور سائنسدان ان کی زندگی کے ان چھوئے پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے لئے کہا ہے۔

''میں بلاشبہ اپنی مختلف سرکاری حیثیتوں میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے کام اور کارناموں سے عملی طور پر مسلسل دو عشرے سے بھی زیادہ عرصہ تک متعلق رہا ہوں۔ ہمارے تعارف کے ابتدائی دنوں ہی میں میں نے انھیں ایسا فرد پایا۔ جو زندگی کو عظیم اور نیک مشن کے لئے وقف کر چکا ہے۔ ایسے مشن کے لئے جو اگرچہ مشکل ضرور تھا لیکن جسے ان جیسے عزم وہمت کے مالک فرد کے لئے اسے



پایۂ تکمیل تک پہنچانا ناممکن نہیں۔ بعد کے دنوں میں' میں نے دیکھا کہ انہوں نے خود کو پورے عزم وایقان اور تندہی کیساتھ اس منزل کے حصول کے لئے وقف کر رکھا ہے جو انہوں نے اپنے لئے خود متعین کی ہے۔ آج بھی یاد ہے کہ اپنے باقاعدہ ماہانہ اجلاسوں میں جب ہم ان کی پیش رفت اور طے کردہ سفر کے بارے میں سنتے تو بہت خوش ہوتے اور یہ دیکھ اور جان کر فخر اور مسرت محسوس کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں کس طرح ان اوصاف ان صلاحیتوں اور مہارتوں سے نوازا ہے جن کی بدولت وہ اپنے راستے کی مشکلات اور رکاوٹوں کو دور کرتے چلے جاتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ''ایک ادارہ ایک شخص کے سائے کا پھیلاؤ ہوتا ہے اور سائے کا پھیلاؤ ان تقرریوں' تعینات اور ترقیوں سے متاثر ہوتا ہے جو وہ کرتا ہے اور جو نئے تصورات کے اختراع کا ذریعہ بنتی اور اس شخص کو اپنے پروگرام پر عملدرآمد کے مواقع فراہم کرتی ہیں۔'' عملی طور پر ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو آگے بڑھانے اور تکمیل تک پہنچانے کا چیلنج قبول کیا' ان کا پہلا کام کہوٹہ لیبارٹریز کے قیام کے ذریعہ اپنے مشن کی تکمیل کے لئے بنیادی ڈھانچے کی فراہمی اور چلانے کے لئے وفادار' قابل اعتماد' بے لوث' ایثار پیشہ اور پیشہ ورانہ طور پر ماہر انجینئروں اور سائنسدانوں کی ٹیم کو جمع کرنا تھا۔ اور آج کے آر ایل ہمارا ایک انتہائی اہم ادارہ بن چکا ہے جو دفاعی پیداوار اور ریسرچ کے میدان میں دنیا کے چند بہترین اداروں کے ہم پلہ ہے۔ یہ بنیادی طور پر یورینیم کے ہتھیاروں کی سطح تک افزودگی کے لئے قائم کیا گیا تھا اور اسے حسن اتفاق کہیے کہ یہ ان اداروں کے مقابلے میں جو بعض ممالک نے اسی مقصد کے لئے انہی دنوں قائم کئے تھے نہایت ارزاں لاگت میں تیار ہوا۔ آج یہ نہ صرف یورینیم کی افزودگی کے لئے درکار تنصیبات جدید ترین ورکشاپوں سازوسامان اور دیگر سہولتوں پر مشتمل ہے جو بعض متعلقہ یا ملحقہ اداروں کی الگ عمارات میں واقع ہیں بلکہ مقامی طور پر (بشمول غوری) میزائلوں' اینٹی ٹینک آلات' ملٹی بیرل گنز اور تاریکی میں دیکھنے والے آلات وغیرہ سمیت ہر قسم کے جنگی ہتھیاروں کی مقامی طور پر تیاری اور پیداوار کی تنصیبات پر محیط ہے۔ ڈیفنس ٹیکنالوجی میں خود کفالت کے حصول کی طرف یہ پہلا قدم تھا اور اس طرح کے آر ایل (ڈاکٹر اے کیو خان ریسرچ لیبارٹریز کہوٹہ) نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی عظیم قیادت میں ملکی دفاع اور سلامتی کو ناقابل شکست بنانے میں لازوال کردار ادا کیا۔

کے آر ایل کو موجودہ مقام تک پہنچانے میں اس کے معماروں کو حقیقی معنوں میں زبردست چیلنج کا سامنا تھا انھیں ایسے فنی مسائل کو حل کرنا تھا جن سے انھیں پہلی مرتبہ واسطہ پڑا اور انھیں انسانوں کی پیدا کردہ مشکلات اور قدرتی آفات پر قابو پانا تھا۔ یورینیم کی افزودگی میں ایک مرحلہ ایسا بھی

آیا جہاں سنٹری فیوجز نے ان میں استعمال ہونے والی قدرتی گیس کو ایک حد سے آگے افزودہ کرنے سے انکار کردیا۔ یہ انتہائی کٹھن مرحلہ تھا ایسا کیوں ہوا؟ اس پر تحقیقات کی گئی اور اس مشکل کو حل کرلیا گیا۔ پھر گاہے بگاہے بعض انتہائی نازک مراحل میں انتہائی ضروری ایٹمز کی فراہمی پر پابندیاں لگائی جاتی رہیں' حالانکہ ان کے منگوانے پر اصولاً کوئی پابندی نہ تھی۔ اور ان کے لئے کھلے عام معاہدے کئے گئے تھے بلکہ قیمت بھی ادا کی جاچکی تھی۔ ایسی صورت میں بعض پرزہ جات کی مقامی طور پر تیاری کا فیصلہ کیا گیا اس کے لئے تجربات اور آزمائش کے مراحل میں کئی غلطیاں ہوئیں یا پھر ریورس انجینئرنگ کے طویل عمل کا طریقہ اختیار کرنا پڑا۔ پھر یہ کہ کم از کم تین مرتبہ انتہائی نازک اور تیز رفتار اور بڑی مشکل سے ترتیت دی گئی سینکڑوں سنٹری فیوجز کی صفوں کو غیر متوقع زلزلوں کے شدید جھٹکوں نے درہم برہم کرکے رکھدیا (حالانکہ کہوٹہ ریجن میں ایسے زلزلوں کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے) ان کو وقت اور محنت کی بھاری لاگت سے دوبارہ ترتیب اور منظّم کرنا پڑا۔ اندریں حالات کوئی اور شخص جو ڈاکٹر خان جیسے ناقابل شکست عزم اور مستقل مزاجی سے متصف نہ ہوتا دل چھوڑ بیٹھتا۔ لیکن ان حادثات نے ڈاکٹر خان کے لئے مہمیز کا کام دیا اور انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ تندہی اور محنت کے ساتھ کام کیا اس کے نتیجے میں نہایت مختصر وقت میں ان عفریت آسا نقصانات کا ازالہ کرلیا گیا بلکہ آخری سانحہ کے بعد تو مزید مستحکم لنگر کی فراہمی سے مشینوں کے ڈیزائن کو بہتر بنایا گیا اور یوں عملاً انہیں مستقبل کے بھونچالی جھٹکوں سے محفوظ بنادیا گیا۔ آج کے آر ایل اور اس کے متعلقہ ادارے اس کے معمار کی بصیرت' دور اندیشی' محنت شاقہ اور حب الوطنی کی ایک روشن یادگار کی صورت سرگرم عمل ہیں۔ یہ اس امر کی بھی روشن دلیل ہیں کہ اگر مواقع مہیا کئے جائیں تو محدود وسائل کے باوجود ذرا سی حوصلہ افزائی اور پرخلوص اور بے لوث قیادت کے ذریعہ خوابوں کو حقیقت کا روپ دیا جاسکتا ہے۔

قوم اپنے سائنسدانوں اور انجینئروں کی ممنون احسان ہے کہ جنہوں نے فنی طور پر انتہائی بے مایہ اور پسماندہ ملک کو دنیا کی ساتویں ایٹمی قوت بنادیا اس انقلابی تبدیلی لانے میں میرے نزدیک سب سے اہم اور فیصلہ کن کردار ڈاکٹر اے کیو خان اور ان کے ادارے کا ہے۔ کے آر ایل کے تیار کردہ افزودہ یورینیم کو بطور ایندھن استعمال کرکے انہوں نے 1984 کی دہائی کے دوسرے نصف میں ایک ایٹمی ہتھیار تیار کیا جسے انتہائی مختصر نوٹس پر جوڑا اور داغا جاسکتا ہے۔ بعض بیرونی ملکوں نے جو عالمی سطح پر ایٹمی عدم پھیلاؤ کے ایجنڈے پر سختی سے عمل پیرا ہیں اس کا سخت نوٹس لیا اور ان کے ''امام'' نے وطن عزیز کو ان کے اجارہ دارانہ سٹریٹجک منصوبوں کی کھلی تضحیک کرتے ہوئے ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کے ''گناہ'' کی سزا دینے کا فیصلہ کیا چنانچہ 1990 میں پاکستان پر



اقتصادی پابندیاں عائد کردی گئیں اور فوجی امداد اور اقتصادی معاونت جس کا اعلان بھی کیا جاچکا تھا مکمل طور پر معطل کردی گئی۔ حالانکہ افغانستان کے المیہ کے دنوں سے ہماری معیشت بتدریج مکمل طور پر غیر ملکی امداد پر منحصر ہوکر رہ گئی تھی تاہم ملکی سطح پر ''ایٹمی ہتھیار کا حامل'' ہونے کے الزام کی کبھی سرکاری سطح پر ذمہ دارانہ تصدیق نہ کی گئی اور ملکی پالیسی کے طور پر اس کے گرد جان بوجھ کر ابہام قائم رکھا گیا۔ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ یہ قدرتی طور پر اپنی کامیابیوں اور فتوحات کا اعتراف چاہتی ہے اور چونکہ سرکاری پالیسی کے طور پر اس اعتراف میں بخل سے کام لیا جارہا تھا اسلئے اس سے ان لوگوں میں مایوسی پیدا ہونے لگی تھی جنہوں نے سالہا سال تک اس ہتھیار کی تیاری کے لئے انتھک اور بے لوث کام کیا تھا اور وہ اس کے کھلے عام اعتراف کے متمنی ومنتظر تھے۔ دوسری طرف ''ٹھوس ثبوت'' کے فقدان کی پالیسی نے ان لوگوں کے ذہنوں میں بھی شکوک وشبہات کو جنم دیا جو ڈاکٹر اے کیو خان کی قیادت میں جاری ایٹمی پروگرام سے پوری طرح باخبر نہ تھے چنانچہ ان عناصر نے یہ کہنا شروع کردیا کہ جو کچھ کہا جارہا ہے وہ سب ''فریب'' اور ''تشہیری ڈراما'' ہے۔ اور اس قسم کا کوئی ہتھیار تیار نہیں کیا گیا اور اس کا کوئی وجود نہیں حالانکہ وہ اپنے تجربے کی بناء پر بخوبی آگاہ تھے کہ ڈاکٹر خان نے کبھی ایسا وعدہ نہیں کیا جسے وہ پورا نہ کرسکیں یا جس سے وہ کچھ دنوں بعد منحرف ہوجائیں۔

بالآخر شک وشبہ کے یہ بادل 28 مئی 1998 کو چھٹ گئے کہ جب ایک نہیں بلکہ کئی ایٹمی ہتھیاروں کا بلوچستان کی چاغی ہلز میں کامیاب تجربہ کیا گیا اور متشکک عناصر کو شرمندگی اٹھانا پڑی۔ ان تجربات کی بین الاقوامی طور پر تصدیق کی گئی اور اس کمال کے حقیقی اعتراف کا ایک سیلاب آگیا۔ سرکاری اور غیر سرکاری دونوں سطح پر اعزازات' انعامات' میڈلز اور پرائز دیئے گئے۔ ثنائیہ اور تہنیتی ریفرنسز اور تحسینی تقریبات کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا اور فنی اداروں اور فاؤنڈیشن کو ڈاکٹر اے کیو خان سے موسوم کیا جانے لگا اس کا نتیجہ ہے کہ آج ڈاکٹر عبدالقدیر خان وطن عزیز کے سب سے زیادہ اعزاز یافتہ شہری اور دنیا بھر میں بالخصوص سائنسی برادری میں سب سے مصروف شخصیت ہیں۔

بدقسمتی سے ان دھماکوں نے ''بم ٹیکنالوجی'' کے حصول میں پاکستان اٹامک انرجی کمیشن اور کے آر ایل اور ان سے متعلقہ سائنسدانوں اور انجینئروں کے حصے اور کردار کے بارے میں ایک فضول اور قطعاً نامناسب بحث کو جنم دیا۔ اس بحث میں کریڈٹ لینے کے نئے نئے آرزومندوں اور مدعیوں نے جو دلائل دیئے وہ بالخصوص ہم جیسے لوگوں کی طبیعت پر نہایت بار گزرے جو دونوں اداروں کی سرگرمیوں سے متعلق رہے تھے (دونوں ادارے اپنی جگہ درجہ اول کے ادارے ہیں) اور دونوں کی

صلاحیتوں اور دونوں کو تفویض کردہ کام اور ان کی سابق کارکردگی اور کامیابیوں سے پوری طرح واقف تھے۔

یہ بحث شروع ہونے سے ایک دہائی سے بھی پہلے سے غیر ملکی ماہرین' ایٹمی تجزیہ نگار اور پاکستانی امور سے خصوصی دلچسپی رکھنے والے عناصر جانتے اور بلا کسی تردد کے پاکستان کی ایٹمی ٹیکنالوجی کے حقیقی معمار کی نشاندہی کرر ہے تھے کہ اس وقت جبکہ 1974 میں بھارت کے ایٹمی دھماکوں کے بعد ری پروسیسنگ پلانٹ اور اس کے متعلقہ ساز وسامان کی راہیں پاکستان کے لئے بڑی طاقتوں نے مسدود کردی تھیں۔ یورینیم انرچمنٹ کے ذریعے ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کا منصوبہ کس نے بنایا؟ کس نے ہتھیار سازی کے لئے یورینیم کی افزودگی کے لئے درکار انتہائی جدید اور پیچیدہ پرزہ جات اور گیجٹس کی مقامی طور پر تیاری کے پروگرام کی نقشہ کشی کی اور کس نے اسے شروع کیا؟ اور کس کی منفرد ذہنی صلاحیتوں' تن تنہا اور انتھک کوششوں کے ذریعہ ملکی اور غیر ملکی رکاوٹوں اور مشکلات پر قابو پالیا گیا؟ اور کس کا خلوص اور محنت شاقہ بالآخر 28 مئی 1998 کے دھماکوں کی صورت میں ثمر آور ہوئے یہ سب ڈاکٹر اے کیوخان اور کے آر ایل میں ان کی ٹیم کی کوششوں کا حاصل ہے۔

بلا شبہ اس قدر عظیم اور پیچیدگی کا حامل منصوبہ کسی فرد واحد یا ایک ادارے کا کام نہیں تھا دوسروں کو بھی اس میں حصہ دار بٹانا چاہیے تھا اور پاکستان اٹامک انرجی کمیشن نے یقیناً اس میں خاصا اور قابل ذکر کردار ادا کیا ہے۔ اور اس نے قومی اہمیت کے اس منصوبے میں حب الوطنی کے جذبات سے سرشار تعاون کیا اور اس کے لئے درکار مجموعی محنت اور کام میں اسے تفویض کردہ ذمہ داریوں کو پوری دیانتداری سے نبھایا' تاہم اس کا مطلب یہ نہیں کہ دوسری جنگ عظیم میں العالمین کے محاذ پر کامیابی کا کریڈٹ فیلڈ مارشل منٹگمری کی مدبرانہ جنگی حکمت عملی اور قیادت کو دینے کے بجائے اسے اس محاذ کے فیلڈ کمانڈروں' بٹالین لیڈروں' شعبہ جاتی سربراہوں میں حصہ اسلامی تقسیم کرنے کی کوشش کی جائے' جنہوں نے فیلڈ مارشل منٹگمری کو فتح دلانے کے لئے اپنے ذمہ سپلائی' نقل وحرکت یا دوسری معاون خدمات کی فراہمی یا نگرانی کے حوالے سے انجام دی تھیں۔ یہ بات افسوسناک ہے کہ عام طور پر اس اہم نکتے کو سمجھنے اور اس کی اہمیت کا ادراک کرنے سے گریز کیا جارہا ہے۔

ڈاکٹر اے کیوخان زندگی کو فعال انداز میں گزارنے کے قائل اور متعدد خوبیوں کے مالک ہیں وہ مشاورت کے قائل لیکن بنیادی اصولوں پر اٹل ہیں۔ وہ زبردست تحریکی قوت کے حامل ہیں' معاملات میں تعویق وتاخیر اور کوئی فیصلہ نہ کرنے کی عادت ان کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ وہ چیلنج قبول کرنے سے نہیں گھبراتے۔ خواہ کام کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو وہ ناممکن کو ممکن



بنانے کا عزم اور حوصلہ رکھتے ہیں۔ لیکن دفاعی تحقیق اور پیداوار ہی ان کا واحد میدان نہیں وہ تعلیم کو عام کرنے' سائنس اور ٹیکنالوجی کو پھیلانے اور شاعری سے لیکر انسانی وسائل کی ترقی اور فلاح تک ان گنت معاملات میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ انجینئرنگ' سائنس اور ٹیکنالوجی کے فروغ کی سوسائٹی (Soprest) کے اساسی ممبر کی حیثیت میں وہ سوسائٹی کے اس فلسفہ پر پورا یقین رکھتے ہیں کہ اقتصادی ترقی' انسانی بہبود اور قومی سلامتی کے لئے سائنس اور انجینئرنگ کا فروغ ناگزیز ہے۔ نیز غربت میں تخفیف بے روزگاری کے خاتمے اور پیداوار اور پیداواری صلاحیتوں میں اضافہ کے لئے نئی تکنیکوں کو دریافت اور متعارف کرانے اور پرانی تکنیکوں کے بجائے نئے اور بہتر طریقوں کو رواج دینے کی ضرورت ہے۔

وہ غلام اسحٰق خان انسٹی ٹیوٹ آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی کے بورڈ آف گورنرز کے رکن بھی ہیں جو اپنے اہداف کے حصول کے لئے سوسائٹی کا پہلا ادارہ ہے ڈاکٹر اے کیوخان نے پروجیکٹ ڈائریکٹر کی حیثیت میں اس ادارے کو سائنس وٹیکنالوجی کا بہترین ادارہ اور ایشیا کی نمایاں فنی یونیورسٹیوں میں سے ایک بنانے میں قابل قدر اور نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

سب سے آخر میں یہ کہ انہوں نے انسانی وسائل کی ترقی اور بہبود کے اپنے لامتناہی جذبہ صادق کی تسکین اور افرادی وسائل کے مختلف پہلوؤں کے فروغ وبہبود کے لئے ساچے (Sachet) کے نام سے ایک نئے ادارے کی نیو اٹھائی ہے۔ اس کا مقصد پاکستان کے کم ترقی یافتہ اور پسماندہ شعبوں میں انسانی وسائل کو ترقی دینا ہے۔ ابتدائی طور پر اس کے لئے انہوں نے تین شعبوں' خواندگی کے فروغ' Geriatric Care اور نسلیاتی صحت Reproductive Health' کو منتخب کیا ہے جو موجودہ پاکستان کے عصری تقاضے اور مسائل ہیں۔

میں نے قبل ازیں بھی بعض مواقع پر کہا ہے کہ فضیلت اور عظمت کے معیارات جو انسان اپنی زندگی میں حاصل کرتا ہے ان کا انحصار بعض اسباب اور ان اسباب کا خاندانی نجابت عالی ظرفی اور خلقی سچائی پر ہوتا ہے جنہیں وہ عمر بھر کے لئے اختیار کرتا ہے۔ اس لحاظ سے ڈاکٹر اے کیوخان واقعی ایک ''بہترین'' اور ''عظیم'' شخص ہیں کہ اپنے وطن کی ترقی وعظمت اور اپنے عوام کی بہبود کے لئے کام کرنے سے بہتر کون سا کام ہوسکتا ہے۔ انہوں نے زندگی میں ابتک جو کامیابیاں حاصل کی ہیں اور جو کارنامے انجام دیئے ہیں وہ اپنے بارے میں خود بتار ہے ہیں اور ان الفاظ سے جن میں ان کا ذکر کیا جاسکتا ہے' بلند آہنگ میں بول رہے اور اس محاورے کی صداقت کی شہادت دے رہے ہیں کہ

**مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید**

## جناب آغا شاہی

آ یئے اب پاکستان کی تاریخ کی ایک اور بڑی اور محترم شخصیت پاکستان کے سابق وزیر خارجہ جناب آغا شاہی کی تین مارچ 2001 کوڈاکٹر عبدالقدیر خان کے اعزاز میں اسلام آباد کے ایک ہوٹل میں دی گئی ضیافت سے خطاب کے اقتباسات ملاخطہ فرمایئے۔

''میں نے یہ سمجھا تھا کہ یہ ضیافت اور تقریب کے آرایل نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کوالوادع کہنے کے لئے منعقد کی ہے اس لئے جب مجھ سے چند الفاظ کو کہنے کو کہا گیا تو میں حیران ہوا کہ مجھے کچھ کہنا چاہیے یا نہیں'' پھر مجھے اردو کا یہ مشہور شعر یاد آ گیا۔

کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

ہاں! تو مجھے کہوٹہ پروجیکٹ یعنی یورینیم انرچمنٹ پروجیکٹ کے نگران بورڈ کا ممبر نامزد کیا گیا تھا 1976 میں مسٹر زیڈ اے بھٹو کے ملٹری سیکرٹری نے مجھے بلایا اور کہا کہ وزیراعظم ایٹمی توانائی کمیشن میں کچھ تبدیلیاں لانا چاہتے ہیں' اس ضمن میں انہوں نے مجھے کچھ تفصیلات بتائیں پھر میرا مشورہ طلب کیا۔ میں نے کہا کہ موجودہ ایٹمی توانائی کمیشن کو نہ چھیڑا جائے۔ اسی طرح کام کرنے دیا جائے البتہ یورینیم انرچمنٹ کا پروجیکٹ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے حوالے کردیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

میں نے ''سنٹری فیوج'' کے طریق کار کے بارے میں چند سال قبل 1960 کے عشرے میں سنا تھا جن دنوں میں اقوام متحدہ میں پاکستان کا نائب سفیر تھا مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ دراصل ایک مشین ہے جو کریم نکالنے اور مختلف کثافتوں یا مختلف عناصر کو الگ کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ چنانچہ جب سنٹری فیوج پراسس کے بارے میں بتایا گیا تو اس سے یقیناً اس کے سائنسی اطلاق کی طرف ذہن گیا لیکن ہم سب اس بارے میں متذبذب تھے کہ ہم اس پیچیدہ نامعلوم ٹیکنالوجی پر عبور بھی حاصل کرسکیں گے یا نہیں اور یورینیم کی افزودگی ممکن ہوگی بھی یا نہیں۔ ہمیں یورینیم بھی مل جائے گا اور یورینیم آکسائیڈ بھی تیار کرلیں گے۔ لیکن اسے ہکسا فلورائید پھر اسے ہتھیار سازی کے قابل بنانے کی سطح تک افزودہ کرنے کے بارے میں میرا خیال تھا کہ یہ جان جوکھوں کا کام بلکہ ناممکن ہے۔

میں ڈاکٹر خان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا اس وقت تک ان سے ملا بھی نہیں تھا۔ تاہم ہمارے بورڈ کے اجلاس ہوتے رہے جن میں ہمیں پیش رفت کے بارے میں بتایا جاتا ہمارے حوصلے بتدریج بلند ہوتے گئے کہ شاید ہم ایک ناممکن کو ممکن بنانے میں کامیاب ہوجائیں گے کیونکہ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ جہاںتک پلوٹونیم کی پیداوار کا تعلق ہے ہم تقریباً اس میں مایوس ہوچکے تھے اس ضمن میں ہمارے تمام منصوبے کراچی کے کینیڈین پلانٹ کے جلے ہوئے ایندھن



(Paurnt Fuel) کے استعمال پر مبنی تھے یعنی ری پروسیسنگ کے ذریعہ جلے ہوئے ایندھن سے مختلف عناصر الگ کرلئے جائیں اوران کے جلنے کے دوران پلوٹونیم پیدا کی جائے۔

اس دوران فرانس سے جن شرائط پرری پروسیسنگ پلانٹ حاصل کرنے پر اتفاق ہوا تھا اس کے تحت ہم پر اتنے تحفظات عائد کئے گئے تھے کہ پاکستان کے لئے ری پروسیسنگ پلانٹ سے علیحدہ شدہ پلوٹونیم کوکسی بھی طرح ہتھیار سازی کے مقاصد کے لئے استعمال کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ بایں ہمہ ہمیں امید تھی کہ ہماری سائنسدان برادری اس ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھائے گی۔ اس وقت ہم نے کچھ پاورری ایکٹرز لگانے کے خواب بھی دیکھے تھے جن کے لئے ری پروسیسنگ پلانٹ سے حاصل شدہ پلوٹونیم بطور ایندھن استعمال کیا جانا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ پاکستان پر ایٹمی ہتھیار بنانے کا راستہ حتمی طور پر بند ہوچکا تھا۔ پاکستان کے لئے تحفظات سے بچنا ناممکن ہوگیا تھا۔ ایٹمی توانائی کے بین الاقوامی ادارہ کے تحفظات کے علاوہ فرانس کے بھی تحفظات تھے۔ اور پھر امریکہ کا دباؤ تھا کہ ری پروسیسنگ پلانٹ کے حصول کا خیال ترک کردیا جائے۔ مسٹر بھٹو نے اس دباؤ کو ماننے سے انکار کردیا تھا' مسٹر بھٹو کے محروم اقتدار ہونے کے بعد بھی یہ دباؤ جاری رہا اور اکثر امریکی سفیر پاکستانی حکام سے اس بارے میں ملاقاتیں اور مطالبے کرتے رہے۔ ان کا پہلا مطالبہ یہ ہوتا تھا کہ ہم فرانس کے ساتھ ری پروسیسنگ پلانٹ حاصل کرنے کا معاہدہ ختم کردیں۔ اور ہم انھیں یقین دلانے کی کوشش کرتے کہ ہم عالمی اور فرانسیسی پابندیوں کی موجودگی میں کسی طرح بھی ہتھیار سازی کے لئے پلوٹونیم حاصل نہیں کرسکتے بلکہ ہم نے یہ تک کہہ دیا ہے کہ ری پروسیسنگ پلانٹ سے حاصل کردہ وہ تمام فاضل پلوٹونیم فرانس واپس لے جائے صرف اتنی مقدار میں ہمارے پاس رہنے دے جو ایٹمی بجلی گھر چلانے کے لئے درکار ہو۔ اور اس کے لئے ہم عالمی ادارہ کے تحفظات قبول کرنے پر آمادہ تھے۔ فرانسیسی وزیر خارجہ نے مجھ سے استفسار کیا کہ ری پروسیسنگ پلانٹ آپ کوکس لئے چاہیے؟ آپ اس کا کیا کریں گے؟ میں نے جواب دیا کہ ہم کئی ایٹمی بجلی گھر تعمیر کرنا چاہتے ہیں اس وقت ہم سعودی عرب سے 600 ملین ڈالر قرضہ حاصل کرنے کی بات چیت کررہے تھے' لیکن فرانس امریکی دباؤ پر سودے سے منحرف ہوگیا اور یوں پاکستان کے کبھی ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کی کہانی ختم ہوگئی۔

1960 کے عشرہ کے آخری سالوں میں جبکہ این پی ٹی پر مذاکرات جاری تھے اور جس کے تحت صرف پانچ ملکوں کو ایٹمی قوت تسلیم کیا جارہا تھا جبکہ باقی تمام ممالک ہمیشہ غیر ایٹمی ممالک ہوں گے اور انھیں ایٹمی ہتھیار حاصل کرنے کے حق سے ہمیشہ کے لئے دستبردار ہونے اور اپنی تمام ایٹمی تنصیبات بین الاقوامی معائنے کے لئے کھولنے کے عزم کا اعلان کرنا تھا ہم نے افسر شاہی اور

پھر سرکاری سطح پر حکومت پاکستان کو مشورہ دیا تھا' کہ وہ موقع ضائع نہ کرے ان دنوں فرانس سے ری پروسیسنگ پلانٹ صرف 25 ملین ڈالر میں خریدا جا سکتا تھا اور معائنہ کی بھی کوئی شرط قبول کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ جس طرح کہ بھارت نے 1960 کے عشرے کے پہلے سالوں میں ایٹمی پاور پلانٹ معائنہ وغیرہ کی شرائط کو منظور کئے بغیر حاصل کیا تھا لیکن ہماری حکومت نے اپنی عقل کے مطابق ہماری تجویز کو رد کر دیا۔ اس طرح ہم نے وہ موقع ضائع کر دیا جب مسٹر بھٹو برسراقتدار آئے تو ہم نے اس تجویز کو دوبارہ زندہ کیا اور وہی ری پروسیسنگ پلانٹ 25 ملین ڈالر کے بجائے ایک سو ملین ڈالر میں خریدنے کا معاہدہ کیا جبکہ اس کے لئے ہمیں انتہائی سخت تحفظات کو بھی قبول کرنا پڑا۔ لیکن 1976 میں یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ فرانس اس سودے سے انحراف کر رہا ہے بالآخر 1979 میں یہ سودا حتمی طور پر ختم ہو گیا۔ یہی وہ مرحلہ ہے جب ڈاکٹر خان آئے اور انہوں نے بتایا کہ یورینیم کی افزودگی کے لئے ''سنٹری فیوج پراسس'' بروئے کار لائیں گے۔ ایک دو سال کے اندر ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ اس طرح ہم اپنا مقصد حاصل کر سکتے ہیں اور انہوں نے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ آج اگر پاکستان ایٹمی صلاحیت کا مالک ہے تو اس کے لئے ملک ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا ممنون احسان ہے اور یہ ان کی بدولت ممکن ہوا ہے۔

میں ڈاکٹر خان کے ساتھ کام کرنے والے تمام انجینئروں کو سلام کرتا ہوں' انہوں نے انتہائی زبردست کام کیا ہے لیکن میں آپ کے سامنے حقائق بیان کر رہا ہوں چونکہ میں متعلقہ بورڈ سے وابستہ رہاں ہوں اور میری ذمہ داری تمام غیر ملکی دباؤ کا سامنا کرنا تھا' جبکہ جناب غلام اسحٰق خاں ڈاکٹر اے کیو خان کے لئے آرمی اور سول انجینئرنگ کی خدمات مہیا کرنا اور جناب اے جی این قاضی کا اس کریش پروگرام کے لئے فنڈز مہیا کرنا تھا۔ یہ ایک الگ کہانی ہے میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا لیکن میں اتنا ضرور کہنا چاہوں گا کہ ہم پر بہت سے زیادہ دباؤ تھا۔

ہم پر یورینیم انرچمنٹ کو ترک کرنے کے ساتھ ساتھ این پی ٹی پر دستخط کرنے کیلئے سخت دباؤ تھا لیکن بعدازاں ہم نے واضح کر دیا کہ ہم نے اقوام متحدہ کے اندر جنوبی ایشیا کو ''ایٹمی ہتھیاروں سے پاک علاقہ'' (Nuclear Free Zone) قرار دینے کے لئے بیس سال تک کوشش کی ہے لیکن بڑی طاقتوں کی طرف سے ہمیں اس بارے میں کوئی زیادہ تائید حاصل نہیں ہوئی' اور بھارت نے اسے مسترد کر دیا حالانکہ اقوام متحدہ کے رکن ممالک کی بھاری اکثریت نے ہمیشہ ''جنوبی ایشیا کو ایٹم سے پاک علاقہ'' قرار دینے کی ہماری تجویز کی تائید کی۔ پھر ہم نے 1974 میں بھارت کے ایٹمی دھماکہ کے بعد ایٹمی طاقتوں سے پاکستان کے لئے ایٹمی گارنٹی حاصل کرنے کی کوشش کی ہمیں ایٹمی چھاتہ درکار تھا۔ ہم ہر ایٹمی طاقت کے دروازے پر گئے لیکن ہمیں خالی ہاتھ



لوٹایا گیا اسلئے ہم نے خود ایٹمی طاقت حاصل کرنے کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ دنیا میں کونسا ایسا ملک ہے جسے پاکستان سے زیادہ ایٹمی صلاحیت کی ضرورت ہو۔ ہم نے اپنا آدھا وطن محض اسلئے گنوا دیا کہ ہم وطن عزیز کا مناسب دفاع نہ کر سکے۔ دنیا کے کسی ملک کو سلامتی کے حوالے سے پاکستان جیسے مسائل کا سامنا نہیں ہے لہذا یہ دیکھنا عالمی طاقتوں کا کام ہے کہ پاکستان کے ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کو وہ کس زمرے میں رکھتے ہیں؟ کیا وہ بھارت کی ایٹمی صلاحیت کو تسلیم کرنے پر تیار ہیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کی مختلف حکومتوں نے اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو مکمل تحفظ دیا اور اس کے لئے وہ سب قابل تحسین ہیں۔

گو اس سے پہلے بھی ڈاکٹر خان کے اعزاز میں دی گئی ضیافتوں میں کئی بار مجھ سے پوچھا گیا لیکن میں نے ہمیشہ احتیاط سے کام لیا لیکن اس موقع پر کہ جو ایک خصوصی تقریب ہے۔ میں اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر نہایت مختصر انداز میں بتانا چاہتا ہوں کہ افزودہ یورینیم سے ایٹمی صلاحیت کس طرح حاصل کی اور اس میں ڈاکٹر اے کیو خان نے کیا کردار ادا کیا۔ سچ یہ ہے کہ ڈاکٹر خان بلاشبہ کئی صلاحیتوں کے حامل اور کثیر الجہتی شخصیت ہیں۔

جناب آغا شاہی بحیثیت سابق سیکرٹری خارجہ اور وزیر خارجہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان سے بغض وعناد اور پاکستان کی ایٹمی صلاحیتوں کو سبوتاژ کرنے کی بعض کوششوں کے رازدار ہیں۔ انہوں نے یکم مئی 2001 کو روزنامہ جنگ سے انٹرویو میں بتایا کہ

ڈاکٹر عبدالقدیر خان سے حسد بہت کیا جاتا تھا۔ اٹامک انرجی کمیشن والے ان سے بہت جلتے تھے اور کمیشن کے چیئرمین ڈاکٹر منیر احمد خاں ہمیشہ ان کے خلاف رہتے تھے۔ حالانکہ خود ان کا اس میں کوئی حصہ نہیں تھا۔ مجھے پروگرام کے حالات کا مکمل علم ہے چار سال تک میں نے نگران بورڈ کے رکن کی حیثیت سے اس پروگرام کی مانٹیرنگ کی ہے۔ شروع میں مجھے یقین نہیں تھا کہ پاکستان کا ایٹمی پروگرام کامیاب ہوگا لیکن ڈاکٹر اے کیو خان کی عملی کوششوں اور جذبے نے ناممکن کو ممکن بنا دیا۔

''دراصل منیر احمد خان شروع ہی سے ڈاکٹر عبدالقدیر خان سے خار کھاتے تھے اس لئے میری تجویز پر ڈاکٹر قدیر کا پروجیکٹ الگ کیا گیا اور ایٹم بم بنانے کا سب سے زیادہ کریڈٹ بھی ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو جاتا ہے۔ بھٹو سے اختلافات کے باوجود مجھے یہ اعتراف کرنے میں باک نہیں کہ انہوں نے جس جرات اور بہادری سے اس پروگرام کو چلایا' وہ انہی کا حصہ ہے۔

ہنری کسنجر نے جب بھٹو کو دھمکی دی اور ایٹمی پروگرام کے بدلے پاکستان کو اے-10 جہاز دینے کی پیشکش کی تو بھٹو نے ایک میٹنگ بلائی جس میں ایئر مارشل ذوالفقار علی خان اور میں موجود تھے۔ ایئر مارشل ذوالفقار علی خان نے ایٹمی پروگرام کے بدلے اے-10 طیاروں سے دستبردار

ہونے کے عزم کا اظہار کیا اور بھٹو نے میرے استفسار پر کہا کہ ہم امریکی دباؤ اس وقت تک برداشت کریں گے جب تک امریکہ ہمارے گھٹنے نہیں ٹیک دبا دیتا۔ ہم نے طے کیا تھا کہ ہم ری پروسیسنگ پلانٹ پر زور دیتے رہیں گے تاہم 1977 میں ہی امریکہ جان گیا تھا کہ ہم یورینیم افزودہ کر رہے ہیں اسلئے انہوں نے ضیاء الحق پر بھی بہت دباؤ ڈالا اور کہا کہ تم دنیا بھر میں ری پروسیسنگ کا شعور مچاتے تھے لیکن یورینیم کی افزودگی پر کام کر رہے ہو' امریکی سفیر نے ایک بار مجھے کہا کہ کہوٹہ بند کر دو۔ میں نے امریکی سفیر سے کہا' بھٹو نے ایٹمی پروگرام کو عوامی مسئلہ بنا دیا ہے اگر ضیاء الحق نے اس میں تبدیلی کی تو عوام اٹھ کھڑے ہوں گے اور شور مچ جائے گا کہ ضیاء الحق کو امریکہ اسلئے برسر اقتدار لایا ہے یوں یہ معاملہ ٹال دیا گیا۔''

## جنرل پرویز مشرف

صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف نے 27 مارچ 2001 کو محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان (ستارہ امتیاز'' دوبار'' ہلال امتیاز) کے اعزاز میں ایک ضیافت دی۔ یہ ضیافت صدر پاکستان کی طرف سے انکے اعزاز میں الوداعی دعوت تھی۔ اس سے چند دن قبل انہیں کے آر ایل سے ریٹائرڈ کر دیا گیا تھا۔ ایوان صدر میں دی جانے والی اس الوداعی ضیافت میں بہت سے وزراء' افسران اعلیٰ' فوجی جرنیل و سائنسدان مدعو تھے۔ جگمگاتی روشنیوں میں صدر پاکستان کی یہ تقریر اعلیٰ خطابت کا نمونہ تھی وہ بہترین تقریر کرنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ وہ اپنی اس تاریخی تقریر میں محسن پاکستان کی بے پناہ تعریف کرتے نظر آئے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بعد میں امریکی دباؤ کے نتیجہ میں حالات بدل گئے۔ خیر صدر پاکستان نے محسن پاکستان کو یوں خراج تحسین پیش کیا۔

آج ہم یہاں وطن عزیز کے نہایت سینئر اور شہرہ آفاق سائنسدان اپنے قومی ہیرو ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں تو میری سوچیں مئی 1974 کے اس اہم دن کی طرف لوٹ جاتی ہیں جب بھارت نے اپنا پہلا ایٹمی دھماکہ کیا تھا اور جنوبی ایشیا کی سلامتی کے منظر کو بدلتے ہوئے پاکستان کے لئے انتہائی نامساعد صورت حال پیدا کر دی تھی' 1971 میں پاکستان کے دولخت ہونے کے فوراً بعد اس واقعہ نے ہمارے عدم تحفظ اور جراحت پذیر ہونے کے احساس کو مزید گہرا کر دیا تھا۔ ہمارے روایتی عدم توازن میں ایک اور سبب کا اضافہ ہو گیا تھا۔ اور پاکستان کو اپنی حفاظت کے بارے میں لاحق تشویش کئی گناہ بڑھ گئی تھی۔ اس موقع پر عالمی برادری نے روایتی علامتی ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے خاموشی اختیار کر لی تھی' پاکستان کو تن تنہا ہی بھارت کی ایٹمی بلیک میل اور دھمکیوں کا سامنا کرنا تھا۔ اور دوسری طرف ایٹمی ہتھیاروں کے پروگرام کا



نام تک نہ تھا' ایسی صورتحال میں ہم پاکستانیوں کو صرف خدا ہی کا آسرا تھا۔ حقیقی معنوں میں مدد کے لئے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے ہم نے ہمت نہ ہاری اور ہمارا عزم قائم رہا۔

آخر کار اللہ تعالیٰ نے قوم کی دعائیں سن لیں ہماری صورتحال پر رحم آ گیا' اور ایک معجزہ رونما ہوا۔ پردہ غائب سے ایک بلند قامت اور غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل نابغہ کا ظہور ہوا۔ اور یہ نابغہ روزگار ڈاکٹر عبدالقدیر خان تھے' ایسے نابغہ جنہوں نے تن تنہا قوم کو ایٹمی صلاحیت سے مالا مال کر دیا۔ ان مشکل حالات میں ڈاکٹر خان کی آمد نے ایسی قوم کو جو اپنے مستقبل کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا تھی اور جو عمل کی بجائے خالی وخولی وعدوں اور جھوٹی سچی یقین دہانیوں کے بہلاوے کی عادی ہو چکی تھی اس کو امید رجائیت اور نیا حوصلہ اور اعتماد دیا۔

خواتین وحضرات! آنے والے سال' واقعات اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی کامیابیاں ناقابل فراموش' ان مٹ اور پاکستان کی تاریخ کا عظیم الشان باب ہیں۔

ڈاکٹر خان اور ان کی ٹیم نے انتہائی مشکل حالات رُکاوٹوں' بین الاقوامی پابندیوں اور کربناک آپریشن کے علی الرغم اس حال میں اپنی شب وروز محنت شاقہ سے پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کا سرمایہ افتخار کہوٹہ ریسرچ لیبارٹریز جنہیں بعد میں بجا طور پر خان ریسرچ لیبارٹریز کا نام دیا گیا۔ ایسے عالم میں قائم کی کہ عملاً اس سے قبل کچھ بھی نہ تھا اور انہوں نے خالی ہاتھ کام شروع کیا تھا' پھر چند ہی سالوں میں انہوں اور ان کے جرات مند ساتھیوں نے ملک کو انتہائی افزودہ یورینیم کی صورت میں پہلا انشقاق پذیر مواد (بم) دیا۔ اور یوں سکور بھارت کے برابر کر دیا۔ یہ کامیابی وکامرانی کی ایک لازوال داستان ہے۔ کہ وہ اپنی مادر وطن کے لئے ایک مقصد' ایک ہدف کے حصول کے لئے سرگرم عمل ہوئے اور اپنی زندگی ہی میں اسے پایہ تکمیل کو پہنچتے دیکھا اور اپنے اہل وطن سے بے مثال خراج تحسین اور توصیف وصول کیا۔ اور قوم ان کی ہمیشہ کے لئے احسان مند اور مقروض ہو گئی۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے کہ اس سے قبل کوئی قوم کسی ایک فرد کی اس قدر کامیابیوں کی مرہون منت نہیں ہوئی۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا دوبار نشان امتیاز حاصل کرنا ان کے منفرد پاکستانی ہونے کا ثبوت ہے وہ واحد پاکستانی ہیں جنہیں یہ اعزاز دوبار دیا گیا۔ اور یہ احسان مند قوم کی طرف سے ان کی عظمت واحسان کا اعتراف ہے اور وہ واقعتاً اس اعزاز کے اہل ہیں۔

جناب ڈاکٹر صاحب! مجھے یہ بات رسمی طور پر ریکارڈ پر لانے کی اجازت دیجئے کہ آپ نے قوم کو جو کچھ دیا ہے اس کے لئے یہ قوم نہ صرف آج بلکہ آئندہ بھی ہمیشہ آپ کی ممنون احسان رہے گی۔ آپ ہمارے قومی ہیرو ہیں اور ہماری آئندہ نسلوں کے لئے مبداء فیضان ہیں۔ کوئی شخص بھی آپ

سے یہ اعزاز چھین نہیں سکتا تاریخ میں آپ کا مقام متعین ہو چکا ہے۔آپ ہمیشہ امر ہو گئے اور سرفہرست رہیں گے ہم آپ کو سلام کرتے اور اپنے دلوں کی گہرائی سے آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

جیسا کہ اکثر کہتا ہوں ''مایوسیوں کے اتھاہ سمندر میں' پاکستان کا ایٹمی صلاحیت حاصل کرنا کسی قوم کی کامیابی وکامرانی کی بے مثال کہانی ہے۔یہ بے لوث ایثار' بے قابو جذبہ خدمت سائنسی ذکاوت' فنی مہارت اور سب سے بڑھ کر ہزاروں خاموش کارکنوں کے جذبہ حب الوطنی اور حرارت ایمانی کی کہانی ہے۔ان سائنسدانوں ان مجاہدوں نے پاکستان کو منفرد ایٹمی قوتوں کی صف میں لاکھڑا کیا ہے۔انہوں نے امت مسلمہ کو افتخار بخشا ہے۔وہ پاکستانیوں کے بہترین نمائندہ ہیں۔اور انہوں نے ثابت کر دکھایا کہ جب ہم ارادہ کر لیں تو پھر پہاڑوں کو بھی ہلا ڈالتے ہیں اور وہ اپنا رنگ بدل لیتے ہیں یہ سب احساس فرض اور قوت ایمانی کا نتیجہ ہے۔

قارئین کرام: آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے میں کیا کردار تھا؟ آپ نے دیکھا محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی کیا قدرت و قیمت تھی؟

قارئین کرام: تب کیا تھا؟ اب کیا ہے!!



# اے عظیم خاتون ہم سب شرمندہ ہیں

کہتے ہیں کہ ہر بڑے آدمی کے پیچھے ایک خاتون ہوتی ہے اور محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی اہلیہ ہینی خان بھی ایسی ہی عظیم خاتون ہیں جنہوں نے پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے میں اپنے عظیم شوہر کا قدم قدم پر ساتھ دیا اور اس بارے میں ان سے کیا ہوا وعدہ پوری دیانتداری اور ذمہ داری سے نبھایا۔اور اس کا اعتراف خود ڈاکٹر خان نے ایک مرتبہ ان الفاظ میں کیا تھا کہ ''اس خاتون نے میرے لئے اور ملک کے لئے اپنے جذبات' حقوق اور مال کی قربانیاں دی ہیں اور اس خاتون کی بدولت ہی وہ مکمل سکون اور یکسوئی کے ساتھ ایٹم بم کے محاذ پر ڈٹے رہے ہیں۔''

بیگم ہینی خان کی ان قربانیوں کی داستان بہت طویل ہے۔بیگم ہینی خان نسلاً ڈچ ہیں' ان کا بچپن جنوبی افریقہ میں گذرا' لڑکپن زیمبیا میں بسر کیا تو اپنے والدین کے ہمراہ اپنے آبائی وطن ہالینڈ واپس آ گئیں' یہاں ڈاکٹر خان سے اتفاقی ملاقات آہستہ آہستہ دوستی' پھر ستمبر 1963 میں عمر بھر کی رفاقت میں بدل گئی۔یہ شادی دونوں کے والدین کی رضامندی اور ہینی خان کے قبول اسلام کے بعد انجام پائی تھی۔اس وقت ان کی عمر 21 سال اور ڈاکٹر خان کی عمر 27 سال تھی۔ڈاکٹر خان کے گواہ وطن عزیز کے ممتاز دانشور قدرت اللہ شہاب مرحوم بنے' جو ان دنوں ہالینڈ میں پاکستان کے سفیر تھے۔

ڈاکٹر خان اور مسز خان کی 41 سالہ عائلی زندگی کا وہ لمحہ یقیناً تاریخی اہمیت کا حامل تھا جب ڈاکٹر خان نے اپنے نصب العین کی تکمیل' مادر وطن کو ایٹمی طاقتوں میں لاکھڑا کرنے کے لئے جنوری 1976 میں وزیراعظم پاکستان مسٹر بھٹو کی خواہش پر ہالینڈ کی بھاری مشاہرہ کی نوکری چھوڑ کر پاکستان میں رہنے کی مشاورت اور مغربی تہذیب وتمدن اور خوشحال گھرانے میں پلی بڑھی اس خاتون نے ایک مشرقی ایثار پیشہ خاتون کی طرح یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ ''اپنی مادر وطن کی ضرورت اور خواہش کا احترام کیجئے''

وہ چکاچوند' وہ آسانیاں' وہ سہولتیں' وہ صاف ستھرا اور منظم معاشرہ جو ہالینڈ میں میسر تھا' پاکستان میں خواب تھا۔بیگم ہینی خان تو شادی کے پہلے ہی روز شوہر کو ہر ممکن آرام پہنچانے اور ان کے قدم بقدم چلنے کا عہد باندھ چکی تھیں اسی لئے دسمبر 1974 میں جب ان کے شوہر نے وزیراعظم بھٹو کی دعوت پر پاکستان آنے کا فیصلہ کیا اور اس بارے میں اپنی اہلیہ سے مشاورت کی تو مخلص ہمدرد' غم گسار اور شوہر کے

خوابوں کوحقیقت میں بدلتے دیکھنے کی آرزومند اہلیہ نے بلاتردد ڈاکٹر خان کی خوشی میں شریک ہوتے ہوئے کہا:

''ڈاکٹر خان! تقدیر نے آپ کو پاکستان بھیجنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ میں آپ کے ساتھ ہوں' آپ جب اشارہ کریں گے میں یورپ کی ان فضاؤں کو خیر باد کہہ دوں گی۔ آپ کی آرزو میری آرزو' آپ کی کامیابی میری کامیابی ہے''

اورانہوں نے اپنے اس وعدے کو ہر طرح اور ہر قیمت پر نبھایا اور اپنے عزیز از جان شوہر کے ارادوں کی تکمیل اور صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں اپنا سب کچھ قربان کردیا۔

ڈاکٹر خان کے جنوری 1976 میں پاکستان رک جانے پر مسز ہینی خان بعض امور نپٹانے کیلئے واپس ہالینڈ گئیں تو ان کے عزیز واقارب اور ایف ڈی او میں ڈاکٹر خان کے ساتھیوں نے بیگم خان سے رابطہ کرکے انہیں ہالینڈ میں زندگی کی سہولتوں اور چمک دمک کا احساس دلا کر سمجھانا چاہا کہ ان کے شوہر اپنے مستقبل کے بارے میں غلط فیصلہ کررہے ہیں اس لئے وہ انہیں دوبارہ ہالینڈ لے آئیں تو اس وفاشعار خاتون نے ان کو دوٹوک جواب دیا۔

''میرے شوہر کا دماغ بکاؤ مال نہیں' وہ اپنی صلاحیتوں' اپنی ذہانتوں کو اپنے وطن کے لئے بروئے کار لانا چاہتے ہیں۔ میں ان کی شریک حیات ہوں۔ ان کے فیصلے ان کے ارادے کو نہ تو بدل سکتی ہوں نہ ہی بدلنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ مجھے بخوبی معلوم ہے کہ وہ انتہائی خوددار مستقل مزاج اور سوچ سمجھ کر درست فیصلے کرنے والے انسان ہیں۔

آپ خود سوچیں' ڈاکٹر خان جیسا نابغہ اور زرخیز ذہن ایک ایسے پسماندہ ملک میں کیا کرے گا؟ جہاں سلائی مشین کی سوئی' بچے کا کھلونا اور لپ سٹک بھی مغرب بی فنی یا مالی مدد اور تعاون کے بغیر تیار نہیں ہوسکتی۔ انہوں نے بیگم خان کو ورغلانا چاہا۔

میرے شوہر اپنے ذہن کی زرخیزی سے پاکستان کی پسماندگی دور کریں گے جس طرح آپ کو یقین ہے کہ ڈاکٹر خان انتہائی قابل اور محنتی ہیں۔ وہ جس کام میں ہاتھ ڈال دیں اسے پایہ تکمیل تک پہنچا کر دم لیتے ہیں' تو پھر آپ یہ کیوں امید نہیں رکھتے کہ وہ اپنے ملک میں بھی سائنسی اور فنی انقلاب لاسکتے ہیں بیگم خان کا جواب تھا۔''

انہوں نے اپنے وطن سے علیحدگی' اپنے بزرگ والدین سے جدائی' اپنے عزیزوں سے دوری 'مغربی زندگی کی آسائشوں اور چکا چوند' غرضیکہ کسی چیز کا دباؤ محسوس نہیں کیا صرف ایک وفاشعار اور مجازی خدا کی نبض شناس بیوی کی حیثیت کو سامنے رکھا تھا' وہ صرف شوہر کی کامیابیوں اور سربلندیوں کی





آرزومند تھیں واقعہ یہ ہے کہ بیگم ہینی خان پاکستان میں رہ جانے کے فیصلے کے لمحہ سے' کہوٹہ پروجیکٹ کے ادراک سے آج تک اپنے وعدے پر قائم ہیں۔ انہوں نے اپنے شوہر کی رضا کے لئے ان کے شانہ بشانہ پاکستان کی عظمت کیلئے' سربلندی کے لئے اپنے دن رات وقف کردیئے اور اپنی جوانی کی آرزوؤں کو پاکستان کے مستقبل کے لئے کچل ڈالا' پاکستان میں کتنی ایسی خواتین ہیں جنھوں نے پاکستان میں جنم لیا ان کی ساخت اسی مٹی کی ہے وہ' یہیں پلی بڑھیں اسکے باوجود انہوں نے پاکستان کے لئے وہ قربانیاں دی ہوں جو ڈچ نژاد ہینی خان نے دی ہیں۔

بیگم ہینی خان کہوٹہ کی پہلی اینٹ رکھنے میں شامل تھیں' بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ 1976 میں جب متعلقہ علاقے کی زمین ہموار کی جارہی تھی تو جو چند لوگ گاہے بگاہے وہاں جایا کرتے تھے' مسز ہینی خان ان میں سے ایک تھیں۔ بیگم ہینی خان نے ان دنوں کی یاد تازہ کرتے ہوئے ایک بار کہا تھا:

'اُس وقت وہاں موجود آم کے ایک تناور اور گھنا سایہ دار درخت تھا یہ درخت آج بھی وہاں ہے اس سے ہر سال لذیذ آم اتارے جاتے ہیں' البتہ اس درخت کے اردگرد کا ماحول بدل گیا ہے میں اس ساری ٹیم کو جانتی ہوں جس نے ابتدائی دنوں میں کام کیا۔ یہ ٹیم انتہائی ماہر اور ایثار پیشہ سائنسدانوں پر مشتمل تھی۔''

ہوسکتا ہے ان دنوں بیگم ہینی خان کو بھی وہاں بلڈوزر چلانے اور مٹی ڈھونے والوں کی طرح یہ ادراک نہ ہو کہ ان کے شوہر کی کتنی عظیم اور شاندار کامیابی کی راہ ہموار ہورہی ہے۔ وہ صرف اتنا جانتی تھیں کہ ان کے شوہر نے ایک وعدہ کیا ہے جو یقیناً پورا ہوگا کیونکہ ڈاکٹر خان کبھی جھوٹا وعدہ نہیں کرتے' انہیں اپنے رب پر مکمل اعتماد اور یقین ہے۔

ڈاکٹر اے کیو خان نے پروجیکٹ کی تعمیر میں بیوی بچوں کو فراموش کردیا تھا' وہ اٹھارہ سے بیس گھنٹے تک روزانہ اس منصوبے کے ساتھ جاگتے رہتے تھے۔ کبھی کبھار انہیں گھر لوٹنا بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ لیکن بیگم ہینی خان کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لائیں' ایثار و قربانی سے کام لیتی رہیں ان ہی دنوں بیگم ہینی خان پر یرقان کا حملہ ہوا وہ بیمار پڑگئیں اور کافی عرصہ بیمار رہیں' لیکن ڈاکٹر خان شدید خواہش اور کوشش کے باوجود ذاتی طور پر ان کی تیمارداری نہ کرسکے۔ ان کی دونوں بچیوں دینا اور عائشہ کی عمر اس وقت بالترتیب سات اور پانچ سال تھی' عموماً ایسا ہوتا کہ بچیاں رات گئے تک باپ کا انتظار کرتے کرتے سوجاتیں' ڈاکٹر خان علی الصبح سوتے ہی میں انھیں محبت بھرا بوسہ دے کر پروجیکٹ کے لئے روانہ ہوجاتے' یہ وہ زمانہ تھا کہ بچیاں باپ کی کمی شدت سے محسوس کرنے لگی تھیں' ان کی عمر بھی اتنی نہ تھی کہ حقائق سے آگاہ کیا جاتا تو وہ محسوس کرسکتیں۔ بیگم خان نے ان دنوں کو یاد کرتے ہوئے ایک انٹرویو میں کہا تھا

"جب ہم پاکستان آئے' بچیاں بہت چھوٹی تھیں۔خود مجھے ایک ملک اور ثقافت سے دوسرے ملک اور ثقافت میں آ کر آباد ہونے میں مشکل مرحلہ سے گزرنا پڑا' بچیوں کی تعلیم بڑا مسئلہ تھی۔میرے شوہر کو اپنے کام کے سلسلے میں روز وشب مصروف رہنا پڑتا' اور طویل سفر کرنے ہوتے تھے مزید یہ کہ سیکورٹی کے پیش نظر میں دوسروں سے میل ملاپ سے گریز کرتی تھی لہذا ہمارا یہاں شروع کا وقت ایک طرح اکلاپے کا دور تھا جب تک ہم نے یہاں چند دوست نہ بنائے۔مجھے اب کا خیال آتا ہے کہ ان ابتدائی برسوں میں ہماری زندگی خاصی متاثر ہوئی۔بچیاں اس وقت بھی اپنے والد کی صورت نہ دیکھ سکتی تھیں جب انھیں ان کی سخت چاہت اور ضرورت ہوتی تھی۔اگرچہ میں ان تقاضوں کی اہمیت سے بخوبی آگاہ تھی جو ان سے وابستہ تھے اور میں نے پاکستان آنے کی تجویز سے مکمل طور پر اتفاق کیا تھا لیکن اس سے میری مشکلات میں کوئی کمی نہ آئی پھر جیسے وقت گزرتا گیا۔معاملات خود بخود سنبھلتے اور طے ہوتے چلے گئے۔میں نے صورت حال کو قبول کرنا سیکھ لیا اور شاید بچیوں نے بھی والد کے بے ربط معمولات سے سمجھوتہ کر لیا۔ہمیں احساس ہو گیا تھا کہ پاکستان کے مفاد کی خاطر ہمیں کی قربانی دینا ہے۔"

بیگم خان نے اکلاپے کا یہ دور بچیوں کی تعلیم و رتربیت پر توجہ دینے' گھر پر جانور پالنے' سینے پرونے اور کتابیں پڑھنے میں گذارا' ان کے پسندیدہ موضوعات نفسیات' فلسفہ اور مختلف مذاہب کا مطالعہ تھا' اور ان گھریلو مصروفیات سے انہوں نے کبھی اکتاہٹ محسوس نہ کی کیونکہ وہ نسلاً مغربی مگر طبعاً مشرقی اور گھریلو خاتون ہیں' غالباً یہی وجہ ہے کہ انہوں نے گھر میں کبھی کوئی فل ٹائم نوکر نہیں رکھا اور "پہلی بچی کی پیدائش کے ساتھ ہی نوکری چھوڑ دی" کیونکہ بقول ان کے وہ "فل ٹائم ماں" بننا چاہتی تھیں ان کے خیال میں مکمل طور پر خاتون خانہ ہونا کسی نوکری یا دوسری ذمہ داری کے مقابلے میں زیادہ اہم اور مشکل ہے۔
اس زمانے میں ان کا تعارف پروجیکٹ پر کام کرنے والے چند افسران کی بیویوں تک محدود تھا ان میں سے بعض کبھی کبھار از راہ تفنن گلہ کرتیں کہ

"آپ کے شوہر نے ہم سے ہمارے شوہر چھین لئے ہیں"

یہ سن کر بیگم ہینی جواب دیتی

"آپ کے شوہر چھیننے والا خود بھی اپنی بیوی سے دور ہو گیا ہے"

یہ کوئی حوصلہ مند بیوی ہی برداشت کر سکتی ہے یا پھر ایسی خاتون جس کے سامنے کوئی مقصد ہو۔انہوں نے اپنے عظیم شوہر کے عظیم مشن کی تکمیل کے لئے اپنی خواہشات کو محدود کر دیا' اپنی سماجی زندگی پر قدغنوں کو ہنسی خوشی قبول کیا اور ایک ایک لمحہ اپنے شوہر اور بچیوں کے لئے وقف کر دیا' انہوں نے اپنے شوہر جوان





کے الفاظ میں "روایتی اصطلاح ہی میں نہیں بلکہ اقدار اور باطنی اوصاف کے لحاظ سے بھی عظیم ہیں۔" ان کی صحت کا' ان کی توانائی کا' ان کی خوشیوں کا ہر طرح کا خیال رکھا۔

واقعہ یہ ہے کہ بیگم وقار النساء کی طرح بیگم ہینی خان نے بھی ڈاکٹر خان سے شادی کے بعد خود کو شوہر کی ثقافت و معاشرت میں مکمل طور پر ڈھال لیا' انہوں نے پاکستان کو پورے طور پر اپنے اندر سمو لیا' اپنا وطن چھوڑ کر پاکستان کی شہریت ہی اختیار نہیں کی بلکہ پاکستان سے محبت اور عشق ان کے رگ و پے میں دوڑتا ہے وہ لاکھوں بلکہ کروڑوں پاکستانیوں سے زیادہ پاکستانی ہیں۔انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ کیا ہوا وعدہ نبھایا ہے اور شوہر کا پورا ساتھ دیا ہے۔اور پاکستان کا بھی پورا ساتھ دیا ہے اور اس سفر میں ایک لمحے کے لئے بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔بلکہ ایک مرتبہ آج سے کوئی بیس سال قبل جب ان سے دوبارہ ہالینڈ جا بسنے کے بارے میں میں ان کا تاثر پوچھا گیا تو انہوں نے کہا

"یہ بات اس اعتبار سے تو ضرور دلچسپ ہوگی کہ میرے والدین وہاں آباد ہیں لیکن ایسا ہونے کا کوئی امکان نہیں لہذا میں ایسی باتیں نہیں سوچتی۔ڈاکٹر صاحب کے بارے میں یہ سوچنا کہ وہ دوبارہ ہالینڈ یا بیرون ملک جانے کا فیصلہ کریں گے ناممکنات میں سے ہے۔انھیں اپنی مٹی سے اپنے وطن سے پیار ہے۔میں جانتی ہوں یہاں آنے سے پہلے ان کو کئی ملکوں کی طرف سے بڑی اچھی اور پرکشش پیشکش کی گئی تھیں اور وہ جب چاہیں ایسی بلکہ اس سے بہتر کہیں بہتر پیشکش اب مل سکتی ہیں۔مگر وہ ایسا کبھی نہیں چاہیں گے' پھر یہ کہ میرے لئے اول و آخر ان کی رضا ہی سب کچھ ہے یوں خود میرے لئے بھی اپنے گھر بار اور پاکستان کو چھوکر دوبارہ ہالینڈ جا بسنے کا خیال زیادہ باعث کشش اور خوشگوار نہیں۔"

انہیں پاکستان اسلئے بھی پسند ہے کہ یہ انتہائی خوبصورت ملک ہے جس میں ترقی کے لئے بے پناہ توانائیاں اور صلاحیتیں موجود ہیں۔اور پاکستانی معاشرت کا یہ پہلو تو انھیں بہت عزیز ہے کہ یہاں بچوں کو شروع ہی سے بڑے بوڑھوں اور عمر رسیدہ افراد کی عزت اور مدد کرنے کی تربیت اور تعلیم دی جاتی ہے۔وہ کہتی ہیں کہ

"یہ بات نہ صرف عمر رسیدہ افراد کے نقطہ نظر سے بلکہ خود ان کے پوتوں' پوتیوں اور نواسوں' نواسیوں کے حوالے سے بھی بہت مستحسن ہے' کیونکہ وہ بھی چاہتے ہیں کہ ان کو وقت دیا جائے اور کوئی بھی آیا یا ملازم کسی بھی صورت ان کا متبادل نہیں ہو سکتا۔"

وہ لوگوں کے بے مقصد گھومنے پھرنے اور مختلف النوع ملبوسات کو وقت اور مال کا ضیاع تصور کرتی اور ایک درمند پاکستان کی طرح معاشرتی برائیوں' قومی بدنظمی و ابتری' قاتون کی تضحیک' اپنی منصبی و شہری ذمہ

داریوں کی ادائیگی سے پہلوتہی' دفتری سرخ فیتے' معاملات کو لٹکانے اور فیصلوں میں بلاوجہ تعویق وتاخیر اور تساہل' بے ضابطگی' عدم صفائی وطہارت' اشیائے ضروری میں ملاوٹ کی روش' معاشرتی ہمواریوں اور بے انصافیوں پر کڑھتی اور حتی الوسع ان کی اصلاح کی آرزومند ہیں۔

پاکستان کے ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے پر انہوں نے عام پاکستانیوں سے کئی گناہ زیادہ خوشی محسوس کی' کیونکہ یہ ان کے شوہر کی بھی کامیابی تھی' اس حوالے سے انہوں نے ایک مرتبہ کہا تھا:

''میرے لئے یہ امر یوں بھی مسرت کا باعث تھا کہ اس طرح میرے شوہر نے اپنے وطن واپس آنے کا بڑا مقصد حاصل کرلیا تھا۔ ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے کسی عظیم کارنامے عظیم کامیابی پر شگفتگی کے تاثرات اور جذبات کیسے ہوتے ہیں' اور یہ بلاشبہ میرے شوہر کے لئے اور پاکستان کے لئے عظیم کارنامہ تھا آپ جانتے ہیں کہ اس کامیابی نے پاکستان کو دنیا کے ایٹمی ممالک میں لاکھڑا کیا ہے۔ میرے شوہر نے اپنے شعبے میں بے پناہ کام کیا ہے اور پاکستان کو اس کی ٹیکنالوجی کو ترقی دیتے ہوئے اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ وہ آدرش وہ خواب ہے جو انہوں نے بہت پہلے دیکھا تھا۔ مجھے اس پر بے پناہ مسرت ہوئی کہ انہوں نے جو کچھ کرنا چاہا وہ کرلیا' جو سوچا اسے عمل کی صورت دی' کیا جو وعدہ کیا اسے پورا کیا' اور یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔ اس سے میرے شوہر کو میں جانتی ہوں میرے شوہر تعلیم یافتہ اور ان پڑھ دونوں طبقوں میں مقبول ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ''قائداعظم نے پاکستان بنایا' میرے شوہر نے اپنی محنت' ایثار اور افزودگی کی پیچیدہ ٹیکنالوجی میں اپنی مہارت کے ذریعے پاکستان کی بقاء' سلامتی اور یک جہتی کی ضمانت فراہم کردی ہے۔ ان کا نام تاریخ میں سنہرے حروف میں لکھا جائے گا۔ پاکستان اور اہل پاکستان کو ان پر فخر ہے پاکستانی انھیں کبھی بھلا نہیں سکیں گے۔''

بہرحال بیگم ہینی خان کی خوشیاں یقیناً عروج پر تھیں جس دن پاکستان نے کھلے عام اپنی ایٹمی قوت ہونے کا لوہا منوایا اور ان کے شوہر کو قوم نے محسن پاکستان کے لافانی نام سے پکارا مگر وقت نے پانسہ پلٹا اور وطن عزیز کے دشمنوں کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے حاسدین کی سازشیں جڑ پکڑتی گئیں۔ گو مخالفت اور رقابت کے منفی جذبے کو عوام نے ہمیشہ نظرانداز کیا اور ان کی نظروں میں ڈاکٹر خان کی عزت وتوقیر میں اضافہ ہی ہوا اور اس حوالے سے ان کے اہل خانہ بھی محترم ٹھہرے۔

28 مئی 1998 کو چاغی کے پہاڑ نے رنگ بدلا' پاکستانی قوم کے خون کی حرارت میں یک گونہ اضافہ ہوا اور ایک پراعتماد پاکستانی قوم نے جنم لیا۔ ملک کی فضائیں ڈاکٹر خان محسن پاکستان کے نعروں سے گونجیں' خدا جانے ہم سے کیا خطا سرزد ہوئی کہ حکمت عملیوں اور مصلحتوں کے مارے لوگ





ہمارے ہیرو کو زیرو بنانے اور معمار ملت کو بے آبرو کرنے پر اتر آئے۔ بیگم ہینی خان پر یہ دن بہت بھاری تھے جب ان کے شوہر کو' اس شخص کو جس نے اپنی زندگی کے بہترین دن پاکستان کے دفاع کی ضمانت کا سامان کرنے کی نذر کردیئے۔ جو پاکستان کے عوام کی آنکھوں کا تارا اور عالم اسلام کا سہارا بنا' اسے یوں رسوا کیا گیا کہ اسے انتہائی غیر رسمی انداز میں اس کے منصب جلیلہ سے فارغ کرکے اپنے ہی گھر میں غیر اعلانیہ نظر بند کردیا گیا۔ اور وہ کئی راتیں' کئی دن ایک پل نہ سو سکا جو اپنی اس عزت افزائی پر لمحہ لمحہ کرچی کرچی ہوکر بکھرتا رہا۔ گو یہ سانحہ بیگم ہینی خان کو بھی ریزہ ریزہ کرگیا اور وہ محسن پاکستان کے ساتھ ابنائے وطن کی طرف سے اس ذلت آمیز سلوک پر خود بھی بکھر کر رہ گئی تھیں۔ لیکن انہوں نے اپنی ذہنی کیفیت اور پریشانیوں کو اپنی ذات ہی میں سمیٹ لیا اور اپنے شوہر پر اپنی دلی کیفیت ظاہر نہ ہونے دی بلکہ نفسیاتی مباحث اور ہلکے پھلکے انداز میں ان کی دلجوئی کرنے اور ان کا دکھ بانٹنے کی بھرپور کوشش کی مگر وہ جو کہتے ہیں کتھارسس نہ ہو تو انسان پاگل ہوجاتا ہے' اس کا کلیجہ کٹ کر رہ جاتا ہے۔ بیگم ہینی خان کے ساتھ بھی کچھ یہی ہوا وہ بلڈ پریشر کی مریضہ تو پہلے ہی تھیں اس غیر اعلانیہ نظر بندی نے اور شوہر کی اس انوکھی عزت افزائی نے ذہن پر ایسا دباؤ ڈالا کہ ان کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی۔

ہاں! پھر قوم نے ایسا منظر' المناک منظر' کربناک منظر دیکھا کہ روح لرز لرز گئی۔ قوم نے اپنے ہیرو کو ٹی وی پر اس حال میں دیکھا کہ وہ انگریزی زبان میں اپنے کسی ''جرم'' کا اعتراف کررہا تھا۔ مصلحت اور مجبوری نے محسن پاکستان کو کٹہرے میں لاکھڑا کیا تھا بیگم ہینی خان یہ منظر دیکھ کر یقیناً پکار اٹھی ہوں گی۔

بنے ہیں اہل ہوس مدعی بھی منصف بھی
کسے وکیل کریں' کس سے منصفی چاہیں

اکسٹھ سالہ خاتون دہکتے کوئلوں پر لوٹ لوٹ گئی ہوں گی۔ قوم کو کیا ہوگیا اپنے ہی محسن کو یوں سرعام ناکردہ گناہوں کے اعتراف پر مجبور و بے بس کردیا۔ پاکستان تو فرشتوں کا ملک ہے جہاں کبھی کسی نے اپنے پہاڑ جیسے گناہوں کی اپنی کے ٹو جتنی غلطیوں کو بھی تسلیم نہیں کیا بلکہ الٹا فخر ہی کیا ہے۔ ہاں! اس قائداعظم کے پاکستان کو ایک شخص نے عالم مدہوشی میں لخت لخت کردیا تھا۔ اس کے باوجود جب وہ فالج زدہ ہوکر مرا تو اسے 21 توپوں کی سلامی دی گئی۔ اس سے بھی ٹی وی پر لاکر قوم سے معافی نہ منگوائی گئی جس نے سقوط ڈھاکہ کی ذلت آمیز دستاویز پر دستخط کرنے کے بعد دشمن کمانڈر کو گندے لطیفے سنائے تھے۔ یہاں تو انہوں نے بھی قوم سے معافی نہیں مانگی جو اس ملک میں ڈیم نہ بننے دیں' نہریں نہ کھودنے دیں' سکول نہ کھلنے دیں' بجلی نہ لگنے دیں' زرعی ٹیکس نافذ نہ ہونے دیں تاکہ عوام اور انکے غلام خوشحال نہ ہوں' جو اپنے اقتدار کو قوم کے استحصال کو دوام دینے کے لئے علم کی روشنی کو عام کرنے میں رکاوٹ اور

شاہراہیں تعمیر کرنے میں حائل ہوں' جو طاقت کے نشے میں کسی کو اختلاف کرنے کا حق نہ دیں۔ہاں یہاں 56 سالہ قومی تاریخ میں اگر کسی نے ان گناہوں کی معافی بھی مانگی جو ان سے کبھی سرزد ہی نہیں ہوئے' ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے مانگی۔ یہ تمغہ اس قوم نے سجایا تو اپنے اس 68 سالہ سائنسدان اور محسن کے سینے پر سجایا' جس نے 1971 کی شکست خوردہ اور شکستہ دل قوم کو اس کے ازلی دشمن کے نرغے سے نکالنے کے لئے اس کے دفاع کو لوہے کا چنا بنادیا۔جس نے 1971 کی جنگ کے نتیجے میں حوصلہ چھوڑ بیٹھنے والے وردی والوں کو پھر سے سینہ تان کر چلنے کا انداز سکھایا۔

بیگم ہینی خان نے اس کربناک عالم میں جب یہ کہا جارہا تھا کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے معافی مانگ کر پاکستان کو بچالیا۔ یقیناً چند لمحوں کے لئے اس سوچ میں اطمینان اور سکون پایا ہوگا کہ میرا شوہر کتنا عظیم ہے وہ کتنا وزنی ہے' کتنا ناقابل شکست ہے کہ ناقابل تسخیر دفاع کو بچانے کے لئے بھی اسے ہی قربانی دینا پڑی اور حقیقت بھی یہ ہے کہ ڈاکٹر خان کا وزن ملک کے چودہ کروڑ عوام سے زیادہ ہے' جن میں سیاستدان' دانشور' بیوروکریسی' فوج' غرض زندگی کے تمام شعبے شامل ہیں۔لیکن نہیں جس خاتون نے ڈاکٹر خان پر ہالینڈ میں چلائے جانے والے مقدمے کے حوالے سے 1984 کے ایک انٹرویو میں کہا تھا

''ایسے مقدمات خواہ سچے ہوں یا جھوٹے' ان سے متعلقہ افراد اور اس کے اہل خانہ کے ذہنوں پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور وہ ان سے بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔''

اس خاتون کو اس سوچ نے زیادہ دیر مطمئن نہیں رکھا ہوگا بلکہ وہ تو اس خیال ہی سے کانپ اٹھی ہوں گی کہ آج ان کے شوہر کو اس کے اپنے ہی ہم وطن' جو اس کے احسان کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں۔چور' لالچی اور نہ جانے کیا کیا نام دے رہے ہیں کہ جس نے اپنی عزت نفس کے لئے ہالینڈ کی ماتحت عدالت کے غیر منصفانہ فیصلہ کے خلاف صرف اسلئے اپیل کی تھی' کہ آنے والے وقت میں کوئی ''اس کی نسل کو یہ نہ کہے کہ تمہارا باپ چور سائنسدان تھا۔'' اور اس مقدمے کی پیروی میں اس حد تک چلے گئے تھے کہ وقت کے حکمرانوں کی ناراضگی مول لینے سے گریز نہ کیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ

''اگر میرا مقدمہ مناسب انداز میں نہ لڑا گیا' مجھے اپنی مرضی کا وکیل نہ کرنے دیا گیا تو میں ملک چھوڑ کر چلا جاؤں گا اور کام اس وقت واپس آکر کروں گا جب میرا مقدمہ ختم ہوجائے گا۔''

ذرا چشم تصور تو کیجئے۔تخیل کو کچھ دیر کے لئے آزاد چھوڑ دیجئے۔اس غیر اعلانیہ نظر بندی میں ہمارے ہیرو جو بیمار ہیں' بلڈ پریشر کے مریض ہیں مسلسل ڈپریشن اور ٹینشن کے باعث قلب ونظر کے مختلف عوارض کا شکار ہوچکے ہیں۔ ان کی بے گناہ بیگم پر جو خود بھی صحت مند نہیں ہیں' کیا گذرتی ہوگی۔ مجھے اپنے ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ وہ بھی تقریباً انہیں امراض کا شکار ہوچکی ہیں جن میں محسن





پاکستان مبتلا ہے۔ڈاکٹرز زبان میں مسلسل Hyphen tension اور Depression کا شکار ہیں۔انہیں مسلسل سکون آور اور مسکن ادویات دی جارہی ہیں۔وہ اپنے عظیم شوہر کو ٹکٹکیوں سے دیکھتی ہے تو رونا شروع کردیتی ہیں۔رورو کر ان کی آنکھیں کس قدر بے نور ہوچکی ہیں۔24 اگست کو انکی آنکھیں شدید سرخی مائل ہوگئیں اور ان میں سے روئے بغیر پانی بہنے لگا تو گھر سے باہر سیکورٹی پر مامور میجر کو مطلع کیا گیا۔میجر صاحب اپنی سخت گیری کی وجہ سے جانے جاتے ہیں لیکن نہ جانے انک کے دن میں کیا خیال گذرا کہ انہوں نے اعلیٰ حکام کو صورتحال سے مطلع کیا اور بالآخر انہیں کے آر ایل ہسپتال میں لے جایا گیا جو انکے عظیم شوہر نے کہوٹہ پلانٹ سے وابستہ ہنرمندوں اور انکے اہل خانہ کیلئے بنوایا تھا اور جسکے استقبالیہ میں آج بھی محسن پاکستان کا مسکراتا پورٹریٹ ہر آنے والے مریض کو خوش آمدید کہتا ہے۔بیگم ہینی خان سے بھی اس پورٹریٹ کو دیکھا اور سیکورٹی کا عملہ انہیں پاکستان کے ممتاز آئی سپیشلسٹ اور ہردلعزیز ڈاکٹر خالد انور کے کمرے میں علاج کیلئے لے گیا۔یہ دوسرا موقعہ تھا کہ بیگم ہینی خان کو گذشتہ آٹھ ماہ کے دوران دوسری مرتبہ گھر سے باہر لے جایا گیا۔اسیری کے دوران انہیں پہلی مرتبہ کہاں اور کیوں لے جایا گیا وہ اس کتاب کا موضوع نہیں ہے۔یہ بھی پتہ چلا ہے کہ بعض مغربی سفارت کاروں نے حکومت کو غیر رسمی تجویز پیش کی ہے کہ بیگم ہینی خان کی بگڑتی ہوئی صحت اور انکے غیر یقینی مستقبل کے پیش نظر انہیں اپنی بڑی بیٹی ڈاکٹر دینا خان کے ہاں برطانیہ جانے دیا جائے تاکہ وہ وہاں کی آزاد فضا میں سانسیں لے سکیں اور انکی صحت بحال ہوسکے۔لیکن مشرقی اقدار کی دلدادہ اس مغربی خاتون نے صاف صاف کہہ دیا

''میں اپنے خاوند کے ساتھ جیوؤں گی اور اپنے خاوند کے ساتھ مروں گی۔''

اے محترم خاتون! پاکستان قوم کے ایک فرد کی حیثیت میں ایک نمائندہ بن کر آپ سے دل کی گہرائیوں سے پوری نیک نیتی کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہم آپ سے بہت شرمندہ ہیں' واقعی شرمسار ہیں کہ آپ نے اپنا وطن چھوڑا۔بوڑھے والدین سے اپنے عزیز واقارب سے دوری اختیار کی' ایک اجنبی ماحول میں پابندیوں اور پہروں کی زندگی گزاری' اسلئے کہ آپ کے شوہر یک سو ہوکر میرے وطن کو اپنی محنت' خلوص' مہارت اور محبت کے ساتھ وطن عزیز کو ایسا تحفظ دے سکیں' جس نے دشمن پر لرزہ طاری کردیا۔محترمہ ہم' یعنی پوری ملت پاکستان آپ کی احسان مند ہے' شکرگزار ہے' کہ آپ نے پاکستان کی شہریت اختیار کی' اپنے شوہر کا قدم قدم ساتھ دیا۔ان کے آرام وسکون کا خیال رکھا' اور ان کو وہ ذہنی وجسمانی اور اخلاقی مدد دی جس کی انھیں اس کڑے سفر میں انتہائی ضرورت تھی۔اس طرح ان کا حوصلہ بندھایا کہ وہ نہایت مختصر عرصے میں پاکستان کے لئے وہ سب کچھ کرنے میں کامیاب رہے جو کوئی اور

شاید ہی کرسکتا۔ کہ جسے اللہ نے قائداعظم سافہم وادراک اور باعمل کردار دیا ہے۔ محترمہ ! ہمیں دکھ ہے، ہم شرمندہ ہیں کہ قوم اپنے ہیرو کی عزت نفس کا' آن کا تحفظ کرنے میں ناکام رہی' اور اسکی یوں تحقیر وتذلیل کی' محترمہ ! اس نابغہ کی بے چارگی نے آپ ہی کے دل کو لخت لخت نہیں کیا بلکہ اپنی بے بسی پر پوری قوم کو رلایا ہے۔





# اس کتاب کا پیش لفظ جو شائع نہ ہو سکی

[ 6 اپریل 1998 کو پاکستان کے پہلے غوری میزائل کے انتہائی سنسنی خیز تجربے اور 28 مئی 1998 کو محیّر العقول کامیاب ایٹمی دھماکوں کے بعد پاکستان کے طول و عرض سے بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی طرف سے محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو مبارک باد کے لاکھوں خطوط موصول ہوئے۔

میں نے ان خطوط کا نمائندہ انتخاب مرتب کرنے اور شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔ کتاب کا عنوان ''**عقیدت نامے**'' طے پایا اور اسکا ٹائیٹل مصور اقبال جناب اسلم کمال نے کمال مہارت کے ساتھ تخلیق کیا۔ یہ ٹائیٹل ایک عجیب جادو اثر ٹھنڈی تاثیر کا حامل تھا لیکن بعض ناقابل اشاعت وجوہات کی بنا پر میری وہ کتاب، جو ہر لحاظ سے اشاعت کے آخری مراحل میں تھی' شائع نہ کی جا سکی۔ کتاب کو اس بدقسمت بچے سے تشبیہہ دی جاسکتی ہے جو پیدائش سے پہلے ہی مرجائے۔ ہائے۔ کس قدر دکھ کی بات ہے۔ میں نے اس کتاب کا جو پیش لفظ لکھا تھا وہ زیرنظر کتاب میں اس لئے شامل کیا جارہا ہے تاکہ یہ حقیقت واضح کی جاسکے کہ محب وطن پاکستانی اس عظیم شخصیت کو کس طرح ہیرو سمجھتے تھے (اور سمجھتے ہیں) جسے آج کچھ بدبخت کوتاہ بین زیرو ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ]

## یہ کتاب کیوں اور کیسے؟

28 مئی 1998 کو ان پانچ انتہائی ڈرامائی اور سنسنی خیز ایٹمی دھماکوں جنہوں نے چاغی کے سنگلاخ پہاڑ کا رنگ تبدیل کردیا تھا کے ایک برس بعد یعنی 28 مئی 1999ء کو وطن عزیز میں یوم تکبیر منایا گیا۔ اسلامی امہ کے ایک اہم رکن پاکستان کی طرف سے دشوار ترین اور حساس ترین ایٹمی صلاحیت حاصل کر لینے کی خوشی میں سرکاری سطح پر تقریبات کا اہتمام کیا گیا۔ شاید حالات مستقبل میں یا کم از کم ہماری عمر کے لوگوں کی زندگیوں میں اس طرح کی مزید سرکاری سطح پر تقریبات کے انعقاد کی اجازت نہ دیں۔ لہذا 1999ء کی ان تقریبات کا ایک اپنا ہی رنگ اور سرور تھا۔ پورے ملک میں جشن کا سا سماں تھا۔ راولپنڈی اور اسلام آباد کے ہر شعبہ زندگی سے متعلق 100 انجمنوں کے عہدیداران نے ایک مشترکہ

اجلاس میں مل جل کر ایک بہت بڑی تقریب کا اہتمام کیا جس میں ہر تنظیم کے ایک مرکزی عہدیدار نے سٹیج پر آ کر محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو پھولوں کا گلدستہ پیش کرنا تھا اور یوں ان کی لاثانی اور لافانی خدمات پر انہیں خراج تحسین پیش کرنا اور ان کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کرنا تھا۔ ان عہدیداران نے مجھے متفقہ طور پر اسلام آباد میں ہونے والی اس منفرد تقریب کا کنوینر مقرر کر دیا۔ تقریب کے انعقاد سے دو دن پہلے میں محسن پاکستان کو تقریب کی تفصیلات بتانے ان کے دفتر گیا تو میں نے ان کے پرنسپل سٹاف افسر اور معتمد خاص میجر اسلام الحق کے ملحقہ کمرے میں فرش سے چھت تک فائلوں کے انبار دیکھے۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ ان فائلوں میں وہ ہزاروں لاکھوں مبارکباد کے خطوط ہیں جو لوگوں نے محسن پاکستان کو 6 اپریل 1998ء کو غوری میزائل کی کامیاب پرواز اور 28 مئی 1998ء کو چاغی میں کامیاب ایٹمی تجربات کے بعد لکھے تھے۔ میں نے ایسے ہی ایک فائل اٹھا کر دیکھی تو اس میں پہلا ہی خط دیکھ کر چونک اٹھا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو یہ خط کسی نے اپنے خون سے لکھا ہوا تھا اور اس میں لکھا ہوا تھا کہ آپ نے وطن عزیز کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنانے کے لئے جو قابل فخر کارنامہ سرانجام دیا ہے اس نے ہمارے خون کو گرما دیا ہے آپ جب بھی حکم کریں گے ہم سب دوست آپ کے قدموں میں اپنے خون کا نذرانہ نچھاور کر دیں گے۔

اسلام آباد میں یوم تکبیر کی تقریب میں شرکت کے لئے ڈاکٹر عبدالقدیر خان ہال میں داخل ہوئے تو ہال کی فضا عجیب جذباتی رنگ لئے ہوئے تھی۔ محسن پاکستان پر گلاب کے معطر پھولوں کی پتیاں برسائی جا رہی تھیں۔ تالیوں کی گونج میں وہ سٹیج کی طرف بڑھنا چاہتے تھے لیکن ان کے لئے سٹیج تک پہنچنا مشکل ہو رہا تھا۔ ہر کوئی ہاتھ ملانے کے لئے کوشاں تھا۔ بالآخر جب وہ سٹیج پر پہنچ ہی گئے اور سٹیج سیکریٹری نے مختلف تنظیموں کے ایک ایک مرکزی عہدیدار کو باری باری بلانا شروع کیا کہ وہ سٹیج پر آ کر محسن پاکستان کی خدمت میں عقیدت کے پھول پیش کریں تو ان خواتین و حضرات کا سٹیج تک پہنچنا دشوار ہو جاتا اس لئے کہ سٹیج کو درجنوں پریس فوٹوگرافروں نے گھیر رکھا تھا لیکن میں اس جذباتی فضا میں بیٹھا اس خط کے متعلق سوچتا رہا جو کسی نے محسن پاکستان کو اپنے خون سے لکھا تھا۔ اس خط اور اس خط کے پیچھے غیر معمولی جذبہ حب الوطنی اور ایٹم بم کے خالق ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے ساتھ غیر معمولی محبت کا اظہار تھا۔ میں نے محسن پاکستان سے گزارش کی کہ میں آپکو مبارکباد کے موصول ہونے والے تمام خطوط پڑھنا چاہتا ہوں اور اگر ہو سکا تو میں فائلوں کے اس انبار سے چند نمائندہ خطوط پر مشتمل ایک کتاب بھی شائع کروں گا۔

"ملک صاحب! آپ کے لئے یہ تمام خطوط پڑھنا ناممکن ہوگا۔ ایسا کرنے میں تو آپ کو ایک لمبا عرصہ درکار ہوگا اور آپ کے پاس اتنا وقت کہاں"۔ ڈاکٹر عبالقدیر خان نے اپنی روائتی معصوم مسکراہٹ کے





ساتھ کہا!

"میں انشاءاللہ تمام خطوط پڑھونگا اور پھر نمائندہ خطوط پر مشتمل کتاب بھی شائع کرونگا" میں نے پر اعتماد لہجہ میں کہا "پہلے بھی تو میں نے اس طرح کے کام کئے ہیں۔" میں نے اپنی بات میں مزید وزن پیدا کرنے کے لئے کہا۔

محسن پاکستان نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور پھر ہال میں بیٹھے اور کھڑے پر جوش ہجوم کی طرف متوجہ ہو گئے۔

یوں مبارکباد پر مبنی یہ فائلیں میرے گھر منتقل ہو گئیں۔

## خطوط کا انتخاب

میں نے کوئی سال بھر یہ محبت نامے پڑھنے پر صرف کیا۔ اگر مبارکباد کے یہ خط رسمی دفتری زبان میں ہوتے تو میرے لئے ان کا پڑھنا مشکل بلکہ ناممکن ہوتا۔ کیونکہ رسمی دفتری خطوط سچے جذبوں اور خلوص سے عاری ہوتے ہیں۔ ایسے خطوط میں زبان یا تحریر کسی اور کی ہوتی ہے البتہ دستخط صاحب کے ہوتے ہیں۔ ان کی زبان اور لب و لہجہ خشک ہوتا ہے جبکہ ان فائلوں میں دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے جادو اثر اور سحر انگیز الفاظ تھے۔ نوجوان طلباء طالبات کے معصوم جذبے' بوڑھوں اور بزرگوں کی دعائیں' جوانوں کی وطن عزیز کے لیے کچھ کر گزرنے کی خواہش ۔۔ دلی جذبات و احساسات پر مبنی خطوط دراصل ایک مرقع تھے عوام کے سینوں میں موجزن جذبوں کا۔ ان فائلوں سے یہ بات سمجھنے میں مزید مدد ملی کہ ہمارے عوام اس مملکت خداداد پاکستان اور اس کو درپیش مسائل کے حوالے سے کیا سوچتے ہیں' ان کی خواہشات اور امنگیں کیا ہیں۔ جو کسی بھی حوالے سے وطن عزیز کی خدمت کرتا ہے اس کو یہ لوگ کس طرح سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں اور کس طرح اس پر جان نچھاور کرتے ہیں۔ وہ بھارت کے جارحانہ عزائم کے حوالے سے کیا سوچتے ہیں۔ اس لئے ان خطوط سے کسی نہ کسی حوالے سے میری معلومات میں اور پاکستان سے میری گہری کومٹمنٹ میں اضافہ ہی ہوا۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ میں نے تقریباً سال بھر کے عرصے میں یہ تمام فائلیں پڑھ ڈالیں۔

البتہ جو کام میرے لئے بہت ہی مشکل ثابت ہوا وہ یہ تھا کہ کس طرح خطوط کے اس ابنار میں سے سو دو سو ایسے خطوط منتخب کئے جائیں اور ان پر مشتمل ایک ایسی کتاب شائع کی جائے جس کے پڑھنے سے پاکستان کے میزائل اور ایٹمی پروگرام اور ان پروگراموں کے خالق کے حوالے سے پاکستانی عوام کے حقیقی جذبات و احساسات کی مکمل طور پر عکاسی ہو سکے۔ ظاہر ہے ہزاروں لاکھوں خطوط کو تو کتاب میں

شامل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جبکہ دوسری طرف ہر خط کوئی نہ کوئی منفرد انداز لیے ہوا تھا اور ہر خط میں لکھنے والے کے سچے جذبوں کی عکاسی بھی تھی۔ یہ ایک بہت ہی مشکل مرحلہ تھا۔ بڑی سوچ بچار کے بعد میں نے چند ایک بنیادی فیصلے کیے۔ پہلا فیصلہ یہ کہ تمام خطوط کو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت تقسیم کیا:

(1) نوجوان طلباء طالبات کے خطوط
(2) خواتین کے خطوط
(3) علماء کرام و مشائخ عظام کے خطوط
(4) عام شہریوں کے خطوط
(5) بیرون ملک مقیم پاکستانیوں کے خطوط
(6) آزاد کشمیر کے خطوط

دوسرا فیصلہ یہ کیا کہ اعلیٰ حکومتی اور افواج پاکستان سے وابستہ بڑی شخصیات کے خطوط کتاب میں شامل نہ کیے جائیں۔ اسی طرح میں نے اس کتاب میں مبارکباد کے وہ خطوط بھی شامل نہیں کیے جو برادر اسلامی ممالک کی اعلیٰ شخصیات اور وہاں کے عام شہریوں نے ارسال کیے۔ اسلامی امہ کی شخصیات سے موصول ہونیوالے اکثر خطوط میں کہا گیا ہے کہ عالم اسلام کو صدیوں بعد ایک بڑی خبر سننے کو ملی ہے۔ ایسے خطوط اور بعض نادر اور یادگار تصاویر میں اپنی زیر ترتیب اس دوسری کتاب میں شامل کرنا چاہونگا جس کا عبوری نام ہے ''ڈاکٹر عبدالقدیر خان۔۔۔ شخصیت اور سائنسدان۔'' یوں محسن پاکستان پر میری یہ چھٹی کتاب ہو جائے گی۔

مندرجہ بالا چند ایک بنیادی فیصلوں کے بعد میں نے تمام خطوط میں سے صرف ایسے خطوط منتخب کیے ہیں جن کی تحریروں سے لکھنے والوں کے علاوہ ایک عام پاکستانی کے جذبات اور احساسات کی بھی ترجمانی ہوتی ہے علاوہ ازیں

(ا) زیر نظر کتاب میں بعض ایسے خطوط بھی شامل نہیں کیے جا سکے جو چار چار پانچ پانچ صفحات پر پھیلے ہوئے تھے۔ ایسے خطوط میں سے چند ایک اعلیٰ ادبی رنگ لیے ہوئے تھے اور چند ایک اسلامی تاریخ کے حوالہ جات سے مزین تھے۔

(ب) نوجوان طلباء و طالبات کے زیادہ تر خطوط میں عالمی شہرت یافتہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی شخصیت سے متاثر ہو کر سائنس کے مضامین میں دلچسپی کا حوالہ تھا اور بڑے ہو کر ایٹمی سائنسدان بننے کی خواہش کا اظہار کیا گیا تھا۔ باب ''نوجوان طلباء و طالبات کے خطوط'' میں ایسے ہی نمائندہ خطوط کو ترجیح دی گئی ہے۔ بعض بچوں نے اپنے خطوط میں اپنے ذہنی افق کے مطابق دلچسپ تجاویز بھی پیش کی ہیں مثلاً





ایک بچے نے مشورہ دیا کہ اے محسن پاکستان اب آپ میزائل شکن نظام کی طرف توجہ دیں اور متحرک اجرام فلکی پر قابو پا کر ان سے کافروں پر پتھراؤ کی صلاحیت حاصل کریں۔

(ج) کسی بھی خط میں کوئی ردوبدل نہیں کیا گیا۔ اگر کسی خط میں زبان کی کوئی غلطی ہے تو اس کی اصلاح نہیں کی گئی۔

(د) زیر نظر کتاب میں زیادہ تر ایسے خطوط شامل کئے گئے ہیں جن میں لکھنے والوں کا مکمل پتہ دیا ہوا تھا۔ ایسا اس لیے کیا گیا کہ میری کوشش ہوگی کہ جب کتاب شائع ہو جائے تو اس کی ایک ایک کاپی محسن پاکستان کے آٹوگراف کے ساتھ ان تمام لکھنے والوں کو ارسال کی جائے جن کے مبارکباد کے خطوط کتاب میں شامل کئے گئے ہیں۔

(ر) محسن پاکستان کو مبارکباد کے اور ان سے والہانہ لگاؤ کے جو خطوط کالی سیاہی سے لکھے گئے ہیں۔ ان کے عکس یعنی پازیٹو کتاب میں شائع کئے جا رہے ہیں ایسے خطوط میں سے بعض ٹائپ شدہ ہیں جبکہ بعض ہاتھ سے لکھے ہوئے ہیں۔ البتہ جو خط کسی دوسری سیاہی سے لکھے گئے ہیں اور تکنیکی مجبوریوں کی وجہ سے ان کا فوٹو عکس شائع نہیں کیا جا سکتا انہیں نئے سرے سے کمپوز کروا کر شائع کیا جا رہا ہے۔ ایسے خطوط کو کمپوز کراتے ہوئے وقت ان میں کوئی لفظ آگے پیچھے نہیں کیا گیا۔

(ک) ایک ایسا خط بھی کتاب میں شامل کیا گیا ہے جو اس وقت کے وزیراعظم جناب میاں نواز شریف کو لکھا گیا ہے اور اس کی ایک نقل ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو ارسال کی گئی اس خط میں محسن پاکستان کو قومی ہیرو قرار دیتے ہوئے وزیراعظم پر زور دیا گیا کہ ''ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی قدر و منزلت کی جائے'' اس خط کی اہمیت اس حوالے سے بھی ہے کہ یہ خط سندھ (خیر پور میرس) کے ایک مسلم لیگی نے لکھا ہے اور اس میں وزیراعظم کی 28 مئی 1998 کی تاریخی تقریر میں پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے حوالے سے مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کا ذکر نہ کرنے پر شکوہ کیا گیا ہے۔ اس خط سے سندھ کی سوچ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

(گ) 28 مئی 1998ء کے ایٹمی دھماکوں کے بعد محسن پاکستان کو مبارک باد کے کئی ایک خطوط پاکستان کی مختلف جیلوں میں قیدیوں کی طرف سے بھی ملے۔ پھانسی کے منتظر ایک قیدی ان کامیاب ایٹمی تجربات سے اس قدر جذباتی ہو گیا کہ اس نے لکھا ''ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب! اب بے شک مجھے پھانسی دے دی جائے۔ میں بہت خوش ہوں۔'' اس کتاب میں جیل کے قیدیوں کے خطوط میں سے صرف ایک ایسا خط شامل کیا گیا ہے۔ جس میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان سے التماس کی گئی ہے کہ وہ حکومت کو تجویز پیش کریں کہ ایٹمی دھماکوں کی خوشی میں قیدیوں کی بقیہ سزا معاف کر دی جائے۔

(ل) اسی طرح ملک کے مختلف ہسپتالوں میں زیر علاج کئی ایک مریضوں نے بھی محسن پاکستان کو

مبارکباد کے خطوط ارسال کیئے۔ان میں سے ایک ہسپتال میں زیر علاج سرطان کے مہلک مرض میں مبتلا ایک مریض نے اپنے خط میں اس خواہش کا اظہار کیا کہ ڈاکٹر صاحب! میری آخری خواہش یہ ہے کہ میں مرنے سے پہلے آپ کا دیدار کرنا چاہتا ہوں۔ظاہر ہے اس خط کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔میں نے یہ خط کتاب میں شامل کیا ہے۔میں نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب سے ایک ملاقات کے دوران اس دل کو ہلا دینے والے خط کے بارے میں بات کی اوران سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے موت کی دہلیز پر کھڑے اس مریض کی خواہش پوری کی تو انہوں نے فرمایا کہ ہسپتال میں خود تو نہیں جا سکا تھا البتہ میں نے اپنے ایک ڈائریکٹر جنرل کو اپنی تصویر اور پھولوں کے گلدستہ کے ساتھ وہاں بھیجا تھا اور اپنی نیک تمناؤں اور دعاؤں پر مشتمل ایک کارڈ بھی دیا تھا جسے وصول کرنے کے بعد مریض کی آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے چھلک پڑیں۔

(م) خطوط کے انبار میں بعض ایسے خطوط بھی پڑھنے کو ملے جن میں کہوٹہ دشمن لابی کے سرغنہ اوران کے بعض ساتھیوں اور سازشیوں کے خلاف انتہائی نازیبا زبان استعمال کی گئی تھی گالی گلوچ کے لب ولہجہ والے ان خطوط میں اس عزم کا اظہار کیا گیا تھا کہ وہ محسن پاکستان کے دشمنوں کو نیست ونابود کردیں گے۔اس کتاب میں اس نوعیت کا کوئی خط شامل نہیں کیا گیا۔کیونکہ میری اس کاوش کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کردار کشی نہیں ہے بلکہ عوام کے سچے جذبوں اور محسن پاکستان کے ساتھ ان کی گہری عقیدت کی عکاسی ہے۔

## اگر ایٹمی تجربات ناکام ہو جاتے

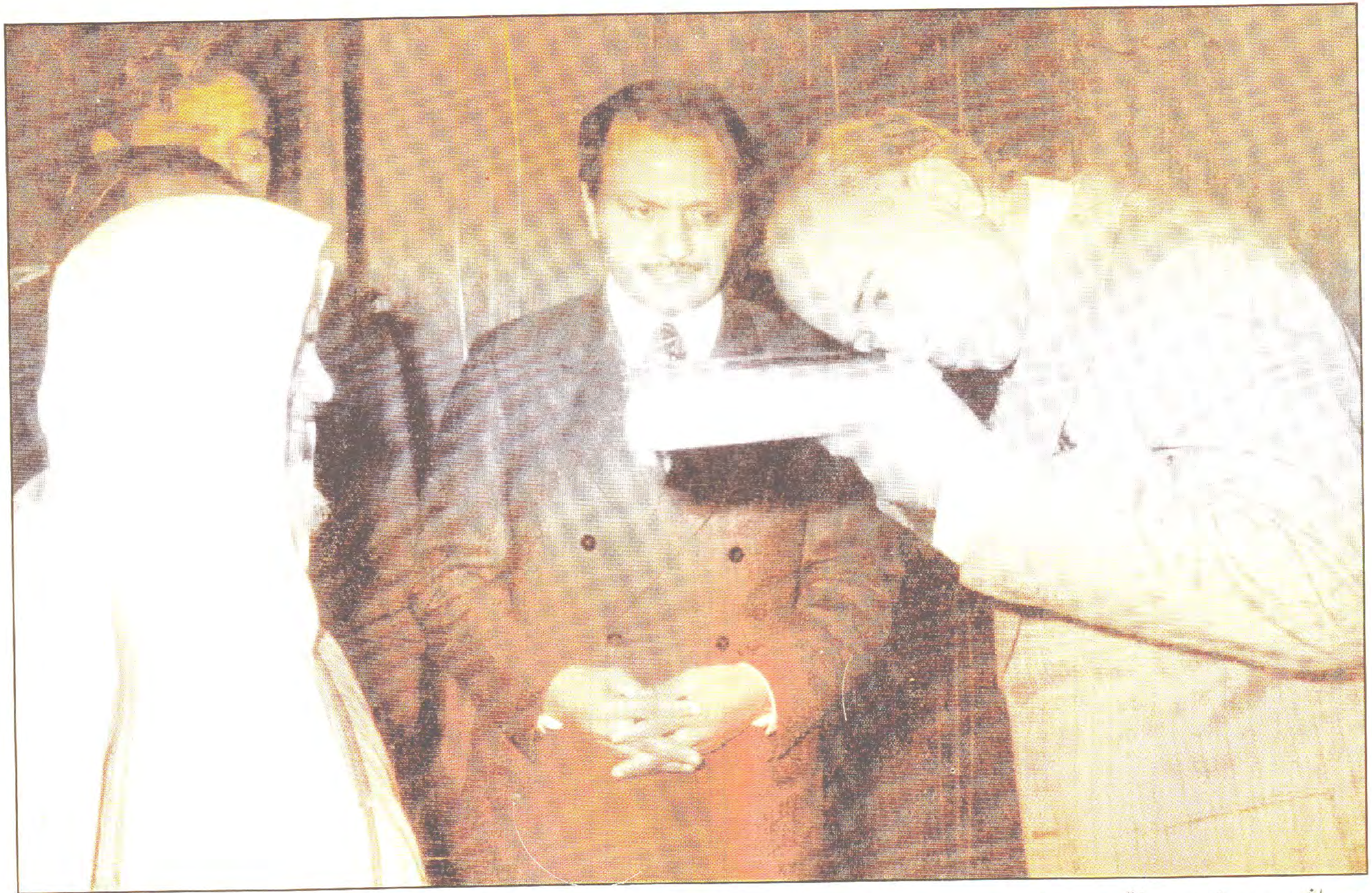
میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اگر 6 اپریل 1998 کوٹلہ جوگیاں سے غوری میزائل کا 15 سوکلو میٹر پرواز کا تجربہ ناکام ہو جاتا اور خاص طور پر اگر 28 مئی 1998 کو چاغی میں ایٹمی دھماکوں کے تجربات کامیاب نہ ہوتے تو پاکستان کا کیا نقشہ ہوتا۔اور جن لوگوں نے 28 مئی کے کامیاب ایٹمی تجربات کے فوراًبعد ایٹمی دھماکوں کا تمام تر کریڈیٹ خود لینے کی کوشش کی اور کہا کہ ''ان ایٹمی دھماکوں میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا کردار صرف پانچ فیصد ہے'' ناکامی کی صورت میں وہ کیا کہتے۔

## میرے تجزیہ کے مطابق

(ا) ایٹموں بموں سے لیس بھارت آزاد کشمیر پر بھرپور حملہ کر کے اس خطہ کے کچھ یا بڑے حصہ پر قبضہ کر چکا ہوتا۔ایل کے ایڈوانی نے 13 مئی کے پوکھران دھماکوں کے بعد کشمیریوں کو وارننگ دینی شروع کردی تھی کہ آزاد کشمیر کا علاقہ (جس پر کہ بقول اس کے پاکستان کا قبضہ ہے) اڑتالیس گھنٹوں میں




راولپنڈی۔اسلام آباد کی 101 تنظیموں کی طرف سے محسن پاکستان کے اعزاز میں تقریب کے حوالے سے ایک یادگار تصویر۔سٹیج پر ڈاکٹر عبدالقدیر خان، کتاب کے مصنف اور میجر اسلام الحق کھڑے ہیں جبکہ پاکستان مسلم لیگ شعبہ خواتین کی ممتاز رہنما محترمہ فرخ خان سٹیج سیکرٹری کے فرائض انجام دے رہی رہیں۔تصویر میں اسلام آباد کے تمام معروف پریس فوٹوگرافر محسن پاکستان کو بڑے اشتیاق اور ادب واحترام کے ساتھ دیکھ رہے ہیں۔



امام کعبہ الشیخ عبداللہ بن سبیل وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹوکوان سے ملاقات کے دوران قرآن پاک کانسخہ پیش کرر ہے ہیں جبکہ کتاب کے مصنف جوانؔ دنوں وزارت مذہبی امور کے جائنٹ سیکرٹری تھے درمیان میں کھڑے ہیں۔

خالی کر دیا جائے۔

(ب) محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے حاسدین اور مخالفین کردار کشی کی ایک زبردست ملک گیر مہم شروع کر دیتے کہ ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کہ کے آر ایل محض ڈرامہ ہے اور ڈاکٹر خان پاکستان کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنا دینے کے حوالے سے جو بیانات دیا کرتے تھے وہ سلطان راہی کی بڑھکیں تھیں۔

(ج) جہاں تک حکومت اور فوج کی ممکنہ غضب ناکی کا تعلق ہے تو اس کا اندازہ عراق کے (ماضی کے) ایٹمی پروگرام کے خالق ڈاکٹر حمزہ خضیر کے حال ہی شائع ہونے والے ایک انٹرویو کے مندرجہ ذیل پیراگراف سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے 1994 میں عراق چھوڑنے کے بعد اب پہلی مرتبہ 2000 میں دیا ہے۔ عراق کے اس ایٹمی سائنس دان کو 1994 میں عراق چھوڑنا پڑا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر پاکستان کے یہ ایٹمی تجربات کسی وجہ سے خدانخواستہ ناکام ہو جاتے تو کچھ لوگ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا جینا حرام کر دیتے اور ممکن ہے کہ ان کے لئے اسی طرح پاکستان چھوڑ دینے کی راہ ہموار کر دی جاتی جس طرح کہ عراقی ایٹمی سائنس دان نے 1994 میں عراق کو خدا حافظ کہہ دیا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا المیہ ہوتا اور پاکستان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کے اعزاز سے محروم ہو جاتا۔

لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر خدانخواستہ ایسی صورتحال بھی پیدا ہو جاتی تو پھر بھی جہاں تک کہ پاکستان کے عوام کا تعلق ہے ان کی محسن پاکستان سے جذباتی وابستگی ختم نہ ہوتی۔

## امام کعبہ اور ڈاکٹر خان

میں نے اپنی زندگی میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان سے بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور مردوں کے والہانہ لگاؤ کے جو مناظر دیکھے ہیں اور عوام جس طرح ان کی ایک جھلک دیکھنے، ان سے ہاتھ ملانے اور ان کے ساتھ تصویر اتروانے کے لئے دیوانہ وار آگے بڑھتے ہیں اور ان کو چھو لینے کو ہی اپنی سعادت بلکہ سرمایہ حیات سمجھتے ہیں اس طرح کے مناظر میں نے کسی اور شخصیت کے حوالے سے نہیں دیکھے۔ ہاں ایک مرتبہ بالکل اسی طرح کے مناظر اس وقت دیکھنے میں آئے تھے جب امام کعبہ الشیخ محمد عبداللہ بن سبیل مارچ 1972 میں پہلی مرتبہ حکومت پاکستان کی دعوت پر تشریف لائے تھے۔ ان کے دیدار کیلئے پورا پاکستان سڑکوں پر امنڈ آیا تھا۔ میں ان دنوں وزارت مذہبی امور میں جوائنٹ سیکرٹری تھا۔ مرحوم وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو ذاتی طور پر خواہش مند تھے کہ امام کعبہ کو اسلام آباد کے علاوہ لاہور، ملتان، کراچی، اور کوئٹہ وغیرہ لے جایا جائے اور ہر جگہ ان کیلئے زبردست اور پر جوش استقبالیوں کا اہتمام کیا جائے۔ مرحوم وزیر اعظم نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اگر ممکن ہو تو کسی طرح امام کعبہ سے وزیر اعظم پاکستان کی ''اسلامی خدمات'' کے حوالے سے

تعریفی کلمات کہلوائے جانیکی کوشش کی جائے۔اس خواہش کا اظہار انہوں نے خود مجھ سے اس وقت کیا جب امام کعبہ وزیراعظم سے ملاقات کے لئے وزیراعظم ہاؤس تشریف لے گئے۔مرحوم ذوالفقار علی بھٹو سے پچاس منٹ پر پھیلی ہوئی بات چیت کے بعد امام کعبہ نے انہیں قرآن پاک کا ایک نسخہ پیش کیا تھا۔مرحوم وزیراعظم نے قرآن پاک کو بوسہ دیا اور اسے اپنی آنکھوں سے لگایا۔۔۔خیر اس موقع پر اس طرح کی تفصیلات میں جانا ضروری نہ ہوگا۔میں فی الحال جو عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ حسن اتفاق سے مجھے امام کعبہ کے ساتھ ہر شہر میں جانے اور اس حوالے سے تمام متعلقہ امور کی نگرانی سونپ دی گئی اور یوں مجھے دس دن اور دس راتیں محترم امام کعبہ (جو بعد میں میرے ذاتی دوست بن گئے) کے ساتھ گزارنے کا موقع ملا۔سعودی عرب کے بانی ''شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمان السعود'' نامی کتاب کے مصنف اور عربی زبان پر مکمل عبور رکھنے والے میرے دوست بحر اللہ ہزاروی ترجمان کی حیثیت سے ہمارے ساتھ تھے۔قابل صد احترام الشیخ محمد عبداللہ بن سبیل کی ایمان افروز صحبت میں یہ دس دن جن کے دوران ان سے مودبانہ گفتگو بھی ہوئی اور بعض مواقع پر ہلکے پھلکے انداز میں بے تکلفانہ تبادلہ خیالات بھی میری زندگی کے چند یادگار دن ہیں۔اگر میں چاہوں تو ان دس دنوں کے دوران ہونے والے واقعات اور محسوسات کے حوالے سے تین چار سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب سپرد قلم کرسکتا ہوں لیکن اس وقت صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ ان دنوں پر مشتمل یادگار سفر کے دوران اور مختلف عوامی استقبالیوں کے مواقع پر محترم امام کعبہ کے ساتھ میں نے عوام کے والہانہ لگاؤ کے ایسے مناظر دیکھے ہیں جنہیں الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔کراچی میں لاکھوں کا اجتماع تھا۔امام کعبہ شدید دھکم پیل کو سخت ناپسند فرماتے اور بعض اوقات انہیں عدم تحفظ کا احساس ہونے لگتا۔بہت سے لوگ انکے کپڑوں کو چھو کر اپنے ہاتھ اپنی آنکھوں پر لگاتے۔بعض اوقات امام صاحب فرماتے ''حرام۔حرام''ہم تقریبات سے فارغ ہوکر جب ہوٹل میں جاتے جہاں امام محترم تشریف فرما تھے تو ہم انہیں بتاتے کہ یہ ہمارے لوگوں کا آپ کے ساتھ گہری عقیدت کا ایک اپنا انداز ہے۔وہ بالعموم فرماتے ''استغفر اللہ''اور کبھی فرماتے ''عجیب''اور پھر مسکرانے لگتے۔

میں نے بعض اجتماعات میں محسن پاکستان کے ساتھ عوام کی عقیدت کے کچھ ایسے ہی مناظر دیکھے ہیں۔ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے ساتھ عوام کے اس والہانہ لگاؤ کی ایک جھلک اسی کتاب میں شامل بعض خطوط سے بھی ملتی ہے۔ میں پاکستان اور بیرون ملک مقیم ان تمام خواتین وحضرات سے معذرت خواہ ہوں جن کے محسن پاکستان کے نام لکھے گئے خطوط میں اس کتاب میں شامل نہیں کرسکا۔

# وقت وقت کی بات



23 مارچ 1999 کو ایوان صدر میں ہونے والی ایک پروقار تقریب میں صدر مملکت نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی لاثانی خدمات کی بناء پر انہیں پاکستان کا اعلیٰ ترین سول اعزاز نشان امتیاز عطا کیا۔ اعزاز پانے کے بعد محسن پاکستان اپنی بیگم اپنی چھوٹی صاحبزادی عائشہ اور داماد سعد کے ساتھ اپنی اس رہائش گاہ کے باہر پر مسرت انداز میں کھڑے ہیں جس رہائش گاہ کے اندر آجکل وہ غیر یقینی حالات میں زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں! یہ وہ عام سی رہائش گاہ ہے جس کا بہت چرچا کیا جاتا ہے کہ ''ڈاکٹر خان کا محل ہے''



ایک برادر مسلم ملک کی ایک وی وی آئی پی شخصیت کے دورہ کہوٹہ لیبارٹریز کے موقع پر محسن پاکستان افواج پاکستان کے تینوں سربراہان کی باادب توجہ کا مرکز۔ تصویر میں آرمی چیف جنرل پرویز مشرف ایئر چیف ایئر چیف مارشل پرویز مہدی قریشی اور نیول چیف ایڈمرل فصیح بخاری نمایاں نظر آرہے ہیں۔

محسن پاکستان کی ڈی بریفنگ

زاہد ملک

HURMAT